

ابن صافی

جاسوسی دنیا

85- دھواں اٹھ رہا تھا

86- فرہاد ۵۹

87- زہر میلا آدمی



پیشرس

مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ میں پیشرس میں کتابوں کے متعلق لکھنے کی بجائے پڑھنے والوں سے با تمدی کیا کروں! کتابیں تو بہر حال پڑھی جاتی ہیں اور پڑھنے والے خود ہی کتاب کے مادے سے متعلق اچھی یا بُری رائے قائم کرنے کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوتے! اس کتاب کے بارے میں مصنف کا نوٹ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

مجھے آپ کی اس دلیل سے متفق ہوتا ہی پڑے گا۔ میں جانتا ہوں آپ کیا چاہتے ہیں؟ خطوط پر تبصرے۔ لیکن ان تین صفحات میں اُن سارے خطوط پر تبصرہ مشکل ہے، جو ہر ماہ موصول ہوتے ہیں! کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ ایسے خط کا انتخاب جو سب کی دلچسپی کا باعث بن سکے۔

یہ خط چانگام سے آیا ہے۔ پورا پتہ تحریر نہیں کیا گیا! موضوع ظلمات کا دیوتا کی ناپسندیدگی ہے۔ حالانکہ یہ کتاب عام طور پر پسند کی گئی ہے! بعض حضرات صرف اسی ناگزیر خامی کے شاکی ہیں جس کا تذکرہ خود میں نے ہی اس کے پیش رس میں کیا تھا۔ زیادہ تر حضرات کا کہنا ہے کہ وہ خامی نہیں بلکہ خوبی ہے! اگر کسی کہانی کا انجام متوقع ہو تو پھر بات ہی کیا رہی!

بہر حال مجھے دونوں قسم کے پڑھنے والوں سے اتفاق ہے۔ لیکن میں ان چانگامی بھائی سے کسی طرح متفق نہیں ہو سکتا، جنہوں نے مجھے کتابیں لکھنا ترک کر کے ترکاری بیچنے کا مشورہ دیا ہے۔

میاں میں اتنا بدو بھی نہیں ہوں کہ تاؤ میں آ کر جج ترکاریاں ہی بیچنا شروع کر دوں۔ میں جانتا ہوں کہ بچی ہوئی ترکاریاں باہی کھلاتی ہیں۔ سڑ جاتی

ہیں اور پھر ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی..... لیکن کتابیں..... ہا..... دس سال تک پڑی رہنے کے باوجود بھی پوری ہی قیمت پر فروخت ہوتی ہیں! مجھے آپ کا یہ مشورہ خلوص پر منی نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے میں اس پر عمل بھی نہیں کروں گا۔

پھر آپ نے لکھا ہے ”رساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ آپ نے میرے مشورے پر عمل شروع کر دیا تو نہیں بہت افسوس ہو گا۔ مگر یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ آئندہ بھی آپ کتاب لکھتے ہیں رہیں۔“

عقل خط کر دی آپ نے تو۔ یعنی مجھے ترکاریاں بیچتے دیکھ کر بھی آپ کو افسوس ہو گا اور آپ یہ بھی نہیں چاہتے کہ میں کتابیں لکھتا رہوں۔ تو پھر کیا خیال ہے میں آپ کی محبت میں فاقہ شروع کر دوں۔

اپنے بیان کے مطابق آپ مجھے گالیاں بھی نہیں دے سکتے کیونکہ مجھ پر کوئی گالی فٹ نہیں ہوتی! گالی فٹ نہیں ہوتی تو آپ یہ نتیجہ نکال بیٹھے کہ مجھے گالی دینا خود گالی کی تو ہیں ہے۔

لیکن آپ نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ قطعی غیر سائینٹیفیک ہے۔ گالی بُری چیز ہے آپ بھی جانتے ہیں۔ اس لئے گالی کی تو ہیں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ مجھ سے منسوب کی جانے والی کسی گالی کی عزت افزائی کا تصور آپ کے ذہن کے عقیقی حصے میں ضرور موجود ہے، لیکن چونکہ سماجی نقطہ نظر سے گالی کی عزت افزائی کا تصور ہی لغو ہے اسلئے آپ گالی کی تو ہیں کا اندریش ظاہر کر کے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔

خدا کرے اس جواب سے آپ بالکل ”فت“ ہو جائیں..... ورنہ کچھ دنوں کے بعد آپ پر کسی قسم کے ”فت“ کا بھی حملہ ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں آپ کو کسی ماہر سائیکوانیست کی خدمات حاصل کرنی پڑیں گی (سودا ہمگار ہے گا)۔

بھی اپنا نام تو صاف لکھا بیچئے۔ پہلی نظر میں ”بدھو دا“ معلوم ہوتا ہے! غور کرو تو ”رولس رائمس“ پڑھا جاتا ہے! ذرا تر چھا کر کے دیکھو تو ”چلو واپس“، ”گھسیٹا

ہو امعلوم ہوتا ہے!

جی نہیں! قطعی نہیں..... میں نے آپ کی کسی بات کا نہ انہیں مانا! آپ ایک مصنف کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کرنے کے لئے قطعی آزاد ہیں! کیونکہ وہ آپ ہی کے لئے کتابیں لکھتا ہے۔ اپنے لئے نہیں! مگر بھائی یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر ترکاریوں کا برس آپ کے لئے منفعت بخش ثابت ہوا ہے تو میں بھی اس میں پہل پھول سکوں گا۔

و یے میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ خطا صرف تصریح کے شوق میں لکھا گیا ہے اور میں مطمئن ہوں کہ آپ ”ظلمات کا دیوتا“ کے بعد یہ کتاب بھی ضرور پڑھیں گے اور آپ وہ فلم بھی ضرور دیکھیں گے جس کی کہانی پر میں آج کل work کر رہا ہوں۔

آخر میں زیر نظر کہانی کے متعلق بھی اتنا کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ صرف اسرار و سراغ کی کہانی ہے۔ اس میں آپ ”دھول دھپے“، قطعی نہیں پائیں گے۔ میری کتابیں بعض حضرات کو اس لئے بھی پسند نہیں آتیں کہ اکثر ان میں ”دھول دھپے“ سرے سے ہوتا ہی نہیں۔ اس کی بجائے دوسرے زاویوں سے کہانی کی دلچسپی برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور بحمد اللہ اس پر مطمئن ہوں کہ اگر آپ میری کسی کتاب پر تالیاں نہیں پیٹ کئے تو اسے ”بورگنگ“، قرار دینا بھی آپ کے بس سے باہر ہوگا۔ تقریباً ایک سو بائیس کہانیاں اب تک لکھ چکا ہوں، لیکن آپ ایسی دو کہانیوں کے نام نہیں لے سکیں گے جن کے پیش کرنے کے انداز میں آپ کو یکسانیت نظر آتی ہو۔!

ابن صفوی

چھلا وہ

قاسم بہت شدت سے بور ہوا تھا۔ بور ہوا تھا اس لئے گھر کا رخ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ دن بھر آفس میں سر کھپانے کے بعد گھر کے تصور ہی سے اس کی روح فنا ہو رہی تھی۔

آفس کی افادتی تھی۔ ان دونوں اچاک اسکے باپ کو خیال آگیا تھا کہ اس کا اس طرح گھر پرے رہنا تو ٹھیک نہیں ہے کیون نہ اسے اکاؤنٹس ہی کا کام سکھانے کی کوشش کی جائے۔ قاسم..... اور اکاؤنٹس! گویا قاسم کے باپ نے بھی بالکل اسی کے سے انداز میں سوچنے اور کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی تھی۔ بہر حال انہوں نے اسے اپنے چیف اکاؤنٹ کے پرورد کر کے تاکید کر دی تھی کہ اگر وہ کام سکھنے میں جیل و جخت کرے تو انہیں فوراً اطلاع دی جائے۔ چیف اکاؤنٹ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ قاسم شائد اکاؤنٹس کے علاوہ دنیا کا ہر کام کر سکے! لیکن وہ عاصم صاحب کا فیصلہ تھا۔ اس لئے قاسم اور چیف اکاؤنٹ دونوں ہی کی شامتوں نے امداد بائیکی کے اصول پر سمجھوتہ کر لیا۔ لیکن دفتر میں تو بہر حال بیٹھنا ہی پڑتا تھا۔ کچھ تھوڑی سی مغزماری بھی کرنی پڑتی تھی۔ لیکن وہ کچھ اس قسم کی ہوتی۔

”دو اور دو چار اور چھوٹیں..... آٹھ..... اخبارہ..... دو میں..... میں..... میں..... ابا جان خبیث.....“

ہستیری کی پھر سالا بھول گیا..... او اکاؤنٹنٹ صاحب..... یہ سالا... نہیں چلتا معاملہ۔"

"مسٹر قاسم خدا کے لئے میری بے عزتی نہ کرائے گا۔" چیف اکاؤنٹنٹ کہتا۔

"اے تو پھر کیا کروں۔" قاسم آنکھیں نکالتا۔ "جوڑتے جوڑتے سالا دماغ سے گاب ہوجاتا ہے۔ بتاؤ کوئی ترقیب۔"

بھلا بیچارہ اکاؤنٹنٹ کیا ترکیب بتاتا۔ اس کے ذہن میں قاسم کے لئے صرف اسی ایک شعبے کا تصور تھا کہ وہ گلے میں ایک ڈھولک لٹکائے اور پکھے گا بجا کر فلمی گیتوں کی کتابیں چلتی ہوئی سڑکوں پر پنج لیا کرے..... بہر حال وہ ترکیب سوچنے لگتا اور قاسم پھر جہڑ پر جھک پڑتا۔ جوڑتے جوڑتے ذہنی رو بہک جاتی اور وہ بھول جاتا کہ اس کے علاوہ اور کوئی بھی کمرے میں موجود ہے۔ بس پھر آس پاس بیٹھنے والے سنتے!

"آٹھ دو دس تمیں تیرہ صفر ہائے میری جان صفر یا تم بڑے پیارے ہو۔ تمہیں نہیں جوڑتا پڑتا..... ہستیری کی پھر گائب پھر شروع سے آٹھ دو دس تین تیرہ صفر اور نو تیرہ اور نو نو سالا صورت حرام ہونق کھڑا ہے منہ اٹھائے۔ جماں ایک لات کمر پر سالے نہیں تو ہائے پھر گائب وہ جھلا کر پیشانی پر ہاتھ مارتا۔ اکثر ہنسنے والوں کی آوازیں بھی نکل جاتیں اور وہ چونک کر صرف چیف اکاؤنٹنٹ کو خونخوار نظروں سے گھومنے لگتا۔

"آپ الگ کمرے میں بیٹھیں گے۔" وہ پوچھتا۔

"کال تو ہری میں بند کر دوتا۔" قاسم دہازتا اور لوگ ایک ایک کر کے باہر نکل جاتے کیونکہ ہنسی روکنا ان کے لئے مشکل ہوجاتا تھا۔

یہ ایک دن کی مصیبت نہیں تھی، روز ہی کی ہوتا تھا! آج ہو سکتا ہے کہ اس سے زیادہ کچھ ہوا ہو۔ بہر حال وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا۔ لہذا اس بوریت کے عالم میں وہ اس "گلہری خانم" کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا جس کی بدولت اسے "تمن تیرہ" کے پھر میں آنا پڑا تھا۔

اُسے یقین تھا کہ اس پر یہ مصیبت اُس کی بیوی ہی لائی ہے اس لئے بہت زیادہ بوریت

کے عالم میں اُس سے مدد بھیزت ہو جانا کسی دوسری مصیبت کا پیش خیز بھی ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ وہ تو ہر وقت ہی اُس کے باپ کو فون کر دینے پر تلی بیٹھی رہتی تھی! ادھر اُس نے کسی بات پر نہ تنہ پھلانے، آنکھیں نکالیں اور ادھر وہ بچپنی فون کی طرف۔

بھی وجہ تھی کہ وہ دن بھر کی بوریت رفع کے بغیر گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔

ایسے وقت حمید کے علاوہ اور کس کا خیال آتا! لہذا اس نے اپنی بُھی کار فریڈی کی کوئی کی طرف موڑ دی۔ مگر ماہیوں ہی کامنہ دیکھنا پڑا۔ حمید گھر پر موجود نہیں تھا۔

اب اس نے سوچنا شروع کیا کہ اس وقت اس سے کہاں ملاقات ہو سکے گی؟ لیکن اس سوال کا کوئی یقینی جواب اُسے نہ سمجھا۔ کچھ بھی ہو، یہ بوریت تو حمید سے مل بیٹھنے ہی کی صورت میں رفع ہو سکتی تھی۔

بس پھر اُس نے شہر کی ساری مشہور تفریح گاہیں چھان مارنے کی سیکھ بنا دی۔



کیپشن حمید کی موڑ سائیکل تارجام والی سڑک پر تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی اور اس کا ذہن "لغت لغت لغت لغت" کی گردان کر رہا تھا۔

جھلاہٹ کی وجہ یہ تھی کہ تارجام پولیس اسٹیشن پر تقریباً پانچ گھنٹے تک کھیاں مارنی پڑی تھیں۔ دس بجے سے تین بجے تک ایک ایسے آفسر کا انتظار کرنا پڑا تھا جس کے پاس کچھ اہم کاغذات تھے اور ان کاغذات کو بحفاظت فریڈی تک پہنچانا تھا۔

کاغذات لے کر جو دو دہائی سے بھاگا تھا تو پھر پچھے مژکر نہیں دیکھا اور ذہن تو "لغت لغت" کی گردان دس ہی بجے سے کرتا رہا تھا۔

اس نے پچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی تھی ورنہ یہی سوچتا، کاش کھو پڑی کے

چھپے حصے پر بھی، آنکھیں ہوا کرتیں۔
ساری کوفت دور ہو جاتی اور وہ موڑ سائکل کی رفتار اتنی کم ضرور کر دیتا کہ چھپلی کار آگے
نکل جاتی اور پھر وہ اطمینان سے اس کا تعاقب کرتا رہتا۔
کار ڈرائیور کرنے والی بڑی دلش تھی۔ لیکن ایسا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اسے موڑ سائکل
سے آگے نکل جانے کی فکر رہی ہو۔

حید کی موڑ سائکل یکساں رفتار سے دوڑتی رہی۔
جیسے ہی وہ نیا گرد ہوئی، والی سڑک کی کراسنگ پر پہچا بائیں جانب سے آنے والی کار
اس طرح رکی کہ حید کو اپنی سات پشتک یاد آگئیں۔ اس نے بھی پورے بریک لگائے تھے اور
اس کا سر سامنے والی کار کی کھڑکی سے نکراتے نکراتے بچا تھا۔

ہوش آنے پر قاسم کا ہونق سا چہرہ دو بالشت کے فالے پر نظر آیا۔ ارکی آنکھیں خوف
سے پھیلی ہوئی تھیں اور بھاڑ سامنہ کسی ویران غار کے دہانے کا منظر پیش کر رہا تھا۔

چھپلی گاڑی بھی قریب ہی آ کر رکی۔ اس کے بریک بھی کافی بلند آواز سے چڑھائے
تھے۔ لیکن یہ دونوں تو بس ایک دوسرے کو گھوڑے جارہے تھے۔ حید کے ہونٹ سخنی سے ایک
دوسرے پر جتے ہوئے تھے اور قاسم کا منہاب بھی پھیلا ہی ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس
حالت میں اس کی رو روح قبض کر لی گئی ہو۔ آنکھوں کی پتلیاں تک حرکت نہیں کر رہی تھیں۔

”کوئی مرد بھی یا نہیں۔“ یک بیک متزمم سی آواز فضا میں گونجی اور وہ دونوں ہی چوک
پڑے۔ حید تیزی سے مڑا۔

وہ متسرع اقد کی ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ نسلادیسی ہی ہوکتی تھی لیکن بیاس مغربی طرز کا تھا۔
حید نے نمی سانس لی اور بھراہی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اب تو دونوں ہی کو مردہ سمجھئے۔“
پھر اپنا چرمی پینڈ بیگ اٹھانے کے لئے جھکا۔

زکی کے چہرے پر جھلاہٹ اور خوف کے ملے ملے آثار نظر آرہے تھے۔ وہ تیزی سے
قا۔ اکی گاڑی کی پشت پر آئی اور اس کے نمبر دیکھنے لگی۔

”میں رپورٹ درج کراؤں گی۔“ اس کی آواز غصیل تھی۔ ”اندھے ہو کر ڈرائیور کرتے
ہیں آپ نے اس طرح گاڑی کیوں روکی تھی۔“

”غاڑی.....غاڑی.....جی ہاں۔“ قاسم نے خاموش ہو کر اپنے خشک ہونتوں پر زبان
پھیری۔ اس وقت اس کا حلیہ عجیب تھا۔ کبھی تو ایسا لگتا جیسے مسکرانے کی کوشش کر رہا ہو اور کبھی
ایسا بُر امن بن جاتا جیسے بیچ سڑک پر سیکٹروں جو ٹے پڑ گئے ہوں۔

”اس جھٹکے نے میرے اعصاب پر مُرا اثر ڈالا ہے۔“ وہ داشت پیس کر بولی۔ ”میں ضرور
رپورٹ درج کراؤں گی۔ اس طرح آدمی کا ہارٹ فیلپور بھی ہو سکتا ہے۔“

”جج.....جی ہاں.....اور قیا۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔

”جی.....!“ لڑکی آنکھیں نکال کر دہازی۔ ”آپ اتنے اطمینان سے اس کا اعتراف بھی
کر رہے ہیں۔“

”گلتی کی معافی چاہتا ہوں۔“ قاسم بلبلایا۔ پھر دفعتاً حید کی طرف دیکھ کر جھلانے
ہوئے لجھ میں بولا۔ ”اے تم بھی تو تچھ بولو۔“

وہ شدت سے نزوں ہو گیا تھا اور اسے تو قع تھی کہ حید ”معاملہ برابر“ کر کے اس
چھاڑ کھانے والی لڑکی سے بیات دلا دے گا۔ مگر حید نے قطعی طور پر خاموشی اختیار کر لی تھی۔

”تم پر لے سرے کے بے حیا بھی معلوم ہوتے ہو۔“ لڑکی بولی۔ ”اس شخص کے اپنی طرف
داری پر آمادہ کر رہے ہوئے ہیں ابھی ختم ہی کر دیا ہوتا۔“

قاسم نے پھر بڑی بے لہی سے حید کی طرف دیکھا لیکن حید کے انداز سے ایسا معلوم
ہو رہا تھا جیسے اس کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ وہ زندہ ہی ہے یا مر پکا۔

قاسم نے پلکیں جپکا میں اور سوچا اب عافیت اسی میں ہے کہ خود بھی بیہوش ہی
ہو جائے۔ لہذا اس نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھلق سے ایسی ہی کراہ نکالی جیسے کسی گدھے نے

ریختے کیلئے اشارت لیا ہو اور پھر ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ کر نشست کی پشت گاہ پر گردن ڈال دی۔
ایسا کرتے وقت منہ پھیلا رہ گیا تھا اس لئے اب اسے بند کرنے کی بھی ہمت نہ پڑی۔

حمد بدقت تمام فہی ضبط کر سکا۔ البتہ اب وہ لڑکی کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ رہا تھا۔
”یہ کیا ہو گیا.....!“ وہ قاسم کو گھورتی ہوئی بولی۔

”شاک..... میرا خیال ہے کہ جھٹکے نے اس کے اعصاب پر بھی نہ اسی اثر ڈالا تھا۔“ حمید
نے تشویش کرنے لگجے میں کہا۔

”مگر اس نے ایسی حرکت کی ہی کیون تھی۔“

”خدا جانے.....!“ حمید نے شانوں کو جنبش دی۔ پھر جلدی سے بولا۔ ”اوہ پچھہ کرنا
چاہئے۔ کہیں پچھے مر ہی نہ جائے۔ موئے آدمی..... ذرا..... مشکل ہی سے اس قسم کے شاک
برداشت کر سکتے ہیں۔“

اُسے یاد آگیا تھا کہ اس کے پینڈ بیگ میں کوئیں مکپھر کی ایک شیشی بھی پڑی ہوئی تھی۔
بہر حال اُسے سوچی۔ اور قیامت کی سوچی۔

پینڈ بیگ سے شیشی نکال کر اس کا ڈھکن گھما ہی رہا تھا کہ لڑکی نے پوچھا۔ ”یہ کیا ہے۔“
”کوئیں مکپھر.....!“ حمید نے اتنی آہنگ سے کہا کہ قاسم نہ سن سکے۔ وہ تو جانتا ہی تھا کہ
موقع کی زیارت ہی نے اُسے بیہوش ہونے پر مجبور کیا ہوا۔

”بھلا اس سے کیا ہو گا۔“ لڑکی نے حیرت ظاہر کی۔
”مرنے کے بعد کم از کم لمیریا سے تو محفوظ ہی رہے گا۔“ حمید نے کہا اور آگے پڑھ کر
پوری شیشی اس کے منہ میں اغذیل دی۔

پہلے طبق سے ایک طویل ”خرراہٹ“ بلند ہوئی تھی اور پھر وہ اوپکاریاں لیتا ہوا سیدھا
ہو گیا تھا۔

”ابے..... اوع..... اوع..... سالے..... سالوں..... عاؤں..... ارے باپ رے.....
زوع.....!“

گازی کا دروازہ کھول کر اس نے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن بوکھلاہٹ میں منہ کے مل

نچے چلا آیا۔

لڑکی بے تھا شہر نہ رہی تھی۔ مگر حمید ایسا منہ بنائے کھڑا تھا جیسے اس سے کوئی بڑی حماقت
سرزد ہوئی ہو۔ یک بیک قام انہ کر اس کی طرف جھپٹا اور حمید اچھل کر بھاگا۔ قام پچھے اس
درجہ بدواس ہو گیا تھا کہ اپنے ڈیل ڈول کا بھی احساس نہ رہا اور اس نے باقاعدہ طور پر دوڑ
لگانے کی خان لی..... پچھہ دور تک دوڑا بھی، لیکن حمید کو پالیتا کم از کم اس کے بس کاروگ تو نہیں
تھا۔ جھلاہٹ پڑھ گئی اور پھر اس نے دوڑتے ہی دوڑتے جھک کر پتھر اٹھانے کی کوشش کی اور
ایک بار پھر ڈھیر ہو گیا۔

اس کے طبق سے مختلف قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خالص قسم کی
گالیاں ہی رہی ہوں، مگر قسم کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ ذہن میں آئی ہوئی گالیاں زبان کی جنبش کا
ساتھ دے سکتیں۔

وہ پتھر اٹھا اور اس بار اس نے حمید پر پتھر بر سانے شروع کر دیئے۔ حمید باسیں جانب
کھیتوں میں اترتا چلا گیا تھا۔ قام جھکلتا دنوں ہاتھوں سے پتھر سیٹتا اور جب سیدھا کھڑا ہوتا تو
ہاتھ میں صرف ایک ہی پتھر رہ جاتا بقیہ تیچے جا گرتے۔ ایک پتھر پھینک کر وہ پھر جھک پڑتا۔
بالکل پا گلوں کی ہی حالت تھی۔

تقریباً دس منٹ تک یہی پچھہ ہوتا رہا۔ پھر حمید نے محسوس کیا کہ لڑکی جا چکی ہے۔ کھیل کی
دچکی ختم ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اب اس ارنے کھینے کو قابو میں لانا چاہئے ورنہ یہیں صحیح بھی
ہو جائے گی۔

”بیس..... بس..... صاحبزادے۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر چینا۔ ”وہ چل گئی۔“

”میں تمہیں مارڈالوں نا۔“ قام ہاتھ پا ہوا بولا۔ وہ مُری طرح تھک گیا تھا اور خود بھی یہی
چاہتا تھا کہ معاملہ کی طرح رفع دفع ہو جائے لیکن خود سے ہاتھ روک لیتا بھی شان کے خلاف تھا۔
”ابے کجھنے کی کوشش کیا کرو۔ بس چڑھ دوڑے ہمیں کوئی طرح۔“ حمید آگے بڑھتا ہوا بولا۔

”میں کچھ نہیں سمجھوں گا..... تم سالے دگا باز ہو۔“

”مگر تم نے اس طرح گازی روکی ہی کیوں تھی۔“
 ”اچھا کیا تھا..... پھر رتوں غا..... دیکھتا ہوں تو قتی سالا کیا کر لیتا ہے۔“
 ”سامی.....!“ حمید نے تصحیح کی۔ ”وہ روپرٹ ضرور درج کرائے گی۔ نمبر نوت کر کے لے
 گئی ہے اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔ شہر ہی کی طرف گئی ہے۔ پُشن کا تھانہ راستے میں
 پڑے گا۔ سمجھے بیٹا! بس اب نکل چلو۔“

حمد قریب آتا جا رہا تھا۔ اور ہر پھر قسم کا ذہن منہ کی کڑواہٹ کی طرف منتقل ہو گیا تھا
 اور پھر ”تھو تھو..... اوع اوع.....!“ اشارت ہو گئی تھی۔ اور وہ اکڑوں بیٹھنے کی کوشش کرتا ہوا
 ایک بار پھر ڈھیر ہو گیا تھا۔ حمید نے قریب پہنچ کر اسے اٹھایا۔
 ”ہائے..... میری تقدیر ہی گو بر ہو گئی ہے۔“ قاسم ہانپتا ہوا کہا۔ برا سامنہ بنا کر او بکائی
 لی۔ اور پھر دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتا ہوا بولा۔ ”نہ گھر میں چین نہ باہر چین..... اور ہائے یہ
 سالا..... ڈیبٹ کر یہٹ..... سالے ابا جان کب تک زندہ رہو گے۔“
 ”جب تک میرا دل چاہے گا زندہ رہوں گا۔“
 ”نہیں جلد ہی مرو نے۔“ قاسم نے جملائے ہوئے لمحہ میں کہا۔ پھر سنبھال کر بولा۔ ”قیا تھا۔“
 ”کچھ نہیں..... چلو..... تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ واقعی ایسی زندگی سے تو یہی
 بہتر ہے کہ تم مر ہی جاؤ۔“
 ”اور قیا..... آں..... قیوں! ابے تم خود مر جاؤ..... چلے ہیں تیل پر پانی چھڑ کنے....!“
 ”جلتی پر تیل چھڑ کرنا محاورہ ہے۔“ حمید بولा۔
 ”تیل پر ٹھیک چھڑ کرنا محاورہ ہے..... تمہارے باپ سے مطلب۔“ قاسم حلقت چھاڑ کر
 دیا۔ ”تم نے مجھے قیا پلا دیا تھا..... اوع..... آخ تھو..... تھو۔“
 ”چلو..... گازی ہٹاؤ بیٹا! تم نے سڑک روک رکھی ہے.....!“ حمید اس کے شانے پر تھکی
 دیتا ہوا بولा۔ ”طااقت کی دوائی پائی تھی..... ورنہ ہارت فلی ہو جاتا۔“
 قاسم برا سامنہ بنا کے بڑا دیتا ہوا سہ راہے کی طرف چلنے لگا۔ منہ کی کڑواہٹ بڑھتی ہی

جاری تھی۔
 ”ارے.....!“ یک بیک حید اچھل پڑا۔
 ”قیا ہوا.....!“
 مگر حید کے تو حواس ہی غائب ہو چکے تھے۔ وہ قاسم کے سوال کا جواب کیا دیتا۔ ہیند
 بیک غائب تھا۔ وہ اسے موڑ سائیکل کی ٹنکی ہی پر چھوڑ گیا تھا۔
 اسے ان کانفادات کا خیال آیا جو اس نے فریدی کیلئے ایک آفسر سے حاصل کئے تھے۔
 وہ قاسم کو چھوڑ کر تیزی سے سہہ راہے کی طرف چھپتا۔ لیکن ماہی ہی ہوئی۔ ہیند بیک
 حقیقتاً غائب تھا۔ قاسم کی گازی بھی دیکھ ڈالی۔ مگر وہاں کہاں ملتا۔ اسے ابھی طرح یاد تھا کہ وہ
 اسے اپنی آٹو سائیکل کی ٹنکی ہی پر چھوڑ گیا تھا۔
 ”تو پھر..... وہ لڑکی.....!“
 ”اسے..... قیا ہوا..... بتاتے کیوں نہیں۔“ قاسم نے قریب پہنچ کر پوچھا۔
 ”میرا ہیند بیک۔“
 ”میں قیا جانوں۔“
 ”ابے تو تھجھ سے کون پوچھ رہا ہے۔“ حمید جھلا گیا۔
 اس نے موڑ سائیکل سنپھال لی۔ اسے یقین تھا کہ ہیند بیک لڑکی ہی لے گئی ہے۔ اس
 نے اسے شہروالی سڑک پر گازی موڑتے دیکھا تھا۔
 ”وسرے ہی لمحے میں وہ بھی شہر کی ہی طرف جا رہا تھا۔ یہ سوچے بغیر کہ اتنی تیز رفتاری
 کسی عادی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔“



”کسی پینڈ بیگ کے متعلق تم نے پوچھا تھا۔“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”اوہ..... جی ہاں..... وہ ایک لوٹیا..... اور ہپ..... لڑکی لڑکی..... جی ہاں وہ لے بھاگی تھی حمید بھائی کا پینڈ بیگ۔“

”کب کی بات ہے۔“

”آج کی..... ابھی کی..... حمید بھائی.....!“
”جھیں کیے علم ہوا۔“

بدقت تمام اس نے پوری کہانی انکھوں اور اس کے چہرے پر گھری تشویش کے آثار نظر آنے لگے۔ آخر اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ ”لڑکی کا حلیہ بتا سکو گے۔“
”جی بڑی خوبصورت تھی!“ قام نے جلدی سے کہا اور دانت ٹکال دیے۔

”یہ طیہ ہے۔“

”اللہ قدم بڑی خوبصورت تھی۔ حمید بھائی سے پوچھ جیجے گا۔ میں جھوٹ قوں بولنے لگا۔“
”شہر میں ہزاروں خوبصورت لڑکیاں ہوں گی۔ کوئی ایسی خاص بات بتاؤ جس کی بناء پر اسے پہچانا جاسکے۔“

”خاص بات..... خاص بات۔“ قام یاد داشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ ”جی خاص بات قیا بتاؤ۔۔۔ بس بچے سے اوپر تک سب خاص ہی بتیں تھیں۔“

فریدی نے ایک طویل سانس لی اور شدید ترین انگھوں کے باوجود بھی مسکرا دیا۔

”اچھا تو اس کی گاڑی ہی کے متعلق بتاؤ کہ کس قسم کی تھی۔“ اس نے کہا۔

”سرخ رنگ کی اسپروٹس کار تھی شاہد۔ جی ہاں وہی تھی..... اور لڑکی کا بابس بھی سرخ ہی تھا..... سرخ اسکرت۔“

”غیر ملکی تھی۔“

”جی نہیں۔“ اردو میں بالتمثیر، لرمی تھی۔

گرفتاری

دوسری شامت اور اس شامت کا تعلق بھی قاسم ہی کی ذات سے تھا۔ حمید کی روائی اس طرح ہوئی تھی کہ قاسم کے فرشتے بھی اس کا تناقب نہ کر سکتے۔

بہر حال کچھ دیر بعد وہ بھی شہر ہی کی طرف پلنا اور بہت متاطہ ہو کر ڈرائیور کر رہا تھا۔ ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ فریدی کی کوئی کارخ کرتا؟ مگر معاملہ تھا ایک خوبصورت لڑکی کا جو حمید کا پینڈ بیگ لے بھاگی تھی اس لئے آگے کی کہانی بہر حال دچپی سے خالی نہ ہوتی اور پھر وہ ایسی لڑکی تھی جس نے قاسم کو بھی تو بے تحاشہ سنائی تھیں۔

اتی عقل وہ بھی رکھتا تھا کہ پینڈ بیگ لڑکی ہی لے گئی ہوگی۔ وہاں اور تھا ہی کون! کوئی پوچھا آدمی ہوتا تو یہ جانے کی کوشش ضرور کرتا کہ کار اور موٹر سائیکل کے مالک کہاں گئے۔ بہر حال وہ اس وقت کوئی میں پہنچا، جب فریدی فون کے قریب بیٹھا حمید کے بارے میں کسی اطلاع کا منتظر تھا۔

اس نے اسے اندر ہی بلوالیا۔ قاسم آنے کو تو جلا آیا تھا، کارڈ بھی اندر بھجوادیا تھا کہ حمید موجود ہے یا نہیں۔ ملازم اسے اچھی طرح پہچانتا تھا اس لئے کارڈ لیتے وقت اس نے بھی نہیں پوچھا تھا کہ اسے کس سے ملتا ہے۔

اچاک فریدی کا سامنا ہوا اور قاسم بوكھلا گیا اور چھوٹتے ہی اس کی زبان سے اکلا۔ ”پینڈ بیگ ملایا نہیں۔“

”کیسا پینڈ بیگ۔“

”او..... ہی ہی ہی..... حمید بھائی نے نہیں بتایا کیا۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے کری کی طرف اشارہ کیا۔

قاسم نزوس ہو گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پتہ نہیں فریدی کو حالات کا علم تھا یا نہیں۔ بہر حال اس نے کسی قدر سختیتے ہوئے پوچھا۔ ”حید بھائی کہاں ہیں؟“

”میں پوچھ رہا ہوں وہ دلکشی یا غیر ملکی۔ بہترے غیر ملکی دوسری زبانوں کے لہجوں پر بھی قادر ہوتے ہیں۔“

”اپورس کار..... کیوں؟ جی ہاں میرا خیال ہے کہ میں نے سرخ رنگ کی ایک اسپورٹس کار دیکھی تھی۔ گیٹ کے سامنے والے پیپنگ ایشیشن پر..... غالباً وہ لڑکی پڑول لے رہی تھی۔“

”لڑکی۔“

”اوہ جی ہاں۔“ دوسری طرف سے بلکل ہی بھی کے ساتھ کہا گیا۔ ”دیکھتے بات دراصل یہ ہے کہ شاند میں اس کار کی طرف دھیان بھی نہ دیتا لیکن لڑکی کا اسکرٹ بھی سرخ رنگ کا تھا۔“

”جیید کس وقت روانہ ہوا تھا وہاں سے۔“

”تین بجے۔“

”اچھا پونے تین بجے سے سوا تین بجے تک پڑول لینے والی گاڑیوں کے نمبر حاصل کیجئے۔ ممکن ہے کسی نمبر کے متعلق یقین کے ساتھ بتایا جاسکے کہ وہ اسی اسپورٹس کار کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ جس چیز نے آپ کی توجہ اس کی جانب مبذول کرائی تھی وہی پیپنگ ایشیشن کے کسی کارندے کی یادداشت کو بھی جھنجھوڑ سکے گی۔“

”مگر وہ لوگ نمبر اور وقت کب نوٹ کرتے ہیں۔“

”کیا؟“ فریدی کے لجھے میں حیرت تھی۔ ”ان کا فرض ہے کہ وہ ایسا کریں۔ نہیں کرتے تو آپ ان سے جواب طلب کر سکتے ہیں۔ مگر شاند آپ کو بھی اس سرکار کا علم نہیں جو سلطی علاقوں کے پیپنگ ایشیشنوں کے لئے جاری کیا گیا تھا۔“

”مجھے نہیں معلوم جناب۔“ لجھے میں ہنگامہ تھی۔

”یہ علمی افسوس ناک ہے۔ خیر..... ہاں تو سنئے۔ تین ماہ پہلے ایسے تمام پیپنگ ایشیشنوں کے لئے جو سلطی علاقوں میں ہیں یہ احکامات جاری کئے تھے کہ وہ گاڑی کے نمبر اور فلگ کا وقت ضرور نوٹ کریں۔ ایسا نہ کرنا خلاف قانون سمجھا جائے گا۔“

”اوہ..... تب تو نمبر آسانی سے مل سکے گا۔“

”آدمی گھٹنے کے اندر درج کئے جانے والے نمبر کافی ہوں گے۔ ان میں سے جو نمبر تارجم اڑیک کے تحت ہوں ان کے متعلق معلومات حاصل کیجئے۔ میرا خیال ہے کہ اس کام

”بلقل دلکشی تھی۔..... جی ہاں..... دلکشی ہی تھی۔“

”جیید تارجم ہی کی طرف واپس گیا تھا یا شہر کی جانب۔“

”شہر ہی کی طرف آئے تھے۔“

”کیا وقت رہا ہوگا۔“

”شام تھی..... سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ کیا کوئی گھپلے والی بات ہے قتل صاحب۔“

”بس اب تم جاؤ..... اس واقعہ کا تذکرہ اگر کسی سے کیا تو نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔“ فریدی نے گھر پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ اس وقت آٹھ بجے رہے تھے۔

”یعنی کہ..... مم..... مطلب.....!“

”کچھ نہیں۔“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اگر ضرورت پیش آئی تو باقاعدہ طور پر تمہارا بیان لیا جائے گا اس سے پہلے تم ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالو گے۔“

”جی اچھا..... مم..... مگر جیید بھائی کہاں ہیں۔“

”اس فکر میں نہ پڑو..... جاؤ! جو کچھ میں نے کہا ہے اس کے ملاف نہ ہونے پائے۔“

قائم کے جانے کے بعد اس نے فون پر ایکسپریشن سے ”طویل فاصلے“ کی کال کیلئے کہا۔

”تارجم۔“

”اوکے سر.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ لائن اتفاق سے خالی ہل گئی تھی۔

تارجم پولیس ایشیشن سے رابطہ قائم کر کے اس نے انچارج کو مخاطب کیا۔ اس سے پہلے بھی ایک بار اس نے پوچھ چکھی تھی، لیکن اس بار سوالات کی نوعیت دوسری تھی۔

”کسی نے جیید کو ہاں سے روانہ ہوتے بھی دیکھا تھا۔“ اس نے پوچھا۔

”اوہ..... جی ہاں۔ میں ہی انہیں گیٹ تک چھوڑنے گیا تھا۔“ دوسری طرف سے جواب ملا۔

”کیا آس پاس سرخ رنگ کی کوئی اسپورٹس کار بھی موجود تھی۔“

کے لئے صرف ایک گھنٹہ کافی ہوگا اور اگر کسی نمبر کے متعلق وثوق کے ساتھ معلوم ہو سکے کہ ”یہ کام تو ہمچکے کا ایک معمولی میسنجر بھی کر سکتا تھا۔ اسی گاڑی کا ہے تو تاریخ کی ثریقہ کے تحت نہ ہونے کی صورت میں فوراً مجھے آگاہ بھیجنے“۔ بہر حال وہ پاگلوں کی طرح ڈرائیور کرتا رہا اور لعنت بھیجا رہا اپنے اس رجحان پر جس کی ”بہت بہتر“۔

بدوات اس حادثے کا شکار ہوا تھا۔

فریدی نے سلسلہ منقطع کرنے کے قدرے توقف کے ساتھ پرکسی کے نمبر ڈائل کرنے۔ ”ہیلو..... فریدی اسمیلک..... کیپشن حیدر لاتپتہ ہے۔ فی الحال اسے شہر ہی میں ہلا..... ہی کے لئے ہینڈ بیک پر ہاتھ صافِ یا تھا تو وہ کوئی دوسرا طریقہ بھی اختیار کرتی۔ کچھ نہ کچھ کرو..... ہاں..... ہاں..... نہیں تفریخ گا ہوں میں پائے جانے کے امکانات نہیں ہیں۔“ سوچ کر ہی وہ اس کے پیچھے لگی ہو گا، اور یہ اتفاق ہی تھا کہ قاسم اس طرح آ کودا..... حالات سلسلہ منقطع کرنے کے اس نے سگار لٹکایا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر لیڈی انسپکٹر ریکھا کے نزدیکی کا ساتھ دیا اور وہ کسی کدو کا بش کے بغیر ہی کاغذات پر ہاتھ دالنے میں کامیاب ہو گئی۔ نمبر ڈائل کرنے۔ دوسری طرف سے فوری طور پر جواب ملا۔

”ہنری گیل کیس کا فائیل اس وقت تمہارے پاس ہے یا آفس میں۔“ فریدی نے پوچھا۔ ”میں کہیں وہ سرخ رنگ کی اس اسپورٹ کار کو پکڑ سکتے ہیں؟ اگر نہیں..... تو..... یہ بھاگ دوڑا سے ”فف فائیل“ ریکھا ہکلائی پھر مضطرباً انداز میں بولی۔ ”میں بڑی مصیبت میں پہنچ کہاں لے جائے گی۔ گاڑی کا نمبر بھی اس نے نہیں دیکھا تھا۔ شہر میں اسی شناخت اور رنگت کی گئی ہوں کریں۔ وہ فائیل میں نے آج ہی کھو دیا۔ اب میری بھجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔“ سینکڑوں گاڑیاں ہوں گی۔

”چپ چاپ یہاں چلی آؤ۔ تمہیں پہلے ہی سے اطلاع دینی چاہئے تھی۔“ فریدی کے کچھ بھی ہوا وہ غالباً ہاتھ فریدی کا سامنا نہیں کر سکتا۔ کس منہ سے اسے اطلاع دیتا کر پر سکون لجھے میں بولا۔

ایک لائی اسے یو تو فی بنا گئی تھی۔ یہ ناممکن ہے۔ اس نے سوچا۔ وہ بذات خود فریدی کو اس کی اطلاع نہ دے سکے گا۔

موڑ سائیکل فرائٹے بھرتی رہی۔ سڑک سنان پڑی تھی۔ کہیں کہیں اکاڈمی کا پیدل چلنے والے دیہاتی نظر آ جاتے اور حیدر فارا کم کر کے ان سے سرخ رنگ کی کسی گاڑی کے متعلق پوچھتا۔ پھر یہ بیک اسے ایک ایسا آری نظر آ گیا کہ موڑ سائیکل روک ہی دینی پڑی۔ یہ بھی دیہاتی علی تھا جس کے کاندھے پر رکھے ہوئے تھے کہ سرنسے پر حیدر کو اپنا ہینڈ بیک جھوٹا دکھائی دیا۔

ہینڈ بیک کے حوالے پر وہ پوکھلا گیا اور اس نے بتایا کہ وہ ایک تیز رفتار گاڑی سے اس کے منہ پر کھینچ مارا گیا تھا۔

حیدر نے تیزی سے ہینڈ بیک کا جائزہ لے ڈالا۔ سب کچھ موجود تھا سوائے ان کاغذات کے۔ کاغذات کے متعلق اسے یقین تھا کہ وہ اہم ہی ہوں گے۔ ورنہ اسے کیوں بھیجا جائے۔

وہ پھر چل پڑا..... دیہائی کے بیان کے مطابق وہ اب بھی اس کی دسترس سے باہر بلوکی کے متعلق پوچھ رہے ہیں جناب۔
”جو گاڑی ڈرائیور ہی تھی۔“

”لوکی..... اس نے جیرت سے کہا۔“ مجی نہیں۔ یہ گاڑی تو یہ حضرت ڈرائیور ہے تھے۔
حید نے قریب کھڑے ہوئے آدمی کو غور سے دیکھا۔ یہ ایک بدشکل یوریشن تھا۔
”یہ گاڑی ایک لوکی ڈرائیور ہی تھی۔“ حید نے آنکھیں نکال کر سخت لبجھ میں کہا۔

یوریشن نے خندی سانس لی اور بھراہی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اب تو اس مصیبت میں
پھنس ہی گیا ہوں۔ آپ مجھے لوکی بھی سمجھ سکتے ہیں جناب۔“

”میں تمہاری کھال بھی کھینچ سکتا ہوں۔ سارجنٹ اسے روکے رکھو۔ میں گاڑی کی عاشی
کی اسپورٹس کار کے متعلق پوچھنے گا۔“

چھپلی سیٹ پر اسے پرانے کاغذات میں لپی ہوئی کوئی چیز نظر آئی۔ اس نے اسے انداز کر
خبر کی تہہ کھول ڈالی اور دوسرے ہی لمحے میں اس کی آنکھیں جیرت سے پھیل گئیں۔

یہ ایک فائل تھا جس پر اس کے مجھے کی مہر تھی اور اوپر نیلی روشنائی سے ”ہنری گل
کیس“ تحریر تھا۔ فائل کھولنے پر دوسرے کاغذات کے درمیان وہ لفاظ بھی مل گیا جو اس کے
بیک سے اڑایا گیا تھا۔ اس نے فائل کو دوبارہ اخبار میں لپیٹ کر سیٹ ہی پر ڈال دیا اور
سارجنٹ سے بولا۔

”یہ آدمی زیر حرast ہے۔“

”کیوں جناب؟“ یوریشن کا لہجہ غصیلا تھا۔

”اس کا جواب تمہیں حالات ہی میں مل سکے گا۔“ حید نے کہا۔ پھر سارجنٹ سے بولا۔
”پسندی کے سینکڑ آفیسر کو دو کاشیلوں سمیت یہاں بیٹھج دو۔ میرا نام لینا۔“

”میں چالان لکھ چکا ہوں جناب۔“ سارجنٹ بولا۔

”پروادہ مت کربو! وہ تمہارا کیس ہے۔ اس نے اپنا نام کیا لکھ دیا ہے۔“

”ہنری گل.....!“

تمہی۔ خیال تھا کہ شہر پہنچنے سے پہلے ہی وہ اسے جا لے گا۔

یک بیک اسے قاسم پر بھی غصہ آنے لگا۔ آخر اس مردوں نے اس طرح گاڑی روکی (ع)
تھی؟ لیکن وہ مردوں بھی فی الحال پہنچ سے باہر ہی تھا۔ ورنہ وہ اس کی جامst بنانے کر رکھ دیتا
اندھیرا پہنچنے لگا تھا۔ اس نے ہیئت لیپ روشن کر دیا لیکن اسپورٹس کار کا دور دور نظر
نہیں تھا۔

وہ شہر میں بھی داخل ہو گیا اور پہلی ہی کراسنگ پر رک کر ٹریک کاشیل سے سرناز
کی اسپورٹس کار کے متعلق پوچھنے گا۔

”ہاں..... سارجنٹ صاحب اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔“ ٹریک کاشیل نے اسے لون گا۔

”کدھر گئی ہے۔“

ٹریک کاشیل نے باسیں جانب اشارہ کیا۔ مزید پوچھ پکھ کی ضرورت ہی نہیں؟
 غالباً تیز رفتاری کی بناء پر کسی ٹریک سارجنٹ نے اسے چیک کر لیا ہو گا۔ روکنے کی کوشش
ہو گی لیکن تمیل نہ ہونے پر اس کا تعاقب کرنا پڑا ہو گا۔

حید نے اپنی گاڑی باسیں جانب موڑ دی۔ ایک ہی فرلانگ کے بعد مڑک کے کہا
بھیڑ نظر آئی۔ سرخ اسپورٹس کار کی جھلکیاں بھیڑ کے اندر سے بھی نظر آ رہی تھیں۔ جب
اطمینان کا سانس لیا اور موڑ سائیکل بھیڑ کے قریب ہی روکی۔ ٹریک سارجنٹ اپنی کاپی؛
لکھ رہا تھا اور ایک بھدی سی وضع کا بے ہنگم آدمی اس کے قریب کھڑا زیر لب بڑیڑا رہا تھا۔
حید موڑ سائیکل چھوڑ کر گاڑی کی طرف بڑھا۔ لیکن وہ لڑکی تو کہیں بھی نہ دکھائی دی۔

”لڑکی کہاں ہے۔“ حید نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

سارجنٹ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ شاندروہ اسے پیچا نہ تھا۔

اس کے ہونتوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی لیکن پھر وہ سنجیدگی سے بولا۔ ”آء۔“

حمد اچھل پڑا۔ تو یہ ہنری گل تھا جس کے خلاف اس کا محکمہ ان دونوں گھری تعمیش کر تھا۔ حمید کو اس کیس کے متعلق تعمیلات کا علم نہیں تھا۔ مگر اتنا تو جانتا ہی تھا کہ اس کے خلاف ابھی تک اس قسم کے ثبوت مہینے بیس ہو سکے تھے جن کی بناء پر اسے گرفتار کیا جاسکتا۔ میں منٹ کے اندر ہنری گل کو سرخ کار سیت نیشن اسٹریٹ کے تھاں پہنچا دیا گیا۔

حمد نے تھانے ہی سے فریدی کوفون کیا اور دوسری طرف سے اسے لیڈی انپکٹر کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ ہولڈ آن کرے۔ فریدی باہر جانے کے لئے تبدیل کر رہا ہے۔ ریکھانے اس کی آواز پیچان لی تھی اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہی تھی اور کہاں اور کس حال میں ہے۔ حمید نے اسے کچھ نہ بتایا۔ لیکن اندازہ کر لیا کہ فریدی حالانکے آگاہ ہو چکا ہے۔ ویسے اس وقت کوئی میں ریکھا کی موجودگی اس کیلئے تحریر کن ضرور تھی۔ چند لمحوں کے بعد فریدی کی آواز آئی اور حمید نے چھوٹتے ہی کہا۔ ”میں نے ہنری گل حرامت میں لے لیا ہے۔“

”کیا بکواس کر رہے ہو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”جہاں کہیں بھی ہو فوراً وہی آؤ۔ مجھے حالات کا علم ہو چکا ہے۔“ ”اب دوسرے حالات ہیں۔“ حمید بولا۔ ”کیا آپ پر نیشن کے تھانے تک آتا پڑ کریں گے۔ ہنری گل کو ایسے مواد سیت گرفتار کیا ہے کہ اسے دنیا کی کوئی عدالت بری کر سکے گی۔ اوہ..... آپ فکر نہ کیجئے۔ شائد آپ کو قاسم سے اطلاع ملی ہو۔ مگر اس وقت“ کاغذات بھی میرے ہی قبضے میں ہیں جو میں نے تاریخ میں حاصل کئے تھے۔“

”اچھا..... ظہرو..... میں آرہا ہوں۔“ فریدی نے سلسیہ منقطع کر دیا۔ حمید نے رسیور کریڈل میں ڈال کر ایک طویل سانس لی۔ ہنری گل حالات کا سلاخون دار دروازہ ہلاکر چیخ رہا تھا۔ ”مجھے کوئی بند کیا ہے..... یہ دھاندی نہیں چلے گی۔“

حوال

پر نیشن کا سیکنڈ آفیسر کمی بار دانت چیز کر اٹھا تھا لیکن حمید نے اسے روک دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فریدی کی آمد سے قبل ہنری گل پر کسی قسم کی ختنی کی جائے۔ ویسے اس کا غل غپڑا ہے۔

اسے بھی بے حد گران گذرتا رہا تھا۔ پھر فریدی کی آمد پر گل نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ فریدی نے گل سے گفتگو کرنے سے پہلے سارے حالات نے تھے اور اب وہ سلاخون کے قریب کھڑا اسے گھور رہا تھا۔ گل کبھی

اس کی طرف دیکھتا اور کبھی نظریں چڑھانے لگتا۔ ”مجھے حرامت میں لینے کی وجہ بتائی جائے۔“ بالآخر اس نے بھرا کی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مجھے حرامت میں لینے کی وجہ بتائی جائے۔“

”تمہاری گاڑی سے ایک ایسا فائل برآمد ہوا ہے جو ہمیرے ٹھکنے کے ایک دفتر سے چلایا گیا تھا۔“ فریدی نے آہت سے جواب دیا۔

”تو اب یہ چال چل گئی ہے مجھے چھاننے کے لئے۔“ گل غایبا۔

لیکن فریدی نے اس کے لجھ کی پرواہ کے بغیر اپنی آواز میں زیب برقرار رکھی۔ اس نے کہا۔ ”کیپشن حمید نے آج تاریخ میں ایک آفیسر سے کچھ ایسے کاغذات حاصل کئے تھے جن کے ذریعہ تمہارے خلاف کافی ثبوت ملنے کے امکانات تھے لیکن ایک لوگ نے اسے دھوکا دے کر وہ کاغذات اسکے پیگ سے نکال لئے اور وہ کاغذات بھی تمہاری ہی گاڑی سے برآمد ہوئے ہیں۔“ ”لوگی.....!“ گل آہت سے بڑھا۔ اب اس کی آنکھوں میں غصے کی لہروں کی بجائے استغجب کی جھلکیاں نظر آ رہی تھیں۔

فریدی پھر بولا۔ ”وہ لوگ اسی گاڑی میں تھی اور اس نے تاریخ میں کیپشن حمید کا تھاقب شروع کیا تھا وہ اسی رنگ کے اسکرٹ میں تھی جس رنگ کی کار ہے۔“

”اوہ.....!“ گل کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ پکیں جوچ کا ہے بغیر فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ ”تمہیں علم ہے کہ ہم تمہاری سماج دشمن سرگرمیوں کے متعلق تعمیش کر رہے تھے۔ یہ فائل

بھی اس سے متعلق ہے..... اور یہ بھی جوایا گیا تھا۔

”مم..... میں اب ڈوب گیا کرتل۔“ گلیں اس طرح بیٹھتا ہوا بولا جیسے یک بیک سرچل کیا ہو۔

”تم غلط نہیں کہہ رہے۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”اب ہم تمہاری گرفتاری کے لئے معقول جو رکھتے ہیں، جن سرگرمیوں کے الزام میں ہم تمہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں ان کے متعلق ابھی تک واضح ثبوت نہیں فراہم کر سکتے تھے اب یہ مسئلہ بھی آسان ہو جائے گا۔“

”کاش میں اس سور کے بچے سے واقف ہوتا۔“ گلی دانت پیس کر بڑوڑا۔ پھر سنجھل کر بولا۔ ”میری کہانی پر یقین نہیں کیا جائے گا۔ میں جانتا ہوں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ اب رہا نامکن ہے۔ پھر بھی میں صفائی پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ بُری طرح پھنس گیا ہوں..... خدا..... شائد میرے فرشتے بھی نہ سوچ سکتے کہ زینی اسی سور کے بچے کی ایجنت ہو گی۔“

”آہا..... تو کوئی کہانی بھی ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔

اتھے میں حمید نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”مجھے اجازت دیجئے..... مجھے اپنے ذہن کی اورہاں لگانگ کرنی ہے۔ آج کا دن بھی یاد گاری تھا۔“

”تم جاسکتے ہو۔“ فریدی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ پھر گلی سے بولا۔ ”اس کا پروافن کرو کر مجھے تمہاری کہانی پر یقین آئے گا انہیں۔ شروع ہو جاؤ میں سب کچھ سننے پر تیار ہوں۔“ گلی نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا۔ اب وہ لچائی ہوئی نظرؤں سے فریدی کے سارے کارکردگی کے طرف، دیکھ رہا تھا۔ بلا خراس نے کہا۔ ”کیا مجھے ایک سگریٹ مل سکے گی۔“

”اصول کے خلاف ہے۔ سلاخوں کے باہر ضرور مل سکتی۔“

”خیر..... میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ مجھے چھانسا گیا ہے۔ یا تو تم عا اگوں نے چھانسا ہے یا پھر اس سور کے بچے نہ۔“

”سور کا بچ..... صرف سور کا نہیں کہلاتا۔“ فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”پالنے والے اک کور انام بھی رکھتے ہیں۔“

”میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے.....!“

”بُری پرانی کہانی ہے گلی۔“ فریدی نے طویل سانس لی۔ ”کان پک گئے ہیں سنتے۔ ابھی کچھ ہی دن ہوئے سر سجاد نے بھی ایسی ایک کہانی سنائی تھی لیکن کیا تم یقین کرو سکتے۔ اس کے لئے چھانسی کا پھندا تیار کا جاپا کا ہے۔“

گلی کی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ”مجھے علم ہے۔ اس نے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔ اگر ایسا ہی ہوا تو مجھے چھانسی کا پھندا قبول کرتے وقت قطعی انہوں نہ ہو گا..... ہاں تھیک ہے میری کہانی سر سجاد کی کہانی سے مختلف نہیں ہے۔“

”میرے پاس وقت کم ہے۔“ فریدی نے گھری پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”وہ ایک بیلک میلر ہے۔“

فریدی نے پھر طویل سانس لی۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔ گلی کہتا رہا۔ ”وہ ایسے لوگوں کو بلیک میل کرنے کی کوشش کرتا ہے جن کے خلاف پولیس کوئی ثبوت نہیں فراہم کر سکتی۔ تاک میں رہتا ہے کہ کب کسی کے خلاف پولیس تفتیش شروع کرے اور وہ اُسے بلیک میل کرنا شروع کر دے، اسکے پیغامات فون ہی پر رہتے ہیں۔ مجھے سے بھی اس نے کہا تھا کہ پولیس ابھی تک میرے خلاف ثبوت نہیں مہیا کر سکی، لیکن وہ مجھے گرفتار کر اسکتا ہے۔ ایسے ثبوت مہیا کر سکتا ہے کہ پولیس فوراً علی ہھکڑیاں لگادے۔ اسکے نے مجھے سے پچاس ہزار کا مطالباہ کیا تھا..... میں نے دھکار دیا۔“

”تم ایسے عجاچالاک ہو۔“ فریدی سر ہلاکر بولا۔

”یقیناً.....!“ گلی مسکرا یا۔ ”میرا دعویٰ ہے کہ جن الزامات کے تحت میرے خلاف تفتیش کی جاری ہے وہ قطعی غلط ہیں۔“

”ہاا..... آاا۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ ”نی الحال انہیں تو الگ ہی رکھو۔“

”رکھنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ میری کار سے ایسے کاغذات برآمد ہوئے ہیں جو آپ کے گھنکے سے جائے گئے تھے اور کاغذات بھی کیے۔..... جن کا تعلق خود میرے ہی کیس سے تھا۔ میں نے اُسے دھکار دیا تھا۔ اس نے سلاخوں کے پیچے نظر آ رہا ہوں۔ اب اس کا بُرنس خوب چکے

گا۔ دوسرے ڈریں گے، اور چپ چاپ بلیک میل ہوتے رہیں گے۔“
”کار تھاری ہی ہے۔“

فریدی چند لمحے خاموشی سے اُسے گھوڑا رہا پھر بولا۔ ”وہ کس قسم کے لباس میں تھی۔“
”زور رنگ کی ساری میں۔ کبھی میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ زور رنگ میں بہت اچھی

لگتی ہے۔ لہذا وہ ہمیشہ زرد ہی ساری میں مجھ سے ملتی ہے۔“
”میں..... واپسی پر وہ کس لباس میں تھی۔“
”آسی ساری میں جتاب۔“
”لیکن کیپن حید نے اُسے سرخ اسکرٹ میں دیکھا تھا۔“
”اب تو فراڈی تھہرا۔.... سب کچھ ممکن ہے۔“ گل نے ٹھنڈی سانس لی۔
”تم بہت چالاک آدمی ہو! کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح یوقوف بن گئے ہو۔“
”میری ٹھکل دیکھئے۔ آج تک کسی بد صورت لڑکی نے بھی میری پروادا نہیں کی۔ وہ مجھ سے ماوس ہو گئی تھی۔ بچوں کی ہی حرکتیں کرتی تھیں اور مجھے ذہن پر زور دیئے بغیر سب کچھ برداشت کرنا پڑتا تھا۔ اس کی ناز برداری کرنی پڑتی تھی۔ سنائے کہ اس طور جیسے فلسفی کو بھی ایک بار ایک خوبصورت لڑکی نے گھوڑا بنا دیا تھا۔“
”وہ تم سے کب ملی تھی۔“
”چھ ماہ پہلے کی بات ہے۔“
”بلیک میلر کا پہلا بیگام کب ملا تھا۔“
”شاکنڈ پندرہ دن گذرے۔“
”بہر حال.... تم دونوں کے تعلقات قریبی تھے۔“
”ایسا نہ ہوتا تو وہ مجھے انلو کیسے بنا سکتی۔“
”تھمارے ساتھ ہی رہتی تھی۔“
”میں نہیں.... شاپور بلڈنگ کے آٹھویں فلیٹ میں۔ یہ عمارت روکی اسکوار میں ہے۔“
فریدی نے پڑتھوٹ کیا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اب تم اپنا یہی بیان لکھوادو۔“
”میں تیار ہوں۔“

فریدی نے انچارج کو اشارہ کیا اور اپنی موجودگی ہی میں بیان لکھوا کر اس پر گل کر کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اتدر موجود ہو گا ورنہ قلیٹ ہی میں دستخط لیے۔

فریدی کے علاوہ اسے ہاں اور کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ وہ ایک سوت کیس کھولے ہوئے پہنچنے کے لئے کیوں کہتا۔

کپڑوں کی تہیں اٹ رہا تھا۔
”دروازہ بند کر کے بولٹ کرو۔“ اس نے سراخھائے بیٹھر کہا۔

حمدید دروازہ بند کر کے مڑا۔ فریدی سوت کیس کو فرش ہی پر چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔
”میرے ساتھ آؤ۔“ اس نے کہا۔

وہ دوسرے کمرے میں پہنچا اور حمید میساختہ اچھل پڑا۔ وہ سنگھار میز پر رکھی ہوئی ایک تصویر کو گھور رہا تھا۔
بعد بڑی شاندار نیند آنی چاہئے۔ اسے اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ ہنری گیل نے کس قسم کا بیان ہو گا کیونکہ وہ تو پہلی چیخنا رہا تھا کہ اسے زبردستی پہنانا گیا ہے۔

”تمیک ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”میں نے تمہیں اسی لئے بلا یا ہے۔ غالباً یہ اسی لڑکی کی تصویر ہے..... کیوں؟“

”سو فیصدی وہی ہے۔“ حمید نے پلکیں جوچ کا میں اور ایک ٹھنڈی سانس لی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسی دلکش لڑکیاں شاذ و نادر ہیں اس کی نظروں سے گذری تھیں۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔ ”کیا واپسی کے سفر میں جب تم بیک کے لئے دوڑ لگا رہے تھے سیاہ رنگ کی کوئی لمبی سی گاڑی بھی ملی تھی؟“

”ہاں شاکر کر۔“

”اور کوئی عورت ہی اسے ڈرائیور کر رہی تھی؟“

”ہاں تھی تو۔“ حمید نے تحریر آمیز لہجے میں کہا۔ ”آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“

”کیا وہ..... وہی لڑکی تھی جس نے تمہارا بیک اڑایا تھا۔“

”ناممکن..... ہرگز نہیں..... وہ تو اسی اسپورٹ کار میں تھی۔“

”تو تم اسے نہیں پہچان سکتے تھے۔“

پھر تھوڑی دیر بعد وہ شاپور بلڈنگ کے قریب نظر آیا۔



حمدگھر پہنچتے ہی بستر پر ڈھیر ہو گیا اور سوچ رہا تھا کہ ان ابھنوں سے چھٹکارا پانے کے بعد بڑی شاندار نیند آنی چاہئے۔ اسے اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ ہنری گیل نے کس قسم کا بیان ہو گا کیونکہ وہ تو پہلی چیخنا رہا تھا کہ اسے زبردستی پہنانا گیا ہے۔

”جہنم میں جائے۔“ اس نے بڑہ اتاتے ہوئے کروٹ بدی اور ہاتھ بڑھا کر تپائی سے پاپ اٹھایا۔ پھر تمبا کو کاڑبہ بھی اٹھانے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بھی اور وہ جھنجھلا کر اٹھ بیٹھا۔

ریسیور اٹھا کر ماٹھہ بیس میں دہاڑا۔ ”ہیلو.....!“

”اوہ..... تو گھر ہی پر ہو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”لیکن بے خبر سورا ہوں۔“ حمید دانت پیس کر بولا۔

”روکی اسکو اڑ میں شاپور بلڈنگ ہے۔ اس کے آٹھویں فلیٹ میں فوراً پہنچو۔“

”پہنچ گیا۔“ اس نے جھلا کر ریسیور ٹھیٹ دیا۔

کال فریدی کی تھی اس نے اٹھنا ہی پڑا۔ دوسری طرف وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ فریدی پرنس کے تھانے سے یک بیک روکی اسکو اڑ کیسے جا پہنچا۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ بھی روکی اسکو اڑ کی اسی سڑک پر نظر آیا جس پر شاپور بلڈنگ واقع تھی۔

آٹھویں فلیٹ میں داخل ہوتے وقت اس نے دستک دے کر کسی سے اجازت طلب

بعد وہ سیدھی بھین آئی تھی۔ کیونکہ گل کی بڑی گاڑی باہر موجود ہے۔ اگر اسے آئندہ اپنے پیچان لئے جانے کی ذرہ برابر بھی پرواہ ہوتی تو وہ اس تصویر کو یہاں نہ چھوڑ جاتی۔“
”آہ تو کیا وہ میک اپ میں تھی۔“

”میں اسی امکانات پر غور کر رہا تھا۔ یہاں مجھے پلاسٹک میک اپ کا کچھ سامان بھی ملا ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے اس کی اصلیت پر روشنی پڑ سکتی۔ پڑھی بھی اسے زینی ہی کے نام سے جانتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ وہ صرف چھ ماہ پہلے اس فلیٹ میں آئی تھی، پہلی مدت گلی اس سے اپنی دوستی کی بھی بتاتا ہے اور یہ صندوق..... یہ تو رہ ہی گیا۔“
فریدی میلے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف بڑھا جس سے کسی صندوق کا ایک گوشہ جھاٹک رہا تھا۔ ٹھوکر سے کپڑے ہٹائے۔ صندوق مغلل تھا۔ اس نے جیب سے ایک باریک سا اوزار کالا اور اسے قفل کے سوراخ میں ڈال کر خفیہ سی جنتش دی۔ کھٹا کا ہوا۔ لیکن یہ قفل کھلنے کی آواز تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ یہکہ حید نے صندوق کے رخنوں سے دھواں پھوٹتے دیکھا۔ فریدی اچھل کر پیچھے ہٹ چکا تھا۔ دفتہ اس نے نختے سکوڑے اور تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔

”نکلو..... یہاں سے..... گیس.....!“

تھیلے کی کہانی

وہ باہر نکل کر طویل برآمدے میں کھڑے ہو گئے۔ برآمدہ سنان پڑا تھا۔ حید نے مضطربانہ انداز میں فریدی سے کہا۔ ”کہیں ہم نے غلطی تو نہیں کی۔“
”اس کا قوی امکان ہے۔“ فریدی بڑا بڑا۔ پھر دروازے میں دوبارہ قدم رکھتے ہوئے نختے سکوڑے اور آگے بڑھتا چلا۔ بیا۔
پھر دوسرا کمرے میں بھی سب نے کسی قسم کی بونیں محسوس کی۔ صندوق سے دھواں نکلتے ہیں اس تصویر کی موجودگی یہی ثابت کرتی ہے۔ گل کو تمہارے حوالے کرنے

”نہ ممکن! بوکھلاہٹ کے عالم میں بھی عورتیں مجھے صاف نظر آتی ہیں۔ شاہک میں آپ اس کا پورا حلیہ بتا سکوں۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی، زرد ساری اور سرخ بلااؤز۔“
”گذ.....!“ فریدی مسکرایا۔ ”اگر اسکرٹ پر ساری پلیٹ لیجائے تو بلااؤز ہی معلوم ہوگا۔“
”مگر یہ کیسے ممکن ہے، گاڑی دوسری تھی۔ اب کیا میں سرخ و سیاہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔“
”اس حد تک تو تم کافی با تمیز ہو لیکن وہ تھی وہی لڑکی۔“
فریدی نے مختصرًا گل کا بیان دہرایا۔
حید نے فوراً یہ کچھ نہیں کہا۔ لیکن وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے گل کی لہی کیں کہیں کوئی ایسی کمزوری ضرور موجود تھی، جو اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل بن سکے بلاؤ خراس نے پوچھا۔ ”آپ کو یقین آگیا ہے اس کہانی پر؟“
”تی الہا یہ سوال ہی فضول ہے۔“
”لوکی کے بیاس کی تبدیلی کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔ میرے سامنے وہ سرخ رنگ اسکرٹ میں آئی تھی اور گل نے دونوں ملاقاتوں پر اسے زرد ساری میں دیکھا تھا۔“
”یہ سوال بھی غیر اہم ہے۔ اس قسم کے سوالات اس وقت کے جا سکتے ہیں جب ہم کہانی پر یقین کر لیں۔“
”پھر آپ نے سیاہ رنگ کی کار اور کسی لوکی کا تذکرہ کیوں چھیڑا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ اسی کے بیان کا ایک حصہ تھا۔“

”لوکی کے وجود پر شیخ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ تمہارا پینڈ بیگ لے جھاگی تھی۔ البتہ میں اس کے رول کے متعلق غلط بیانی سے کام ضرور لیا جا سکتا ہے۔“
”پھر آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔“
”خود کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اگر اب وہ لڑکی کہیں نظر آجائے تو تمہاری فرشتے بھی اسے نہ پیچان سکیں گے۔“

وقت گیس کی بو سے اس کا دماغ بھی چکرا گیا تھا۔ قتل کا کھلا عی بیٹری کے سوچ کا دونوں پھر اسی کمرے میں آپنے چہاں وہ صندوق تھا۔ اب یہاں بھی گیس کی بو محکمل امام بھی کرتا ہوا۔ بیٹری آن ہوئی۔ بیتر نے کام شروع کر دیا۔ گیس سلنڈر کا منہ کھل گیا۔۔۔ کی جاسکی۔ صندوق آنچ کی شدت سے تپ کر سرخ ہو گیا تھا۔ اگر کپڑوں کا ذہیر فریدی کو سکتا ہے کہ صندوق میں کوئی دوسرا قتل ہو جس کے استعمال سے بیٹری پر اثر نہ پڑتا ہو۔

الگ نہ ہٹا دیا ہوتا تو اس میں یقینی طور پر آگ لگ گئی ہوتی۔ وہ دم بخود کھڑے صندوق حید کچھ نہ بولا۔ تقریباً پندرہ منٹ تک انہیں صندوق کے مٹھنے ہونے کا انتظار کرتا پڑا۔

پھر فریدی نے اُسے چوکر دیکھا۔ وہ اب بھی گرم تھا۔۔۔ بہر حال وہکن اٹھنے کی اس

”اچھی بات ہے دست۔“ فریدی طویل سانس لیکر بڑا ہوا۔ ”وہی ہو گا جو تم چاہتے ہوئے یہاں کی تصدیق ہو گئی۔

”میں....!“ حید چوکر پڑا۔ ”میں تو آج میں ایک بہتر اور ایک پلٹ کے علاوہ اور کہا۔“ فریدی بولا۔ ”یہ دیکھو!...“ فریدی پروف خانے۔ ایک میں بیٹری ہے دوسرے میں نہیں چاہتا۔ مگر یہ صندوق....!

”یہاں کے تمام صندوقوں میں صرف یہی ایک ہمارے لئے بہت اہم ہو سکتا تھا۔“ ورنہ را کہ تھوں کی شکل میں ملتی۔“

”مگر یہ ہوا کیا۔“

”ہمارے لئے بہتر ہی ہوا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ صندوق الیبوں کیا گیا۔ اگر کسی چیز کو تلف ہی کرنا تھا تو صندوق کو ہاتھ لگانے والے کے پر خیز اُنکے دھماکے کے ساتھ پھٹانا اور ہمارے چیخڑے اڑ جائتے۔“

”کیا قفل نہیں کھل سکتا۔“

”اس دھوئیں کا انحراف قتل کے کھلنے ہی پر تھا۔ صندوق میں کوئی ایسی چیز تھی جسے خطر۔“ ”یہی کہ اس صندوق میں بھی ہو سکتا تھا۔“

کے وقت یہاں سے ہٹانہ سننے کی صورت میں تلف کر دیا ہی بہتر ہوتا۔ گیس کی معمولی سی مقادہ اس لئے رکھی گئی تھی کہ قفل کھولنے والا یوکھلا کر صندوق کے پاس سے ہٹ جائے یا ڈکھ اٹھانے کی ہمت نہ کر سکے۔ پھر دوبارہ اُسے سنبھلنے میں جو وقت صرف ہوا تھی مدت نہ

صندوق پر اٹھے اور وہ ساری اشیاء را کہ کا ذہیر ہو جائیں جنہیں تلف کر دیا ہی بہتر تھا۔“

”مگر یہ مٹھنا کیسے ہو گا!...!“ حید بڑا ہوا۔

”بیٹری اکڑنا سخت ہونے سے پہلے نامکن ہے۔“

”بیٹری!...!“ حید نے حرث سے کہا۔

”آہا تو پھر کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ جادو کی آگ تھی؟ صندوق میں متن چیزیں یقین طور پر دنگا۔ ریماٹر کی توسعی کرنا تارہوں گا۔“

”تو اس کا بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس کے بیان پر یقین آگیا ہے اور اس کے بھی نصیب نہیں ہوا۔“ حمید بڑوڑا
دوسرا آدمی کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔“ مجھ پر شہر کیجئے اور چھانسی دلواد جیجے۔ ابھی تک کھانا بھی فریدی کچھ نہ بولا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کمرے میں آئے جس میں فون تھا۔ فریدی اس وقت بہت زیادہ تحکم محسوس کر رہا تھا۔ ذوق تجسس اپنی جگہ پر..... اس کا تعلق خالی فریدی کے نگر پرنسٹن کے نبرڈائل کرنے۔ وہ انچارج سے گفتگو کر رہا تھا۔

اپنے محلے کے جیگر اس کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اگر کلیں کا بیان صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کی سبھا۔ مجب اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اگر کلیں کا بیان صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کی سبھا۔ مجب اس میں وہ اگر یہاں پہنچ جائیں گے۔“ فریدی نے گھری پر نظر ڈالتے ہوئے حمید اس لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اگر کلیں کا بیان صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کی سبھا۔ مجب اس میں وہ اگر یہاں کام کرائے گا اور ہم کسی ایسی جگہ مطلب ہو گا کہ وہ اس کا اور حمید کا نکلا وہ رانا چاہتی تھی۔ وہ اسے روکتا اور زینی اپنی گاڑی کیا تھا۔ مجب اس میں وہ اگر یہاں کام کرائے گا اور ہم کسی ایسی جگہ اتر کر ہینڈ بیک جھپٹ لے جاتی۔ کلیں محکمہ سراج رسانی سے پہنچ کے لئے وہیں رہ جائے طرح بھی وہ مقصد تو حاصل ہی ہو جاتا۔ جس کے لئے یہ سب کچھ کیا گیا تھا، یعنی کلیں الہ میں دھر لیا جاتا کہ اس نے محکمہ سراج رسانی کے ایک آفسر سے ایسے کاغذات چھینے۔ تھنٹھات کی طاش کے سلسلے میں چند ضروری ہدایات دیں اور وہ صندوق بھی اسی کی تحویل میں تعلق خود اسی کے کیس سے تھا۔۔۔ بہر حال لڑکی غیر متوقع طور پر اس سے پہلے ہی کامیابی کر صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

تم۔ اس نے اسیں بدل دی اور کلیں دوسری طرح پکڑا گیا۔۔۔ مگر۔۔۔ اوہ۔۔۔ لیکن ایک بار پھر شہر کی سڑکوں پر دوز رہی تھی اور حمید پاپ کے ہلکے ہلکے کش لے رہا سے زیادہ اہم سوال تو اب بھی غور طلب ہے۔

اس نے فریدی کی طرف دیکھا، جو رسیور کھکھار سکا رہا تھا۔

”آخ۔۔۔ وہ کون ہو سکتا ہے۔۔۔“

”کون۔۔۔!“ فریدی چونک پڑا۔

ریالٹو اور کرٹل ہارڈ اسٹون۔۔۔ حمید کو وہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ کسی ایسی تفریخ گاہ میں کھانا کھائے جہاں تقریباً درجن سیم برہمنہ تیلیاں میزوں کے درمیان تھرکتی پھرتی ہوں۔

”جس کے ذریعہ کسی کو میری آج کی مصروفیات کی اطلاع ملی تھی۔۔۔“

”اب تم نے ایک ڈھنگ کا سوال اٹھایا ہے؟“ فریدی مسکرا کیا۔ ”میں نے کل شام۔۔۔ اس نے اس طرح آنکھیں پھاڑ کر فریدی کی طرف دیکھا جیسے اس کے سر پر سینگ نکل ہی میں تمہیں اس کے متعلق ہدایات دی تھیں۔۔۔ ہنری کلیں کیس کا فائل ریکھا کے پاس ڈائے ہوں۔

وہ بھی آفس ہی سے غائب ہوا تھا اور یہ چوری بھی کل ہی دل بیجے سے چار بیجے تک کیا ہوئی تھی۔۔۔“



ہال کے ایک پر تین لاکیاں ساؤ تھا امریکن ”چاچا“ پیش کر رہی تھیں اور حمید غیر شعوری طور پر بیٹھنے پہنچنے تھرک رہا تھا۔

”اس سلسلے میں آپ کس پر شہر کر رہے ہیں۔۔۔“

”فی الحال کسی پر بھی نہیں۔۔۔“

اہمی انہوں نے کھانا ختم نہیں کیا تھا۔ کرنی طرح چونا تھا۔ لیکن پھر ایسا بن گیا تھا جیسے اسے پچھانتا ہی نہ ہو۔ حید نے اس کی "کیوں.....؟" دفتار فریدی نے سراہما کر کہا۔ "بِذوقِ کی تسلیم ہوئی یا نہیں؟" حالت میں دونوں تم کے فوری تغیرات با آسانی مارک کے تھے۔ لیکن نے یونہی رُسی سے "بِذوقِ خدا آپ کو جمالیاتی حس عطا کرے۔ ہائے بلیاں.....؟" انداز میں ان کا خدمت مقدم کیا۔

"جُو عوام بھس بھری ہوئی کھوپڑیوں عی پر گرتی ہیں۔ میئے خان تمہاری یہ روحلائی تو فرمائیے جتاب امیں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ اُو تشریف رکھئے۔" اس نے کرسیوں ذہنی سے باہر دی کا تجھے ہے۔ آدمی بتو۔ حورت جمالیاتی حس کی تسلیم کا باعث نہیں ہے، کی طرف اشارہ کیا۔

"تب تو آپ کو خدا ہمدرد و اخانہ بھی عطا کرنے۔"

"شیدگی اختیار کرو۔ یہ جو تم پر بوریت کے دربارے پڑتے ہیں اسی رجحان کا تجھے۔" لیکن بیٹھتا ہوا جھلکی سی آواز میں بولا۔ "مجھے افسوس ہے کہ "ختم کیجھ یہ.....؟" حید سر ہلا کر بولا۔ "کیا آپ میری بِذوقِ کی تسلیم ہیں؟" پلائی کے سارے آئینم مختلف تھیکداروں کو تقسیم کے جا چکے ہیں۔ آپ نے دیکھ کر دی۔ و پے بھاں آئے ہیں۔"

"نہیں..... مجھے اپنے ذوق کی تسلیم بھی کرنی تھی۔"

"ساو تھوڑے کمن چاچا پسند آیا۔"

"وہ تمہارے لئے تھا۔ مجھے تو ایک انگلو بر میز دادا کی تلاش ہے۔" چہرے کی رنگت بدل گئی لیکن قل اس کے کوہ کچھ کہتا فریدی بول پڑا۔

"کیا مطلب... او ہو۔ میرا خیال ہے کہ ریالٹو کا فیجہ بھی انگلو بر میز ہے گو۔" "میں تم سے یہ قطعی نہیں پوچھوں گا کہ بلیک میلنگ کی وجہ کیا ہے؟"

"جی..... کیا مطلب.....؟" لیکن نے آنکھیں نکالیں، میں نہیں سمجھ سکا کہ آپ لوگ کون

"ایسے شریقوں میں شادر ہے اس کا جو اپرے سے خوبی اور اندر سے اخروت ہوئے۔ ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔"

"ارے ذرا..... یہ دیکھ کتنا اچھا ناج رہی ہے۔"

"چلوں اس پر بھی یقین کرنے کو تارہوں کو تم ہمیں نہیں پچھانتے۔" "دیکھے جاؤ....." فریدی نے لاپرواں سے کہا اور کچھ سوچنے لگا۔

"میں بہت مصروف آدمی ہوں اور گاہوں کے مذاق سے لطف انداز ہوں میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔" اس نے خلک لجھ میں کہا۔

"اگر یہ مذاق ہے تو تم بھی گیل ہی کی طرح گھر پہنچ جاؤ گے۔"

"گیل..... کیا مطلب.....؟"

"اگر تم مجھے نہیں پچھانتے... تو...؟" فریدی کوٹ کی اندر وہی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ پھر انہا وزینگ کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ " غالب اب تم ہمارے مذاق سے

ڈیکھنے کے لئے رک گیا۔ لیکن پھر دونوں ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ فریدی دروازے پر بلکل ہی دستک دی تھی اور اندر سے کسی نے گوئیلی آواز میں کہا تھا۔ "کم ان" ڈیکھنے کے لئے رک گیا۔ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جب سکانے کے لئے رک گیا۔ لیکن کم ایک بھاری بھر کم انگلو بر میز تھا۔ آواز میں کرخنگی تھی، لیکن آنکھیں پھول

لطف اندوز ہونے کی صلاحیت پیدا کر سکو گے۔"

آنے والوں کی دل تھی کہ وہ چشم زدن میں اُسے گرفتار کرادے گا۔ گل نے ہنس کر ٹال دیا۔ لیکن

"اوہم..... خدا مجھ پر حرم کرے.... فرمائے جتاب! معاف کیجئے گا یہ میری بد نصیبی ہے اب وہ حقیقت حوالات میں ہے۔"

کہ میں آپ کا صورت آشنا نہیں تھا۔ ویسے اس شہر میں کون ہے جو آپ کے نام سے واقع نہ ہے؟

ڈیکن کی پیشانی پر سلوٹیں اُبھر آئیں۔ وہ تمہڑی دریک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"مگر آپ مجھے یہ کہانی کیوں سنارہے ہیں۔"

"یہ واقعہ ان تمام لوگوں کیلئے ایک بہت بڑی دلکشی ہے جو بلکہ میر کی پرودا نہیں کرتے۔"

"تو آپ کا خیال ہے کہ مجھے بھی کوئی بلکہ میل کر رہا ہے۔"

"حقیقت....!

"آم خرس بناء پر....!

"تمہارے فائل پر بھی نظر ٹانی کی جاری ہے۔"

"میرا فائل! ڈیکن چوک پر۔" اوہ تو کیا میر اسٹار بھی گل علی چیزے لوگوں میں ہوتا ہے۔

"تمہارے لئے نئی اطلاع ہو سکتی ہے لیکن ہمارے بھکے میں اتنے بھولے لوگ نہیں

نہیں ارادہ ہے کہ خود ہی بتا دوں۔ ہمارے پاس اس کے خلاف ایسے ثبوت نہیں:

جن کی مضبوطی پر ہم اسے عدالت میں پیش کر سکتے۔"

ڈیکن پھر خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں بھجن کے آثار تھے۔ کچھ دیر بعد بھرائی

ہوئی آواز میں بولا۔ "میرے لئے یہ مصیبت نہیں ہے۔ مجھے پانچ ہزار روپے ماہانہ ادا کرنے

پائے جاتے۔"

ڈیکن کی آنکھیں دوبارہ پھیل گئیں۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ کیسے ممکن ہے۔

"اگر یہ ممکن ہے تو پھر کسی اور نے خود ہی چوری کر کے اس کے قبضے سے برآمد کر لے گا۔

"شکریہ! میں تمباکو نہیں پیتا۔" ڈیکن آنکھیں چراٹا ہوا بولا۔ "لیکن ابھی آپ نے کہا تھا

کہ میں بلکہ میلک کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔"

"اور اب بھی اسی بات پر قائم ہوں۔"

"پڑھنیں وہ کون ہے..... ہر ماہ پانچ ہزار وصول کرتا ہے لیکن میں اُسے پکڑنے میں

کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"اداگی کس طرح ہوتی ہے۔"

"تم اس کے متعلق صحیح کے اخبارات میں بہت کچھ دیکھو گے۔ اس نے گلی کا

بلک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن گلی نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ اس نے سوچا تھا۔

جب پولیس ہی اس کے ثبوت فراہم نہیں کر سکتی تو وہ بلکہ میر کیا باگاڑ لے گا۔ بلک میل۔

"خبر تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہنری گل اس وقت حوالات میں ہے۔" فریدی نے

کہس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ وہ ان دونوں بہت پڑھا۔

تحا۔ حالانکہ پریشانی کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ تم سمجھ رہے ہوئا۔"

"کسی حد تک! ہاں غالباً اس نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا کہ اس کے خلاف تقاضہ

ہے۔ لیکن وہ پریشان تو نہیں تھا جتاب۔"

"اوہ تو پھر اس نے پریشان نہ ہونے کی وجہ بھی بتائی ہو گی۔"

"آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔" ڈیکن کے لمحے میں جبرت تھی۔

"نہیں ارادہ ہے کہ خود ہی بتا دوں۔ ہمارے پاس اس کے خلاف ایسے ثبوت نہیں:

چوری کرایا تھا۔" ڈیکن کی آنکھیں دوبارہ پھیل گئیں۔

"آس نے اپنے کیس کا فائل چوری کرایا تھا۔"

"چوری کرایا تھا۔" ڈیکن کی آنکھیں دوبارہ پھیل گئیں۔

"اگر یہ ممکن ہے تو پھر کسی اور نے خود ہی چوری کر کے اس کے قبضے سے برآمد کر لے گا۔

ہوں گے۔ سارے کاغذات اُسی کے کیس سے تعلق رکھتے تھے۔"

"یہ تو بڑا آسان سانس نہ ہے۔" ڈیکن مسکرا یا۔ "جن کے خلاف ثبوت نہ مل سکیں۔

اس طرح اندر کر دیا جائے۔"

"تم اس کے متعلق صحیح کے اخبارات میں بہت کچھ دیکھو گے۔ اس نے گلی کا

بلک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن گلی نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ اس نے سوچا تھا۔

جب پولیس ہی اس کے ثبوت فراہم نہیں کر سکتی تو وہ بلکہ میر کیا باگاڑ لے گا۔ بلک میل۔

"تم اس کے متعلق صحیح کے اخبارات میں بہت کچھ دیکھو گے۔ اس نے گلی کا

بلک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن گلی نے اس کی پرواہ نہیں کی تھی۔ اس نے سوچا تھا۔

جب پولیس ہی اس کے ثبوت فراہم نہیں کر سکتی تو وہ بلکہ میر کیا باگاڑ لے گا۔ بلک میل۔

”مجھ نیالی کی پہاڑیوں میں ایک چٹان ہے۔ اسی پر روپے رکھ دیتے جاتے ہیں۔ وہہ ماہ ایک مخصوص تاریخ کو پلاسٹک کا ایک تھیلا بھوتا ہے۔ تاکید ہوتی ہے کہ روپے اسی میں رکھ کر معینہ مقام پر رکھا دیتے جائیں۔ میں نے پچاس پچاس آدمی چٹان کے آس پاس چھپائے ہیں لیکن تھیلے کو اٹھانے والے کی پرچھائیں نہیں نظر آئی۔ تھیلا حیرت انگیز طور پر غائب ہو گتا ہے۔“

”وقت کا تین بھی ہوتا ہو گا۔“

”بھی ہاں عموماً اندر ہری رات ہوتی ہے۔ لیکن چٹان کی پھوٹیں ایسی ہے کہ اندر میں بھی کم از کم سایہ تو نظر آئی سکتا ہے، خواہ کوئی لیٹ کر رینگتا ہی ہوا کیوں نہ چٹان تک پہنچے۔“

”اس کے پیغامات تم تک کیسے پہنچتے ہیں۔“

”ناپ کے ہوئے خلوط مجھے اسی میز پر ملتے ہیں اور جب اداگی کی تاریخ قریب ہوئی ہے تو تھیلا بھی اسی طرح آتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہاں تک پہنچائے والا کون ہے۔ اس بار ابھی تک تمہاری نہیں آیا۔“

”جب آئے تو مجھے ضرور مطلع کرنا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جس سلسلے میں تمہیں بیک میں کیا جا رہا ہے اس کے لئے تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جائے گی۔“

قاسم کی تصویر

حید کا خیال تھا کہ اس سے زیادہ شاندار کیس آج تک ان کے پاس نہیں آیا۔ ان دونوں ایڈیشنیں اسے پسند آتے تھے جن کی گاڑی کسی طرح آگے نہ بڑھ سکے۔ ایک کڑی کے بعد دوسرا کڑی کاملتاً محال ہو جائے۔ گلی حالات میں تھا۔ اس کی کہانی کی کافی تشریف ہو جاتی تھی۔ لیکن کیس کی گاڑی ریالٹو کے نیجر ڈیکن سے آگے نہ بڑھ سکی۔ پورا ہفتہ گذر گیا مگر اس

نے بیک میڈ کی طرف سے وہ تھیلا وصول ہونے کی اطلاع نہ دی جس کے ذریعہ رقم اس سک پہنچائی جاتی تھی۔ ذیکن کے بیان کے مطابق یہ تاخیر خلاف معمول تھی۔ گذشتہ مہینوں میں ایک مقررہ تاریخ پر تھیلے اس سک پہنچتے رہے تھے لیکن اس بار اس تاریخ کو بھی گذرے ہوئے یہ چوتھا دن تھا۔

کام تو اسی وقت تیروع ہوتا جب ڈیکن تھیلے کی وصولیابی کی اطلاع دیتا۔ اس نے حید کا راوی جھین عی جھن لکھتا تھا۔

لیکن وہ اپنی اس سریشست کو کام چوری پر جھوٹ نہیں کر سکتا تھا۔ بھی کام ہو تو ضرور کرو، لیکن خواہ مخواہ سرکپاٹے رہنے سے کیا فائدہ..... وہ کام عی کیا کہ اوڑھنا پکھوٹا ہو کر رہ جائے۔ آفس سے نکل آنے کے بعد بھی اگر فائیلیں عی سر پر سوار رہیں تو اسے صحیح الداعی کیسے کہا جائے گا۔

بہر حال وہ فریزیدی کی طرح کا دیوانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ زندگی کو تو وہ بازی طفالانہ عی سمجھتا تھا لیکن کام کے دیوانوں میں اسے مرد اگلی کی جھلک نہیں دکھائی دیتی تھی۔ اسے تو وہ ایسی جگہ دیوانگی عی سمجھتا تھا اس لئے یہ شعر اس کی نظر وہ میں قطبی لمحو تھا۔

زندگی یوں تو فقط بازی طفالانہ ہے۔

مرد وہ ہے جو کسی کام میں دیوانے ہے وہ سوچتا ہے کوئی دیوانگی میں دیوانگی ہے۔ دیوانگی تو وہ ہے کہ لیلی کا ستا بھی کہہ اسے کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو

مگر وہ تو اس وقت کی لیلی کے ہاتھی کا خفتر تھا اور سوچ رہا تھا کہ ایک بخت کے بعد کوئی نہیں کم جگہ کی تھی یہ بیک رفع کیے گئے۔ کچھ دیر پہلے اس نے اسے فون کیا تھا کہ وہ آرہا ہے، حید خفتر رہے۔

چھر وہ آیا اور بڑے ٹھیسے سے آیا۔ سیلیتے سے پرس کئے ہوئے سوٹ میں لمبیں تھا شوخ رنگوں کی نائی تھی اور حید نے اس کے گالوں پر پاؤڑر کی ہلکی سی تہبہ بھی محسوس کی۔ جوش سرست سے آنکھیں چمک رہی تھیں۔ دانت نکلے پڑ رہے تھے۔

”خیریت.....!“ حید نے اسے گھوڑے ہوئے پوچھا۔

اسکھے باسٹھ کرو اور گھر واپس آؤ تو وہ گھر بی خانم کھڑی ہیں مدد ہتھے۔ اتنی دیر کہاں کر دی۔

”آہا تو کیا تم اب دفتر میں بھی بیٹھنے لگے ہو۔“

”چلو..... پیارے بھائی..... بورن کرو..... سالے مجھے اکاڈمیک سکھا رہے ہیں۔“

”کہاں چلوں۔“

”سے پول اوپر تو آتی ہے۔“ قاسم لہک کر بولا۔ ”میں وہاں سے اخستا ہوں تو میرا پیچھا کرتی ہے اور میں الاقسم شرم کے مارے پانی پینے لگتا ہوں۔“
”پانی پانی ہونا محاورہ ہے۔“

”خینگا خینگا ہونا محاورہ ہے۔“ قاسم جھلا گیا۔ ”چلتا ہے تو چلو..... نہیں تو جہنم میں جاؤ۔“
”اگر وہ تمہارا پیچھا کرتی ہے..... تو ضرور چلوں گا۔“

”اور بتاؤں۔“ قاسم چلک کر بولا۔ ”پرسوں میں اس سے دور بیٹھا جائے لی رہا تھا۔ اس اپنی جگہ سے اٹھی میرے پاس آئی اور آ کر کھڑی ہو گئی۔ میرے کاندھوں پر دونوں کہدیاں تیک کر جھجھی تھیں اور آہستہ سے بولی تھی تم بڑے پیارے لگتے عی ہی عی ابے ہاں۔ قیاسجھے ہو مجھے ایدے کیوں۔“

اس نے جیب سے ایک تصویر نکالی اور حمید کی طرف بڑھا دی۔ یہ ایک لڑکی تھی جو قاسم کے کاندھوں پر کہدیاں تیکے جھکی کھڑی تھی اور قاسم کے چہرے سے بہی ظاہر ہو رہا تھا جیسے دم نکلا جا رہا ہو۔

”بلیں یا ایسے عی کھڑی تھی کہ کسی نے تصویر کھینچ لی؟“ قاسم بے حد خوش ظاہر کرتا ہوا بولا۔

”کسی نے..... کیا تم اسے نہیں جانتے۔“

”اے..... میں قیا جانوں ہو گا توئی سالا۔“

”پھر یہ تمہیں ملی کہاں سے.....!“

”ڈاک سے آئی ہے۔“

”آہا..... ہم۔“ حمید نے منی خیر انداز میں سر کو جبکش دی پھر خاموش ہو کر اسے گھوڑے نے لگا۔

”بلقل..... تم اپنی کہو..... بیٹھا۔“

”مؤونت ہے اس لئے کبھی رہتی ہے اور کبھی نہیں رہتی۔“

”میں نے قہا..... تم مجھے قیاسجھے ہو۔“

”پخت.....!“

”پخت بھی ”چ“ سے ہوتا ہے..... چلو ٹھیک ہے۔“ قاسم کے دانت نکل پڑے۔

”نیماٹھیک ہے۔“ حمید نے متبرانہ لبج میں پوچھا۔

”اس کا نام جوڑی ہے۔“ قاسم نے اس بارہ سریلی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”چ سے

”جوڑی ج سے چختا ہے.....!“

”کس کا.....!“

”ہائے حمید بھائی کیا بتاؤں یکمین نہیں آتا اچھا یہ بتاؤ کوئی لڑکی تمہیں

اس طرح دیکھئے اور اس طرح مسکراۓ یعنی کر یوں!“

اس نے آنکھیں نشانیں اور بھوٹے پین سے مسکرا کر بولا۔ ”تو تم قیاسجھو گے۔“

”خود کو الوکا پٹھا سمجھوں گا۔“ حمید بولا۔

”اے جاؤ..... سالے تم میرے معاملے میں اسی طرح کیڑے نکالنے لگتے ہو۔“

”پوری بات بتاؤ مطلب یہ تھا۔“

”ہائے کیا بتاؤں! اس بارہیں بلقل مر جاؤں گا! ہائے کیا چاں ہے چیچپے سے دیکھو تو

ایسا لگتا ہے جیسے ڈیبٹ کریٹ ڈیبٹ کریٹ کرتی چلی جا رہی ہو۔“

”ڈیبٹ کریٹ!“ حمید نے آنکھیں نکالیں۔

”ہات تیری!“ قاسم نے پیٹھانی پر ہاتھ مارا۔ ”یہ سالا ڈیبٹ کریٹ اس طرح

کھوپڑی میں گھاہے کے کسی طرح نکلتا ہی نہیں۔ خدا شمن کو بھی سب کچھ دے گر باپ نہ دے۔“

”کیا پی رکھی ہے تم نے؟“

”نہیں آج جروا پیوں گا۔ ٹھیگے پر ہے سب کچھا ہاں نہیں تو! دفتر میں بیٹھ کر دن بھر

”اے... کھا جاؤ نے کیا۔ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو؟“
”کل وہ ہوئی میں ملی تھی۔“

”نہیں... آج جریدے لے گی۔“

”قائم ہوش میں رہ کر گفتگو کرو۔ اس تصویر کے ساتھ کوئی خط بھی تھا۔“

”رہا ہو گا سالا..... مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ دو ہزار کی توبات ہے۔ مگر نائے یہ
جالم..... جزاد یکھو تو پیارے قیسی محبت سے لدی کھڑی ہے۔“
”دو ہزار کی کیا بات تھی۔“

”نہیں بتاؤں گا... تم نہ لے گھپلا کر دو گے۔“

”حیدر اے پھلانے کی کوشش کرنے لگا اور بذقت تمام راہ راست پر لاسکا۔“

”قائم کھاؤ گھلائیں قرو گے۔“

”تم بتاؤ تو پیارے... میں ایسا انتظام کر دوں گا کہ اس سے تمہاری شادی بھی ہو جائے
اور کسی کو کافوں کا ان خربھی نہ ہو۔ اے کہیں اور مکان لے کر رکھنا۔“

”کھت میں لکھا ہوا تھا کہ مجھے ہر ماہ دو ہزار روپے دیا کرو۔ نہیں تو یہ تصویر تمہارے باپ
کو بھیج دی جائے گی۔ میں نے کہا تھیں سے لے لو دو ہزار بیٹھ مگر یہ تصویر ہائے پھر دیکھو حیدر
بھائی... قیسی مسکراہٹ... جی چاہتا ہے قلبے میں بھلوں۔“

”ابے او عصل کے اندر ہے..... یہ ذرا مہل کیا تھیں بیک میل کرنے کے لئے۔“

”ویکھا! نکل آئی نہ سالی جasoئی۔“ قائم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”ابے تم جل مرے
ہو..... آگ لگ گئی ہے..... بس تم اپنے ہی کو گفناام سمجھتے ہو۔ لوٹیاں مریں تو صرف تم پر
مریں۔ دوسرے کو دیکھا اور کباب ہو گئے۔“

”خیر دیکھا جائے گا....!“ حیدر ہلا کر بولا۔ ”اچھی بات ہے۔ میں کچھ نہ کہوں گا۔ تم
شوق سے تصویر بجا تے پھر د۔ ہاں..... پلاسٹک کا کوئی تھیلا بھی آیا ہے۔“

”تم تیا جانو...!“ قائم نے جبرت سے آنکھیں چھاڑ دیں۔ پھر دانت پیس کر بولا۔

”میری نوہ میں رہتے ہوں۔ الاماں نے چاہا تو غارت ہو جاؤ گے... خدا کہتا ہے کہ دوسروں کی
نوہ میں نہ رہو۔ تم رہتے ہو سڑک مرد گے..... دنخ لینا..... میں آیا تھا کہ کچھ رائے مشورہ کریں
گے... سالے جاسوئی لے بیٹھے۔“

”تھیلے میں روپے رکھ کر..... کہاں رکھنے کو کہا گیا ہے۔“

”تمہارے ابا کی قبر پر..... میں جا رہا ہوں..... مر اکرو۔“

لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی ڈرائیکٹ روم میں داخل ہوا اور قائم جہاں تھا وہیں رہ گیا۔
چہرے پر ہوایاں اڑنے لگیں اور وہ بے جان سا ہو کر صوفی کی پشت سے نک گیا۔

فریدی نے شائد گفتگو کا کچھ حصہ سن لیا تھا۔ حمید نے قائم سے کہا۔ ”اس معاملے کو اپنی
ہی ذات تک محدود رکھنا تمہارے لئے خطرناک ہو گا۔ فرض کرو کہ وہ تم سے دو لاکھ کا مطالہ کرتا ہے۔“
”بُن! ختم کرو۔ میرا معاملہ ہے کسی سے مطلب۔“ قائم جھینپے ہوئے انداز میں ہنسا۔
”کیا تصدھے ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔ وہ ایک کری کے تھے سے نک کر سگار سلاک رہا تھا۔

”قائم کے پاس ایک ایسکی تصویر ہے...!“

”ہو گی..... ہو گی..... تم سے مطلب۔ ماف کیجئے گا۔ میں جاسوئی نہیں کرنا چاہتا۔“ اس
نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے جلدی جلدی ٹلکیں جھپکا گئیں۔

”تصویر تو میں یقیناً دیکھوں گا...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”تفق... قیا... جی نہیں... معاف کیجئے گا۔“

”کیا خرچ ہے۔ شرماوں نہیں..... یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے۔“

”ہوتا رہتا ہے نا۔“ یک بیک قاسم خوش ہو گیا۔ ”دنخ لجھے۔ آپ بھی دنخ لجھے۔ کوئی
میں نے تھوڑا ہی کہا تھا کہ مجھ پر لد کر کھڑی ہو جائے۔ خود ہی آئی تھی۔ اب آئی ہے تو
آئے..... دو ہزار خرچ ہوں تو دو لاکھ خرچ ہوں تو... قیسی کا قیا۔“

اس نے حیدر کو گھوڑتے ہوئے جیب سے تصویر نکالی اور فریدی کی طرف بڑھا دی پھر
دونوں ہاتھوں سے منہ پچھا کر صوفی کی پشت سے نک گیا۔

”رکھو....!“ فریدی نے کچھ دیر بعد تصویر اس کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ”تمیلا خا
کے ساتھ ہی آیا ہوگا۔“

”نیج.....می ہاں.....اب روپے تو دینے ہی پڑیں گے۔ ورنہ باوجان یا اللہ۔“ اس نے
ٹھنڈی سانس لی۔

”کہاں رکھو گے۔“

”جمیریاں میں کوئی بھوری چیز ہے.....وہیں۔“

”کب اور کس وقت۔“

”پرسوں.....رات کو آٹھ بجے۔“

”اچھا ہے.....کسی طرح جان بچاؤ۔ ورنہ تمہارے والد۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”خط تو شاہ
ٹائپ میں ہوگا۔“

”جی ہاں.....!“ قاسم پھر حمید کو گھونٹنے لگا۔

حمدی نے اس کے ساتھ باہر جانے پر آمدگی ظاہر نہیں کی تھی۔ اس نے وہ جلد عنان
گیا۔ ویسے اس نے ایسا ہی برآمدہ بار کھاتا ہی میسے طوے کے دھوکے میں صابون کھا گیا ہو۔

”دلوکی کے متعلق کیا خیال ہے۔“ فریدی نے حمید سے پوچھا۔

”مجھے تو بالکل پند نہیں آئی۔ ویسے آپ مجبور کریں تو دوسرا بات ہے۔“

”کیا بکواس ہے۔“ فریدی جھلانے ہوئے لبھ میں بولا۔

”اوہو! شامد آپ کا سوال میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔“

”پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ.....نہیں۔“

”دیکھے چکے ہو۔“

”اپنی آنکھوں سے تو دیکھنے کا اتفاق ہرگز نہیں ہوا۔“

”صرف آنکھوں ہی کا معاملہ ہے.....خود خال میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ لیکن آنکھوں
بناو کروہ کہاں ہے..... مجھے اس پر ذرہ برا بر بھی اعتراض نہیں ہے کہ تم نے کرتل فریدی کو

کی بیاٹ پر اڑا انداز ہونا آسان کام نہیں۔“

”اوہو..... تو کیا وہی لڑکی ہو سکتی ہے جس نے میرا ہینڈ بیک اڑایا تھا۔“

”سو فیصدی وہی ہے۔ وہ تصویر جو اس کے فلیٹ سے مل تھی اُسے سامنے رکھ کر دیکھو تو

تمہیں تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔“

”اگر وہی ہے تو پھر اسے رسم کی بھتیجی ہی بھجننا چاہئے۔“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”اب میں با دشوق طور پر کہہ سکتا ہوں کہ گیل ہی کے لئے پچھنہ تیار کرنا پڑے گا۔ اس نے اپنا برفنس چکانے کے لئے یہ حرکت کی ہے۔ اب ایسے حالات پیدا کئے جائیں گے کہ عدالت اُسے شبے کا فائدہ دیتے ہوئے بڑی کر دے۔“

”حالات کے ساتھ ہی ریمانڈ کی توسعی بھی ہوتی رہے گی خواہ ایک سال گزر جائے گیل
کو حوالات میں سزا دیا جائے گا۔“

”میری دانست میں یہ کوئی بہت بڑا گروہ ہے اور شامد یہ کیس بھی اپنی نوعیت کا ایک ہی
ہے۔ پہلے کبھی ہمارا سابقہ کسی ایسے مجرم سے نہیں پڑا تھا جس نے اپنے برفنس کو پہنچی پولیس کے ذریعہ کرائی ہو۔“

فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”تمہارا ذیال صحیح ہے۔ ذرا یہ خط
دیکھو جوڑ میکن کوملا ہے۔“

خط انگریزی ٹائپ میں تھا۔

”ڈیکن! تم جانتے ہی ہو گے کہ پولیس ہنزی کیل کے خلاف تفتیش کر رہی تھی۔ لیکن کوئی ایسا واحد شوت فراہم نہ کر سکی جس کی بناء پر اس کے ہاتھوں میں ہٹکڑیاں لگا سکتی۔ اب تمہیں اس کی اطلاع مل چکی ہو گی کہ وہ گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس کی کہانی بھی تمہاری نظر وہ سے گزرنی ہو گی، جو حرف بحر صحیح ہے۔ مجھ سے سرکشی کا انجام ہی ہوتا ہے۔ گیل نے محض اس بناء پر میرا حکم مانتے سے انکار کر دیا تھا کہ پولیس بھی اس کے خلاف کوئی شوت فراہم نہ کر سکی تھی۔ مگر اب بتاؤ کروہ کہاں ہے..... مجھے اس پر ذرہ برا بر بھی اعتراض نہیں ہے کہ تم نے کرتل فریدی کو

حالات سے آگاہ کر دیا ہے۔ میرا خرچ مجھ تک پہنچنا چاہئے جس دن یہ بند ہوا وہی تمہاری میں سات منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی اور اتفاق سے انہیں کسی کراں سگ آزادی کا آخری دن ہو گا۔ یہ خط بھی کرتل فریدی کو ضرور دکھاتا۔

پرانا بھی نہیں پڑا تھا۔ ڈیکن کے آفس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ ہیند ویٹر نے بتایا کہ وہ اندر چھیدنے خل پڑھ کر طولی سانس لی اور فریدی کی طرف دیکھتا ہوا بولنا۔ ”تو کھلا، واقعیت ہے۔“ ہی ہو سکتا ہے، لیکن حید کو وہاں ایسے آثار نہیں نظر آئے جنہیں وہ سرائیکی کا تیج بھی سکتا۔

”مخترا پن۔“ فریدی نے اپراؤنی سے کہا۔ ”اس ترقی کے دور میں کم از کم اتنا تو ہوا اے۔“ فریدی نے بڑھ کر دروازے پر دستک دی اور اندر سے ایسی آواز آئی جیسے کوئی کراہا ہو۔ چاہئے کہ مجرم قانون کو چلتی کرنے پھریں۔ آدمی نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کی ہے پورا۔ ”ڈیکن.....!“ اس نے آواز دی۔

لیکن اندر سے صرف کراہیں سنائی دیتی رہیں۔ پھر وہاں بھیڑ اکٹھی ہونے لگی اور فریدی اس میں کیوں محروم رہتا۔

”کیا آپ بھی اسے چلتی ہی سمجھتے ہیں۔“

”نہیں..... آج کا مجرم اتنا حق نہیں ہو سکتا۔ اس کا مقصد پولیس کو مرجوب کرنا نہیں ہے۔“ سامنے ہی ڈیکن دونوں ہاتھوں سے سینہ دبائے بیٹھا کر اہ رہا تھا۔ سریز پر جھک آیا بلکہ یہاں بھی بنسنے کے داؤ چیق کا فرمایا ہے۔ جملوں کی تخلیل پر تور کرو۔ اسے اس کی پروا تھا۔ فریدی نے اسے سیدھا کیا۔ کراہیں جاری ہی رہیں۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، لیکن نہیں ہے کہ فریدی کو راز دار بنا لیا گیا ہے۔ اسے تو وہ رقم ہر حال میں مٹنی چاہئے جو وہ اس سے ان میں دریافتی تھی۔ اسی معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے کچھ دکھائی ہی نہ دیتا ہو۔ ہونٹ مل رہے تھے، وصول کرتا رہتا ہے۔ یعنی اس کی نظر وہ میں صرف بنسنے کی اہمیت ہے۔ جسے پولیس بھی ان مگر کراہیوں کے علاوہ اور پکھنہ سنا جاسکا۔

روک سکے گی۔ مقصد ہے ڈیکن کو مرجوب کرنا اور ہر حال میں رقم وصول کرتے رہنا۔“

”اگر وہ لڑکی ہاتھ آجائے تو.....!“

”تم پھر ہاتھ سے جاتے رہو گے۔“ فریدی مسکرا یا۔

”آپ نے اب تک کیا..... کیا اس سلسلے میں۔“ حید چڑھا گیا تھا۔

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔

”بیلووو.....!“ اس نے رسیور اٹھا کر کان کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔ ”لیں..... اک حید نے انہیں اس سے باز رکھا۔ وہ دروازے ہی پر رک گیا تھا۔“

از فریدی..... کیا کون ڈیکن..... اوہ..... اچھا..... میں آ رہا ہوں۔“

اس نے بڑی تیزی سے رسیور رکھا اور تیزید سے بولا۔ ”گاڑی نکالو۔ جلدی کرو۔“

”آج اتوار ہے۔“

”بکومت..... ڈیکن خطرے میں ہے۔“

جیسے قل عی کر دینے کا رادہ رکھتا ہو اور اب وہ خاموش بھی ہو گیا تھا۔

”پھر اس کا داہنا ہاتھ میز کی..... ریاٹوں کے پھانک سے گزر رہی تھی۔“

تمن منٹ کے اندر ہی اندر اگنی گاڑی کی پاؤ غڈ کے پھانک سے گزر رہی تھی۔ ریاٹوں کے پھانک سے گزر رہی تھی۔

”پھر اس کا داہنا ہاتھ میز کی، از میں ریگ کیا۔“

”تم کرنل فریدی ہی ہوتا۔“ وہ کسی درندے کی طرح غریباً تھا اور دوسرے ہی لمحے ہی دیر کامہمان ہے۔ کئی آدمیوں نے تمہیں اس کو پہنچتے دیکھا ہوگا۔ کیا سمجھے۔“

”اوہ.....!“ فریدی نے جلدی سے سلسلہ منقطع کر کے پولیس ہستال کے نمبر ڈائیل کئے۔

”ہیلو.....ڈیوٹی پر کون ہے۔ ڈاکٹر رحمٰن..... براہ کرم فور اریال ٹاؤن میں فریدی بول رہا ہوں۔“

”پہلے کون تھا۔“ حمید نے اس سے پوچھا۔

”نی المآل خاموش رہو۔“ فریدی نے کہا اور ڈیکن کی طرف دیکھنے لگا جس کی چینوں میں

ڈیکن منہ کے بل فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ فریدی اس کی پشت پر پیرو کھے داہنہ پر تھا مرد، اب پہلی کرخگی نہیں رہی تھی۔ آواز آہستہ آہستہ مضمحل ہوتی چارہ تھی۔

”بلااا خرجنگر چھوٹ پڑا۔“ ڈیکن کسی بھینی سے کی طرح ڈکر اتارہا۔ فریدی اسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا تھا اور اب بکر کی پشت پر کچھ دیکھنے لگا اور پھر باسیں شانے میں چھپی ہوئی ایک لمبی سی سوئی کھنچتا ہوا سیدھا کر خجیر انہار پا تھا۔

”ڈیکن کے سامنے رکے ہوئے لوگ دم بخود تھے۔ ڈیکن اسی طرح چھنٹا رہا۔ اس—“

ڈیکن کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس اسی طرح فرش پر ہاتھ پر مارتا رہا تھا جیسے پانی پر تیر رہا ہو۔

”اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔ ”پولیس ہستال فور بھی قرب آ گیا۔

پھر اس کی نظر اس چھوٹے سے دروازے پر رکی جو ڈیکن کی کرسی کے چیچے تھا۔ دیوار کا

کرو۔ جو ڈاکٹر بھی ڈیوٹی پر ہو، پندرہ منٹ کے اندر اندر بیہاں ٹھنچ جائے۔“

فاسلہ کری سے زیادہ نہیں تھا۔ کوئی بھی دروازنے سے ہاتھ بڑھا کر ڈیکن کا شانہ چھوٹکتا تھا۔ وہ

پھر اس نے باہر والوں سے کہا۔ ”براہ کرم تشریف لے جائے۔ اچاک ڈیکن کا ڈاکٹر تو ازان گزگز گیا ہے۔ کسی کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا جائے گا..... ہیڈ ویٹر..... پردہ کھنچ“۔

”کیا یہ یونہی پڑا رہے گا۔“ حمید نے پوچھا۔

”ڈاکٹر کے آنے تک تو میں یہی مناسب سمجھوں گا۔“ فریدی نے کہا اور دروازے کی طرف متوجہ ہو جانا پڑا۔ فریدی نے اسے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے وہ سوئی دکھائی جو

”ہیلو.....!“ دوسری طرف سے بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔ ”غایا کرنل فریدی۔“ ڈیکن کے شانے سے ٹھنچ تھی۔

”خیال غلط نہیں ہے۔“

”تمہارے لئے بھی تھوڑی سی دردسری مہیا کر دی..... نہ کہنا! آخ بیچارے کو اس طرز کسی ایسے زہر کا شکار ہوا ہے جو براہ راست ذہن پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس سے موت واقع ہونے کا خدش نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ زہر اس سوئی ہی کے ذریعہ جسم میں داخل کیا گیا ہو۔

”ڈاکٹر ایوب یونیورسٹی میں آیا تھا اس لئے ڈیکن کو وہاں سے لے جانے میں بھی کوئی کیا بکواس ہے۔“

”ڈیکن کی چینیں فون پر بھی سن رہا ہوں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ ”بس وہ ذرا۔“

دوسری پیش نہیں آئی۔

کمرہ خالی ہونے پر فریدی پھر عقبی دروازے کی طرف متوجہ ہوا تھا کہ ایک عورت تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر اخطراب کی لہریں تھیں۔

”زہر.....!“ تھیلما کی آنکھیں برت سے چھل گئیں اور فریدی نے اسے بتایا کہ وہاں پہنچنے پر انہوں نے اسے کس حال میں بیا تھا..... اور وہ کس انداز میں ان پر حملہ آور ہوا تھا۔ پھر وہ بولا۔ ہاں میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ڈیکن اپنے معاملات خود ہی طے کر لینے کی صلاحیت رکھتا ہے..... لیکن یہ معاملہ۔“

تھیلما نے اس سے جملہ پورا کرنے کی درخواست نہیں کی۔ ایسا معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس نے کچھ سننا ہو۔ وہ تو کمرے کے چھوٹے سے عقبی دروازے کو گھوڑے جاری تھی، پھر یک بیک چونک پڑی اب اس کے چہرے پر سراسیگی کے آثار تھے۔

”چلنے..... خدا کے لئے چلنے۔“ وہ ہندیانی انداز میں بولی۔ ”میرے گھر چلنے۔“

فریدی نے پھر اسے ٹوٹنے والی نظر وہی دیکھا اور حمید کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش ہی رہے۔ تھیلما کہتی رہی۔ ”وہ حقیقتا خطرے میں تھا۔ اس نے کبھی کسی سے کچھ نہیں کہا۔ چلنے میں آپ کو بہت کچھ بتا دیں گی۔“

”آپ میرے ساتھی کو لے جائیں ہیں۔“

”اور آپ.....!“ عورت نے بیساختہ پوچھا۔

”میری دانست میں تو آپ تینیں سب کچھ بتائیں گی۔ بیٹھ جائیے۔“ فریدی نے کری کی طرف اشارہ کیا۔

”مم..... میں..... لعنی کر۔“

”ٹھیک ہے آپ یہ معلوم کئے بغیر کہ ڈیکن زندہ ہے یا مر گیا۔۔۔ اس کے متعلق کچھ بتائیں گی۔“

”کیا مطلب.....!“ وہ اچھل پڑی۔

”ہوتا ہے تھا کہ آپ پہلے ڈیکن کی خبر لیتیں۔ اس کی حالت قابل اعتماد نہیں تھی۔“

”کیسے حالات میں۔“

”اس پر کسی قسم کا زہر آزمایا گیا ہے جس کے زیر اثر اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔“

”زہر.....!“ تھیلما کی آنکھیں برت سے چھل گئیں اور فریدی نے اسے بتایا کہ وہاں

پہنچنے پر انہوں نے اسے کس حال میں بیا تھا..... اور وہ کس انداز میں ان پر حملہ آور ہوا تھا۔ پھر

وہ بولا۔ ہاں میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ڈیکن اپنے معاملات خود ہی طے کر لینے کی صلاحیت

رکھتا ہے..... لیکن یہ معاملہ۔“

تھیلما نے اس سے جملہ پورا کرنے کی درخواست نہیں کی۔ ایسا معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ

اس نے کچھ سننا ہو۔ وہ تو کمرے کے چھوٹے سے عقبی دروازے کو گھوڑے جاری تھی، پھر یک

بیک چونک پڑی اب اس کے چہرے پر سراسیگی کے آثار تھے۔

”چلنے..... خدا کے لئے چلنے۔“ وہ ہندیانی انداز میں بولی۔ ”میرے گھر چلنے۔“

فریدی نے پھر اسے ٹوٹنے والی نظر وہی دیکھا اور حمید کو اشارہ کیا کہ وہ خاموش ہی

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ مجھ سے جھوٹ کیوں بولیں گے.....!“ تھیلما نے فریدی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ نہ جانے کیوں وہ اس سے نظریں چارہ تھی۔

”ڈیکن کو آپ کب سے جانتی ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اوہ..... یہ شائد مزدیکن ہیں۔“ حمید بول پڑا۔

”جی ہاں..... مگر آپ مجھے اس کے متعلق بتاتے کیوں نہیں۔“

”کچھ دری پہلے اس نے مجھے فون کیا تھا کہ وہ خود کو خطرے میں محسوس کر رہا ہے۔“

”کچھ دری پہلے اس نے مجھے فون کیا تھا کہ وہ خود کو خطرے میں محسوس کر رہا ہے۔“

”اب میں آپ سے یہی سوال کروں گی کہ آپ ڈیکن کو کب سے جانتے ہیں۔“

”نہیں.....“

جو کچھ بھی پیش آیا تھا اس کی روشنی میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا کہ اب وہ پولیس کو بھی

”اوہ.....تب تو مجھے جانا چاہئے۔“ وہ بوکھلا کر دروازے کی طرف بڑھی۔

”خہبر یے۔“ فریدی جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ ایک صفحے پر اس نے جلدی مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ ورنہ پھر اس طرح فریدی پر حملہ کرانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ پہلے اس

نے کسی طرح یہ بات ڈیکن پر بتا دی ہوگی کہ وہ کسی فوری خطرے سے دوچار ہونے والا ہے۔

جلدی لکھا۔

”ڈاکٹر..... یہ میر ڈیکن ہیں انہیں اس کے پاس جانے دو۔ فریدی۔“ پھر صفحہ چھاڑ کر ڈیکن نے بوکھلا کر فریدی کو فون کیا۔ پھر اس اطلاع اور ان کے وہاں پہنچنے کے وققہ میں کسی

طرح وہ زہریلی سوئی اس کے شانے میں اتار دی گئی۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ یقین

اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا ”پولیس ہا سپل۔“

تحمیلہ کا ہاتھ کاپ رہا تھا۔ اس نے کافذ لیا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ فریدی کے طور پر اس کے لئے عقیقی ہی دروازہ استعمال کیا گیا ہو گا۔

پھر یک بیک وہ چونک پڑا۔ عقیقی دروازے کے خیال کے ساتھ ہی اسے وہ پھوٹش بھی

یاد آگئی جب اس نے تحمیلہ کو عقیقی دروازے کی طرف گھورتے دیکھا تھا۔ پھر وہ چونکی تھی اور

زوس نظر آنے لگی تھی۔ اس کے بعد ہی درخواست کی تھی کہ وہ اس کے ساتھ گھر چلیں، جہاں وہ

انہیں کچھ بتائے گی۔ لیکن فریدی نے نال دیا تھا..... اوہ..... تو کیا وہ اس عقیقی دروازے سے ان

کی توجہ ہٹانا چاہتی تھی..... نہیں چاہتی تھی کہ اسے کھولا جائے۔ فریدی نے جس انداز میں اسے

ٹالا تھا اس سے تو یہی متریٹ ہوتا تھا کہ وہ خود وہاں سے نہیں ہٹانا چاہتا..... تو یہ عورت کچھ بتانے

کہا۔

فریدی پھر دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ دوسری طرف سے بند تھا۔ دفتار اس نے مڑ کر حمید سے کہا۔ ”جلدی کرو، تمہیں پر آمدگی ظاہر کر کے دراصل کچھ چھپانا چاہتی تھی۔

تحمیلہ کی گاڑی ایک کراس گ پر رکی..... اس کے پیچے دو گاڑیاں اور بھی تھیں، پھر انکن

اس عورت کا تعاقب کرنا ہے۔ گاڑی لے جاؤ۔ مگر نہیں کوئی ٹیکسی مل جائے تو بہتر ہے..... ہو کلا

تھی..... حمید نے احتیاطاً اپنی گاڑی دو گاڑیوں کے پیچے رکھی تھی۔ اس تعاقب کی وجہ یہی ہو سکتی

ہے گاڑی پر اس کی نظر پڑی ہو۔“

حمد نے وجہ نہیں پوچھی۔ وہ باہر آیا۔ تحمیلہ ایک چھوٹی سی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی۔ وہ البا

عنہ نہ کرے۔ شبے بار آور ہو رہا تھا۔ اس نے ابھی ابھی پولیس ہپتال کی قریب ترین راہ نظر انداز

گاڑی کی اوٹ میں ہو گیا۔

حمد اب قاسم کے متعلق سوچنے لگا تھا۔ پھر ذہنی رو اس بیلک میلر کے طریق کا رکی طرف

منتقل ہو گئی۔ آخر وہ رقم وصول کرنے کے لئے خصوصیت سے اپنے تھیلے کیوں بھیجا تھا۔ وہ

تھیلے کس قسم کے ہوتے ہوں گے۔ فی الحال ایک تحمیلہ قاسم کے پاس تھا۔ اگر فریدی چاہتا تو

قاسم سے تحمیلہ حاصل کر کے بیلک میلر کے لئے کسی قسم کا جال بچا سکتا تھا۔ لیکن اس نے اسے

کو مرعوب کرنا ہے۔ شکاروں کو مرعوب کرنے کے لئے تو گیل ہی والا واقعہ کافی تھا۔ اس د

”اوہ..... تب تو مجھے جانا چاہئے۔“ وہ بوکھلا کر دروازے کی طرف بڑھی۔

”خہبر یے۔“ فریدی جیب سے نوٹ بک نکالتا ہوا بولا۔ ایک صفحے پر اس نے جلدی مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ پہلے اس

نے کسی طرح یہ بات ڈیکن پر بتا دی ہو گئی کہ وہ کسی فوری خطرے سے دوچار ہونے والا ہے۔

جلدی لکھا۔

”ڈاکٹر..... یہ میر ڈیکن ہیں انہیں اس کے پاس جانے دو۔ فریدی۔“ پھر صفحہ چھاڑ کر ڈیکن نے بوکھلا کر فریدی کو فون کیا۔ پھر اس اطلاع اور ان کے وہاں پہنچنے کے وققہ میں کسی

طرح وہ زہریلی سوئی اس کے شانے میں اتار دی گئی۔ کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ یقین

اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا ”پولیس ہا سپل۔“

تحمیلہ کا ہاتھ کاپ رہا تھا۔ اس نے کافذ لیا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ فریدی کے ہوتوں پر ہمارت آمیز مسکراہٹ نظر آئی۔

”آپ نے اسے خہبر نے کیوں نہیں دیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”میرا فرض تھا اسے یاد دلانا کہ وہ اپنے شوہر سے بہت محبت کرتی ہے۔“

”اب مشکل ہی ہے کہ آپ سمجھ میں آنے والی باتیں کر سکیں۔“ حمید نے مڈ اسامنہ بنا کر

کہا۔

فریدی پھر دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازہ دوسری طرف سے بند تھا۔ دفتار اس نے مڑ کر حمید سے کہا۔ ”جلدی کرو، تمہیں

اس پاس کوئی ٹیکسی نہیں نظر آ رہی تھی۔ تحمیلہ کی کار حركت میں آگئی اور حمید کو لکن اُ

میں اس کا تعاقب کرنا پڑا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ بیلک میلر کیا چاہتا ہے۔ اگر یہ اسی کی حركت تھی تو معاملہ لا

آگے بڑھ چکا تھا اور کسی طرح نہیں کہا جاسکتا تھا کہ ان حرتوں کو مقصد صرف اپنے شکاروں

کو مرعوب کرنا ہے۔ شکاروں کو مرعوب کرنے کے لئے تو گیل ہی والا واقعہ کافی تھا۔ اس د

جنہیں ناک پر چڑھا کر حلے میں کسی حد تک تبدیلی کی جاسکے۔ ایسی ناکوں کے ساتھ گھنی مونچیں بھی ہوتی تھیں، جن سے کم از کم اوپری ہونٹ تو ڈھک عی جاتا تھا۔

گمراہ اپنے سائز کی کوئی ناک نہ لے سکی۔ پھر مجرور اوری کرنا پڑا جس کے خیال ہی سے دشت ہوتی تھی۔ یعنی مصنوعی دانتوں کے خول استعمال کرنے پڑے۔

اس نے عقب نما آئینے کی پوزیشن بدلت کر اپنی شکل دیکھی۔ دو بڑے بڑے دانت نچلے ہونٹ پر سائبان کی طرح چھائے ہوئے تھے۔ شکل میں جیرت انگیز طور پر تبدیلی ہوتی تھی۔ باہم ہاتھ سے کوٹ بھی اتارا۔ نالی کھنچ کر نیچے ڈال دی..... اور سوچنے لگا کہ اگر وہ ان دانتوں سمیت کسی کے خیالوں میں بس رہے تو خیالات کا کیا حشر ہو۔

تحیلما کی گاڑی کی رفتار اس سڑک پر خاصی تیز ہو گئی تھی۔ حمید نے اپنی گاڑی مناسب فاصلے پر رکھی۔

کچھ دیر بعد اس نے خود کو اس علاقے میں پایا جہاں غیر سرکاری سائنسی تجربہ گاہیں تھیں۔ ایک کی کپاؤٹ میں تحیلما کی گاڑی داخل ہو رہی تھی۔ حمید اپنی گاڑی آگے نکالتے لئے چلا گیا۔ گر اب اسے رکنا چاہئے تھا۔ اس نے اپنی گاڑی قریب عی کی دوسری تجربہ گاہ کے سامنے چھوڑ دی اور اس تجربہ گاہ کی طرف پیدل ہی چل پڑا جہاں تحیلما گئی تھی۔

عمارت زیادہ بڑی نہیں تھی۔ سامنے کا کچھ حصہ صاف کر کے وہاں چھوٹا سا پائیں باغ ترتیب دیا گیا تھا ورنہ چاروں طرف مختلف قسم کی جہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور کپاؤٹ کی حد بندی بھی سیکی جہاڑیاں کرتی تھیں۔ چہار دیواری نہیں تھی۔

اس نے کچھ دیر کر اندازہ لیا کہ کس طرف کی جہاڑیوں میں گھس کر بآسانی عمارت تک پہنچ سکے گا۔ وہ پھر چل پڑا۔ آس پاس ناٹا تھا اس لئے اس نے زیادہ احتیاط کی بھی ضرورت نہ محسوس کی۔ عمارت کی پشت پر ساری کھڑکیاں بند نظر آئیں۔ لیکن ان میں شیشے جلنے ہوئے تھے اس لئے اندر کا جائزہ بخوبی لیا جا سکتا تھا۔

اس طرف جہاڑیاں اتنی بلند تھیں کہ دوسری جانب سے دیکھ لئے جانے کا بھی اندیشہ نہیں

رواروی میں ٹال دیا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا اس لئے کہ ڈیکن یہ معلوم کرنے میں ناکام رہا تھا کہ جھریائی کی بھوری چنان سے تھیلاں کے اٹھایا تھا۔ ڈیکن..... ڈیکن.....!

حمد مظفر بانہ انداز میں سیٹ پر کمسا یا۔ آٹو گنل کی روشنی تبدیل ہوئی اور تحیلما کو گاڑی آگے بڑھ گئی۔ تعاقب جاری رہا۔ ڈیکن..... ڈیکن..... ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس نے ایک کہانی سنائی تھی جس کی تصدیق قاسم کی کہانی سے بھی ہو گئی تھی۔ لیکن کیا خود ڈیکن ہی کہانی کی پشت پر نہیں ہو سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ فریدی اتفاقاً اسی بلیک میلر سے جاٹکر لایا ہوا اور بلیک میلر نے پہلے تو اسے اپنے طریقہ کار سے آگاہ کیا اور پھر کہانی میں مزید زور پیدا کرنے کے لئے..... سوئی..... پاگل پن اور حملے کا ڈرامہ پیش کر دیا۔ اس طرح کسی ایسے خطرناک آدمی کا وجود بھی ثابت ہو گیا جو اسے بلیک میل کر رہا تھا اور دوسری طرف خود اس کی بھی پوری شفاف ہو گئی اور تیرسا مقصد بھی حل ہو گیا ہو..... یعنی پولیس کو مرجوب کرنا۔ گویا وہ جب بھا چاہے اپنے خلاف تنقیش کرنے والوں کا صفائیا کر سکتا ہے۔ اب اسی وقت اگر فریدی ہوشیار ہوتا تو شاید اسے بھی ہپتال ہی کارخ کرنا پڑتا۔ ڈیکن..... ڈیکن.....!

حمد نے پھر مظفر بانہ انداز میں پہلو بدلہ۔

تحیلما کی گاڑی جھریائی کی سڑک پر مژرہ ہی تھی۔ حمید نے سوچا کہ اب یہ تعاقب راز نہ ہے گا کیونکہ جھریائی کی سڑک پر زیادہ ٹریک نہیں ہوتا تھا۔ تحیلما نے ان کی گاڑی پر دھیان بنا ہو یا نہ دیا ہو لیکن انہیں تو بخوبی دیکھ چکی تھی..... پھر.....؟

ٹیکھا سوال تھا۔ کچھ بھی ہو..... اب تو تعاقب جاری رکھنا اشد ضروری تھا۔ آخر وہ ڈیکن کی خیریت معلوم کئے بغیر جھریائی کی طرف کیوں بھاگی جا رہی تھی۔

جھریائی..... جہاں بھوری چنان نام کی ایک جگہ تھی..... وہ جگہ جہاں بلیک میلر اپنے شکاروں سے رقمات وصول کرتا تھا۔

دفعتا اسے یاد آیا کہ فریدی اپنی گاڑیوں میں اکثر ریڑی میڈ قسم کے میک اپ بھی رکھتا ہے۔ مثلاً ایسے مصنوعی دانت، جو اصلی دانتوں پر چڑھائے جائیں یا پلاسٹک کے ایسے ذل

تحا.....یک بیک اس نے کسی عورت کی آواز سنی جو کہہ رہی تھی۔

”تم نے بہت بُرا کیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اس کی حالت بہتر نہیں ہے۔“

پھر کسی مرد کی آواز آئی۔ ”تمہیں وہم ہو گیا ہے ذیر۔ میں صرف محبت کرنا جانتا ہوں۔

رقبات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور پھر میں تو یہاں سے بلا بھی نہیں تھا۔“

”تمہارے کسی آدمی نے.....!“ اس بار حمید نے حمیما کی آواز پہچان لی۔

”مزید حماقت.....ایسے کام دوسروں کے ذریعے نہیں کرائے جاتے۔“

”آفیسر کہہ رہا تھا کہ اس پر کسی قسم کا زہر آزمایا گیا ہے جس کے اثر سے اس کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔“

”اور تم یہاں دوڑی آئیں۔“ مرد غص پڑا۔ ”یوں کہہ زہروں کے متعلق میری معلومات وسیع ہیں۔ جاؤ ڈارنگ اسے تمہاری ضرورت ہوگی۔ وقت بر بادنہ کرو۔ اگر رقبات ہی کا معاملہ ہوتا تو وہ کبھی کام رچا ہوتا۔“

”ابھی کچھ ہی دن ہوئے تم دونوں جھگڑ میٹھے تھے اور اس نے تمہیں دھمکیاں دی تھیں۔“

”میں نے تو نہیں دی تھیں۔ قریب آؤ۔ پریشانی کے عالم میں تم اور زیادہ حسین نظر آنے لگتی ہو۔ یہ سہی ہی آنکھیں کی کہ جہاںوں کی سیر کر رہی ہیں۔ حمیما کا شتم غیر فانی ہوتی۔“

چو ہے کاشکار

حید نے مصنوعی دانتوں کا خول سنبلائے ہوئے طویل سانس لی۔

وہ اس آدمی کی شکل دیکھنا چاہتا تھا لیکن اوپر اٹھ کر کھڑکی میں جھاکنے کی ہمت نہ کر کا۔ اس طرح دیکھ لئے جانے کا خدش تھا۔ رات ہوتی تو خیر کوئی بات نہ تھی۔

”اوہ..... تمہیں اس کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ میں کتنی پریشان ہوں۔“ کچھ درجہ حمیما

کی آواز آئی۔ مرد کا تھپہ بھرائی ہوئی کی آواز میں تھا۔ اس نے کہا۔ ”پھانی کے تختے پر بھی آدمی کو اپنے لئے کوئی کچھ وقت ضرور نکالنا چاہئے۔“

”تم پاگل ہو ڈاکٹر..... میں نے اکثر یہ بھی سوچا ہے۔“

”عام آدمیوں سے مختلف ہوں اس لئے تم مجھے پاگل بھی سمجھ سکتی ہو۔“

”ڈیکن کو ہمارے تعلقات پر شہر ہے۔“ حمیما کی آواز آئی۔ ”میرا خیال ہے تم سے وہ اسی باء پر جھگڑا کر بیٹھا تھا۔ اس لئے تمہاری بے عزتی کی تھی۔ میں کیسے مان لوں کہ تمہارے سینے میں انقام کی آگ نہ بھڑکی ہوگی۔“

”اگر اسے تم سے نفرت ہوتی تو میں یقیناً اسے مار ڈالا۔“ مرد بولا۔ ”لیکن یہ تو سوچو کہ وہ تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔ کیا اس کی جان بخشی کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ جو لوگ میری پسندیدہ چیزیں پسند کرتے ہیں مجھے ان سے خاص قسم کی انسیت ہو جاتی ہے..... خواہ وہ پسندیدہ چیز گورت ہی کیوں نہ ہو۔“

”تم بکار ہو رہے ہو۔“

”یقین کرو..... میں اس معاملے میں عام آدمیوں سے بہت مختلف ہوں۔ دل چاہے پاگل کہہ لو۔ لیکن جو کچھ کہہ رہا ہوں اسے جھوٹ سمجھ کر تم مجھ پر ٹلم کرو گی۔“

”پھر اس کے پاگل پن میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“

”کسی کا بھی نہیں..... اس کا سامراج رکھنے والے خود بخوبی پاگل ہو سکتے ہیں۔“

”آفیسر کہہ رہا تھا کہ ڈیکن نے اسے فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ خطرے میں ہے وہ ہاں پہنچا تو ڈیکن کی حالت غیر تھی۔ وہ کراہ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے خبر نکال کر آفیسر پر حملہ کر دیا..... وہ ہوش میں نہیں تھا..... اس نے اسے قابو میں کر کے ہسپتال بھجوادیا۔“

”تمہاری موجودگی میں ہسپتال بھجوادیا تھا۔“

”نہیں..... میں دری سے پچھا تھی۔“

”ہسپتال گئی تھیں۔“

”میں سیدھی ادھری آئی ہوں۔“

”تم نے بہت برا کیا کہ اس کی خبر لینے کی بجائے ادھر چلی آئیں..... واپس جاؤ۔..... جلدی کرو۔ اگر کسی نے تمہارا تعاقب کیا ہو گا تو جانتی ہو میں کتنی بھنوں میں پھنس جاؤں گا۔“

”اوہ..... مجھے اس کا خیال ہی نہیں آیا تھا..... اوہ..... اوہ..... یقیناً مجھے پہلے وہیں جاؤ چاہیے تھا..... مگر..... سنو! میرا خیال ہے کسی نے میرا تعاقب نہیں کیا۔“

”تم نے اس کی طرف دھیان ہی نہ دیا ہو گا۔ اتنی چالاک نہیں ہو۔ جاؤ جلدی کرو۔“

”ڈاڑھی اور باریک موچھوں میں خاصاً وجہہ معلوم ہوتا تھا۔ رنگ سرخ و سفید تھی۔ عمر چالیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔“

کچھ دیر بعد قدموں کی آواز سنائی دی۔ حمید جہاں تھا وہیں دکارہا۔ اب وہ اس آدمی کے متعلق معلومات فراہم کئے بغیر یہاں سے کیسے جاسکتا تھا۔

تحمیداً شائد ذہنی طور پر اتنی بھی ہوئی تھی کہ اس نے اپنے پیچھے آنے والی گاڑی کی طرف دھیان بھی نہیں دیا تھا۔

تحمودی دیر بعد اس نے گاڑی استارت ہونے کی آواز سنی اور آہستہ آہستہ ریگتا ہوا پیچھے معلوم ہوا تھا، لیکن وہ خود بھی کمزور تو نہیں تھا۔ جوابی دباؤ بھی اس فولادی پنج کے شایان باسیں جانب بڑھنے لگا۔

دانتوں کا خول نچلے ہوٹ پر بُری طرح چھوڑ رہا تھا۔ اس لئے اب اس نے اسے نکال کر

جیب میں ڈال لیا۔ ویسے بھی اب اس کا کام تو ختم ہی ہو چکا تھا۔ وہ محض اس لئے استعمال کیا گیا تھا کہ کہیں مسڑکین اسے پیچاں کرو ہاں کا قصد ہی ترک نہ کر دے جہاں اسے جانا تھا۔

اب وہ سوچ رہا تھا کہ کم از کم اس آدمی کو تو دیکھنا ہی چاہیے جس سے وہ ابھی ٹھنگو کر رہی تھی۔

یک بیک اس نے کسی عورت کے چینخے کی آوازیں سنیں اور تیزی سے آواز ہی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

پامیں باغ میں ایک لڑکی بے تمباش دوڑتی پھر رہی تھی اور ایک بڑا ساچو ہا اس کے پیچے

تھا۔ حمید کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے کسی چوہے کو کتے کی طرح آدمی پر چھٹتے دکھا ہو۔ لڑکی چھٹتی ہوئی ادھر ادھر کو دتی پھر رہی تھی۔

پھر حمید یہ بھول گیا کہ وہ کون ہے اور یہاں آنے کا مقصد کیا تھا۔ اگر لڑکی سے مخفی

پن سرزد ہو رہا تھا تب بھی وہ بہر حال ایک لڑکی ہی کا معاملہ تھا۔

حید نے روپا اور نکال کر چوہے کا نشانہ لیا..... فائر ہوا اور چوہا اچھل کر دور جا پڑا۔

”خوب..... خوب..... بہت اچھے۔“ برآمدے کی طرف سے آواز آئی۔

حید اس جانب مڑا۔ لڑکی کچھ بڑا تھا، ہوئی عمارت میں داخل ہو رہی تھی۔

حید کے اس کارناٹے کی داد دینے والا ایک طویل قامت آدمی تھا۔ سیاہ فرشٹ کث

”تم نے اس کی طرف دھیان ہی نہ دیا ہو گا۔ اتنی چالاک نہیں ہو۔ جاؤ جلدی کرو۔“

”ایسے بہادروں سے مل کر واقعی بڑی خوشی ہوتی ہے۔“ وہ مصلحتے کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہوئے حید کی طرف بڑھا۔

”ظاہر ہے ایسے چوہوں سے مل کر میرا کیا حال ہوتا ہو گا۔“ حید نے بھی اس کی طرف

تحمودی دیر بعد اس نے گاڑی استارت ہونے کی آواز سنی اور آہستہ آہستہ ریگتا ہوا پیچھے معلوم ہوا تھا، لیکن وہ خود بھی کمزور تو نہیں تھا۔ جوابی دباؤ بھی اس فولادی پنج کے شایان شان ہی تھا۔

”قاضی کے گھر چھنولوں کے متعلق آپ نے سنائی ہو گا۔“ حید نے اس کے لمحے میں زہریلا پن محسوس کیا۔

”جی ہاں! یہ چوہا بھی یہی کہتا معلوم ہو رہا تھا..... کہ..... رنگ لائے گی ہماری فاقہ مسٹی ایک دن۔“ حید نے جواب دیا۔

”آس پاس والے بخوبی جانتے ہیں کہ میں اپنی حدود میں بغیر اجازت داخل ہونے والے اجنبیوں سے کیسا برداشت کرتا ہوں۔ آپ کو یہاں فائز کرنے کی حراثت کیسے ہوئی۔“

”ابھی تو آپ میرے اس دلیر ان اقدام کی تعریف کر رہے تھے۔“

”اوہ..... ٹھیک ہے..... میں بھول گیا تھا۔ اب وہ آپ پر عاشق ہو جائے گی۔ یہ لڑکاں اسی تک میں رہتی ہیں کہ کب کوئی ان کیلئے کسی قسم کا دلیر انہ کا رہنمہ انجام دے اور وہ کھٹاک پھر حمید یہ بھول گیا کہ وہ کون ہے اور یہاں آنے کا مقصد کیا تھا۔ اگر لڑکی سے مخفی

سے عاشق ہو جائیں.....!“ اس نے مسکرا کر کہا۔ لیکن لمحے میں زہریلا پن بستور موجود تھا۔ ڈاکٹر طاہر نے غلط بیان سے کام نہیں لیا۔ حمیدا کی آمد کا اصل مقصد بتاتے ہوئے اس نے کہا۔ ”جب تو قاضی کے یہاں کی بیلیاں بھی کم از کم وکتوریہ کر اس تو حاصل ہی کر جگی ہوں گی۔“ اس عورت نے میری اور اپنی پوزیشن خراب کر لی ہے۔ اندر چلنے میں آپ کو اسی لڑکی کے ”بکاؤ بند کرو۔“ اس نے یک بیک غصیلے لمحے میں کہا۔ ”تم نے ایک ایسے چوہے ہاتھوں کی چائے پلواؤں گا جو اس عرصہ میں آپ پر اچھی طرح عاشق ہو جکی ہو گی۔“

”آپ ایک ذمہ دار آفیسر کو اپنا بیان دے رہے ہیں۔“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

”چھوڑو یا ر..... آفیسر کسی دوسرا میشین میں ڈھلن کرنہیں آتے ہیں۔ نپولین تم سے بھی

زیادہ خونخوار آدی تھا۔“

حمید نے پلکیں جھپکائیں۔ اپنے ناٹپ کا پہلا ہی آدمی اس وقت اس کے ہاتھ لگا تھا۔

”تحمیدا ڈیکن کو تم کب سے جانتے ہو۔“ اور قبل اس کے کوہ کوئی جواب دیتا بنا کا ہو سکتا تھا یہ وہی ہو جس کی انہیں تلاش تھی۔ لیکن تھا دچپ۔ اس نے سوچا چلو یہ بھی کہی۔ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

کارڈ پر نظر پڑتے ہی اس نے ایک طویل سانس لی اور پھر اس کے چہرے سے غصہ۔ اس نے اس کے ساتھ اندر جانے میں پچھا بہت نہ ظاہر کی۔

وہ اسے ایک کمرے میں لے آیا۔ یہاں معمولی سافرنیچہ تھا۔ ڈاکٹر نے کری کی طرف

اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھنے ہوئے گھنٹی کے بین پر انگلی رکھ دی جو میرے ایک پائے میں نصب

تھا۔ عمارت کے کسی دور افتادہ حصے میں گھنٹی کی آواز گونجی۔ حمید کا دامنا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا

اور یہ الور کے دستے پر گرفت اتنی ہی مضمبوط تھی کہ ضرورت پڑنے پر پلک جھکتے نکالا جاسکے۔

”سوال ایسا ہے جس کا جواب شائد آپ اپنی رپورٹ میں تحریر کرنا پسند نہ کریں۔“

”وہ ابھی یہاں کیوں آئی تھی۔“

”فی الحال میں آپ کا یہی جواب درج کروں گا۔“ حمید جیب سے نوٹ بک نکالتا۔

کچھ دیر بعد وہی لڑکی باسیں جانب والے دروازے میں دکھائی دی۔ ڈاکٹر نے ہاتھ اٹھا

کر کے کچھ اشارہ کیا اور وہ اٹھے پیروں واپس گئی۔

”ہاں تو میں کہہ رہا تھا.....!“ وہ حمید کی طرف مڑا۔ ”میں اور ڈیکن گھرے دوست تھے،

تھمیلا مجھے بھی پسند ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارے درمیان جھگڑے کا باعث وہی بنی ہو۔ اگر ڈیکن

اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا نہ ہونے دیے۔ نوٹ بک کے صفحے پر اس کی پنسل ہے۔ میرا ڈین ہو گیا ہے تو تحمیدا نے فرض کر لیا کہ میں بھی اس کے خون کا پیاسا ہوں۔“

”قدرتی بات ہے۔“

”قدرتی بات.....!“ ڈاکٹر نے طویل سانس لی۔ ”جو بات آج قدرتی ہے کل نہ رہے

اسی طرح وہ اندازہ لگا سکتا کہ ان معاملات میں اس شخص کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔“

گی۔ کل چہا آدمی کی آہٹ پر بھاگتا تھا آج تم نے اسے آدمی پر جھپٹتے دیکھا ہے۔ آج ایسے

”طاہر سعید..... ڈاکٹر طاہر سعید..... ماہر حشرات الارض۔“

یہ نام حمید پہلے بھی سن چکا تھا۔ ڈاکٹر طاہر سعید مشہور شخصیتوں میں سے تھا، لیکن حمید

اپنے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا نہ ہونے دیے۔ نوٹ بک کے صفحے پر اس کی پنسل ہے۔ میرا ڈین ہو گیا ہے تو تحمیدا نے فرض کر لیا کہ میں بھی اس کے خون کا پیاسا ہوں۔“

”رعنی۔ ولدیت اور پوتہ نوٹ کرنے کے بعد اس نے دوسرے سوالات شروع کر دیئے لیکن پہنچنے

ٹاہر ہونے دیا کہ وہ کچھ دیر پہلے ان دونوں کی گفتگوں کا دکا تھا۔

ایسی طرح وہ اندازہ لگا سکتا کہ ان معاملات میں اس شخص کی کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔“

معاملات میں رقبہت قدرتی بات ہے لیکن کل نہ ہوگی۔“

”لیکن یہ چوہا میری بھجھ میں نہیں آ سکا۔“

”ہوس اور کم گو ہوتے ہیں۔ وہ ایسی چیکتی ہوئی شوخ آواز میں گفتگو نہیں کر سکتے۔ آ خراس نے کہا۔“ کیا میں چوہوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے آیا ہوں۔“

”میں یہاں ایسے تجربات کر رہا ہوں جن کے تحت آدمی کو حشرات الارض کی بتاہ کارہ۔“ مطلب یہ ہے کہ ڈیکین چیزے لوگ میری نظروں میں چوہوں سے زیادہ انتہیت نہیں سے نجات دلائی جاسکے۔ لیکن جانتے ہو کیا ہو رہا ہے۔ مثال کے طور پر چوہوں کو لے لو۔ پر رکھ۔ اس نے مجھے چھانے کے لئے ایک گھٹیا پلاٹ بنایا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا پردادا کسی سال ہمیں ہزاروں ٹن انداج سے محروم کر دیتے ہیں۔ لہذا ضرورت ہے کہ نہ صرف انہیں فنا کا قانونی مکانیجے میں جکڑا جاسکا ہو۔ لیکن اسے گرفت میں لینا مشکل ہو گا کیونکہ اسے قانون کی حدود جانے بلکہ ان کی پیدائش ہی روکنے کی کوشش کی جائے۔“

”بڑائیک کام ہے۔“ حمید سر ہلاکر بولا۔

”لیکن میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ ناممکن ہے۔ جو تم اپنے اختیار کرتا ہوں وہ موجودہ نسل۔“ کیا مطلب....!“

کسی حد تک کر کر دیتی ہیں لیکن اس کی دوسری پشت انہیں تم اپنے اختیار کا جنم کر مقابلہ کرتی ہے۔ ”اس کے پردادا کے وقت سے اب تک تعزیری قوانین میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی لیکن یہ دراصل ان کے خلاف ویسی ہی قوت دافعہ لے کر پیدا ہوتی ہے پھر ان کے خلاف دوسری تمباکے پردادا سے کہیں زیادہ ذہین ہیں۔ ایسا ہی چوہا ہے جو آدمی پر بھی جھپٹ سکے، جو چوہا تم اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن تیسرا پشت انہیں بھی بے کار کر دیتی ہے۔ جس نسل پر میں نے پرانے بھی دیکھا تھا اسے ختم کرنے کے لئے میں وہی تم اپنے اختیار کر رہا ہوں جو اس سے پہلے کی تجربہ کیا تھا اس کی آٹھویں پشت کا کارنامہ تم ابھی دیکھو چکے ہو۔ یہ اتنی شیر ہے کہ آدمی ہی سات پتوں کے لئے کرتا رہا تھا۔ شروع کی دو پیشیں کسی قدر کمزور ہو گئی تھیں، ان میں کچھ جھپٹ پڑتی ہے۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“

”عجیب نہیں بلکہ قدرتی بات ہے۔ تمہیں اس سمندر میں بھی مچھلیاں ملیں گی جس کی وجہ تک اس کی جاتی رہیں..... ورنہ ایک دن پورا معاشرہ چوہوں کا اکھاڑہ بن کر رہ جائے گا۔“

ٹھنڈک سے جم جاتی ہے۔ لیکن کسی تالاب کی مچھلی کو برف کی سل پر ڈال دو تو وہ ختم ہو جاتا۔ ”میں تعزیرات پر لیکھ اٹھ کرنے نہیں آیا..... ڈاکٹر سعید۔“ گی، کیونکہ اتنی ٹھنڈک کے خلاف اس میں قوت دافعہ موجود نہیں ہے۔ لیکن اگر تم روزانہ تالاب ”آہا..... آہا.....“ نوکیک ہے۔ ”داکڑ نے نہس کر گھنٹی کا بیٹن دبایا پھر بولا“ میں سمجھتا ہوں تم کی مچھلیوں کو برف کی سل پر ڈالتے رہو۔۔۔ کم از کم اتنی دیر تک کہ ان کی زندگی خطرے میں چائے بھی پیو گے اور تھیکا کے متعلق میری شاعری سے بھی لطف اندازو ہونا چاہو گے۔ کیڑے جائے پھر انہیں ہٹا لو وہ مرنے نہ پائیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ ان کی تیسرا یا چوتھی پشت برف، مکوڑوں نے مجھے آدمی بنا دیا ہے ورنہ آج سے دس سال پہلے میں بھی ایک حقیر سا کیڑا تھا۔ سل پر گھنٹوں پھد کتی پھرے گی۔

حمدیہ سونے لگا کہ آخر وہ اتنی بکواس کیوں کر رہا ہے۔ صورت سے تو جھکی نہیں معلوم ہے۔ تم رقبہت کے امکانات پر غور نہ کرنے لگو۔۔۔ نہیں ڈیزیر۔۔۔ قطعی نہیں ۔۔۔ لیکن بھی مجھے اسی لئے آنکھوں میں ذہانت اور قوت ارادی کی جھلکلیاں بھی موجود ہیں۔ ایسی آنکھیں رکھنے والے۔ پسند ہے کہ وہ تھیلما کو بہت چاہتا ہے اور یہ لڑکی شاکن دا ب تھا ہے۔ اسی لئے گھنٹی.....!“

ڈاکٹر نے اٹھنا چاہا لیکن حمید نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”نمیں شکریہ، اتنا ہی کافی ہے کہمیرے سمجھ میں آئی..... لڑکی گوگی تھی۔ حمید کا دل چاہا کہ اپنے گالوں پر دو تین تھیڑے لگائے اور کسی سوالات کے جواب دیتے رہو۔ میں چاہے نہیں پیوں گا۔“

ریلوے انجن کی طرح چک چک پچک یہ کہ کرتا اور سیٹی بجاتا ہوا یہاں سے نکل جاگے۔ ”اچھا....!“ ڈاکٹر نے انگریزی کے سے انداز میں اپنا جسم تانتہ ہوئے کہا۔ ”چلو۔“ لڑکی اسی طرح چھینتی اور دہازتی۔ میں باہر نکل گئی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ ”جہنم میں جاؤ۔۔۔ ہو جاؤ! آج مجھے بھی کام نہیں ہے۔ میں تمہیں چویں گھنٹے کا وقت دے سکتا ہوں۔“

”یہ مجھے پاگل بنادے گی۔“ ڈاکٹر سر کے بال نوچتا ہوا بڑا بڑا۔ پھر چونک کہ حمید سے ”کیا ڈیکن کو کسی معاملے میں بیلک میل بھی کیا جاسکتا ہے۔“

اس سوال پر پہلی بار حمید کو اس کی آنکھوں میں سنجیدگی نظر آئی۔ وہ چند لمحے شائد اس سوال کو تو تارہا پھر بولا۔ ”میں اکر اسوال کا جواب کیسے دے سکو۔“ ”شکریہ۔“ حمید نے خشک لبھ میں کہا۔ ”میں ڈیوٹی پر ہوں اس لئے اصولاً اس قسم کیونکہ بیلک میل کے جانے والے معاملات سے اگر ہر شخص آگاہ ہو تو پھر بیلک میلنگ کا، دعویٰں قبول کرنا میرے بس سے باہر ہے۔“

”اوہاہا۔“ ڈاکٹر نے قہقهہ لگایا۔ ”اب یہ چاہے بھی حق میں ہنسنے گی۔ اسی طرح جیسے عین نہ پیدا ہوگا۔“

پھر حمید کو بھی احساس ہوا کہ یہ سوال حد درجہ احتمانہ ہے۔ ویسے وہ بھی یہ محسوس کرنا گوگی کی آواز ہنسنے لگتی ہے۔ اچھی بات ہے میں مجبور نہیں کروں گا۔“ کہ اس سے جلد بازی سرزد ہوئی ہے۔ اسے اس طرح اچانک سامنے نہ آ جانا چاہئے تھا۔ وہ صرف ایک پیالی میں شکر ڈال کر چاہے اٹھیں گے۔ حمید کا دل چاہ رہا تھا کہ ایک ہاتھ سے اس کی ڈاڑھی پکڑنے کی کوشش کرے اور دوسرے ہاتھ سے اسی بھرپور گھونسہ رسید کرے کہ چالاک آدمی اسے باقتوں میں اڑانے کی کوشش کر رہا ہے۔

”دونسر اسوال....!“ ڈاکٹر مسکرا یا۔ حمید کچھ کہنے نہیں والا تھا کہ لڑکی ہاتھوں پر چاہ ناک کا زاویہ ہی بدل کر رہا چاہے۔ ”رہے اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ خاصی قبول صورت تھی۔ رکھ رکھاؤ سے ملاز مہ کیا۔“ ”اوہ..... کیپشن....!“ یک بیک ڈاکٹر چونک کر بولا۔ ”ٹھہرو۔۔۔ شاکتم اس سلسلے میں معلوم ہوتی تھی۔ ہو سکتا ہے ڈاکٹر سے کوئی رشتہ رہا ہو۔۔۔ لیکن۔۔۔ حمید نے سوچا اگر شستہ ڈاکٹر اس کے متعلق ایسی باتیں نہ کرتا۔

لڑکی نے ٹرے میز پر رکھ دی اور دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا سر جھکا ہوا معلوم کر سکوں۔ مجھے شبہ ہے کہ وہ گوگنیں ہے۔ بہر حال تم نے کھیل بگاڑ دیا۔ مجھ میں نہیں آتا دفعتہ ڈاکٹر دہازت۔ ”پھر وہی راؤں شوگر! کتنی بار سمجھایا ہے کہ میرے سامنے بھوری کر کس طرح اس کا معمر حل ہو۔۔۔ آیا کرے۔“

لڑکی نے سر اٹھایا اور خاموشی سے اسے گھوڑتی رہی اور ڈاکٹر ہاتھ ہلا ہلا کر رہے۔ ”ڈاکٹر۔۔۔“ حمید نے غصیلے لبھ میں کہا۔ ”تم آخڑا دیوں کی طرح گفتگو کیوں نہیں کرتے۔“ ”وہ دراصل ڈاکٹر کو غصہ دلانا چاہتا تھا۔ اس طرح وہ اس سے کچھ نہ کچھ اگلوانا چاہتا تھا۔ کہتا رہا۔ پھر یک بیک لڑکی کے حق سے عجیب قسم کی آوازیں نکلنے لگیں، پہلے تو حمید بیکر، ڈاکٹر نے سکرا کر کہا۔ ”یعنیں کرو۔۔۔ پیارے دوست۔۔۔ میں کسی دن ثابت کر دوں گا کہ یہ کیسی آوازیں تھیں۔ کیا وہ کسی زبان کے الفاظ تھے جو اس کے لئے نئی رہی ہو۔۔۔ پھر باد۔

لوکی گوئی نہیں ہے۔“

پوچھا۔ ”کیا خیال ہے تمہیما کے متعلق..... کیا وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہم ڈیکن کے آفس کا عقی
دروازہ کھولیں۔“

”اگر نہیں چاہتی تھی تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ اس کی دانست میں کوئی آدمی اس
وقت بھی رہبداری میں موجود رہا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

”اس کے ساتھ ہی دوسرا سوال بھی پیدا ہو گا۔“ حمید بولا۔ ”اگر وہاں اسے کسی کی
موجودگی کا شہر تھا تو شہبے کی تصدیق کے بغیر وہ اتنی دور کیوں دوڑی چل گئی تھی۔“
”کیا شہبے و مختلف آدمیوں پر نہیں ہو سکتا۔“ فریدی نے سوال کیا۔

”ہو سکتا ہے وہ اسی لئے وہاں گئی ہو کہ دوکی بجائے کسی ایک پرشہبہ کر سکے۔ ڈاکٹر جس
انداز میں تم سے ملا تھا اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ واردات کے وقت تجربہ گاہ میں اپنی موجودگی
ثابت کر سکے گا۔“

”تب پھر تمہیما ڈیکن کے کسی دوسرے دشمن کے وجود پر روشنی ڈال سکے گی۔“
”یہ نہ بھولو کہ وہ کوئی بلیک میلر ہے۔“ فریدی نے کہا اور اس فون کاں کے متعلق بتانے کا
جو ڈیکن کے مجھ نہانہ حلے کے بعد ہی آئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

”دوسرا طرف سے بولنے والے نے مجھے کچھ اس انداز میں دھمکیاں دی تھیں جیسے
سارے شہر میں بھکلتا پھر اٹھا مگر وہ نہ بتا سکی کہ وہ کہاں رہتی تھی۔ اب اس نے اس کا باہ
ڈیکن اپنی تھوڑی ہی دیر میں مر جائے گا اور میں اس وجہ سے کسی دشواری میں پھنس جاؤں گا کہ
خانہ سنگھال لیا ہے۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ وہ ایک تجربہ کار باور چن کی جگہ پر کر سکتی ہے۔ کبھی
لوگوں نے مجھے اس سے ہاتھا پائی کرتے دیکھا تھا۔“
”اوہ..... تو اب ڈیکن کس حال میں ہے۔“

”ڈاکٹر کو اس وقت غلط فہمی ہوئی تھی۔ اب اس کا کہنا ہے کہ حالت قاتل اطمینان نہیں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے آپ کو بھی بہر حال ایک الحسن میں پھنسا ہی دیا۔“

فریدی نے لاپرواٹی سے شانوں کو جنس دی اور سگار کو ہونتوں میں دبائے کھڑکی سے باہر
دیکھنے لگا۔

اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”وہ کاں کسی عورت کی تھی، جس نے مرد

اعتراف

فریدی نے حمید سے پوچھا۔ ”تو کیا وہ گھنٹی کی آواز پر آئی تھی۔“

”مجھے خوبی جرت ہوئی تھی۔“ حمید بولا۔ ”لیکن ڈاکٹر سعید نے اس کی وضاحت کر
ہوئے بتایا کہ وہاں ایک بوڑھی عورت اور بھی ہے جو اسے گھنٹی کی آواز کی طرف متوجہ
ہے۔ پھر بھی یہ کہانی میری سمجھ میں تو نہیں آئی۔“

”ہوں تو گوئی کی کہانی کیا ہے۔“ فریدی نے دانتوں سے سگار کاں کر پوچھا۔

”پانچ تاریخ کو جو قیامت خیز بارش ہوئی تھی اس نے جھرمیاں کے پورے ہی علاں
جھیل بنا دیا تھا۔ ڈاکٹر کو وہ اسی شام تجربہ گاہ کے قریب ہی بیہوش پڑی تھی۔ ڈاکٹر نے
پاس اس کے متعلق پوچھ گئی، لیکن کوئی بھی اسے نہ پہچان سکا۔ دو دن تک وہ اسے ساتھ
سارے شہر میں بھکلتا پھر اٹھا مگر وہ نہ بتا سکی کہ وہ کہاں رہتی تھی۔ اب اس نے اس کا باہ
خانہ سنگھال لیا ہے۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ وہ ایک تجربہ کار باور چن کی جگہ پر کر سکتی ہے۔ کبھی
سے یہ بھی نہیں کہتی کہ اسے اسکے گھر پہنچا دیا جائے۔ مگر ڈاکٹر کو شہبے ہے کہ وہ گوئی نہیں ہے۔

”ڈاکٹر دچپ پ آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی کچھ دیر بعد بولا۔

”ڈیکن کے دفتر کا عقیبی دروازہ کھولا تھا آپ نے۔“

”ہاں..... وہ تنگ سی رہبداری ہے..... جس کا دوسرا دروازہ عقیقی گلی میں کھلتا ہے۔“

”کھلا ہی ہوا ملا تھا۔“

”تو آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ سگار کا دھوان کمرے میں منتشر ہوتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد جب

بننے کی ناکام کوشش کی تھی۔“

”کون سی کال.....!“ حمید چونکہ پڑا۔

”وہی جس کے ذریعہ مجھے مجھے میں دھمکی دی گئی تھی۔“

”اور تم حمیدا اس کے بعد ہی آئی تھی۔“

”تم حمیدا کے امکانات پر غور کرو گے۔“ فریدی مسکرا�ا۔

”میں اس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔“

”تم حمیدا کے متعلق میں اس وقت تک بہتیری معلومات بھی پہنچا چکا ہوں۔“ حمیدا سے ٹھہرے قبل ڈیکن کوڑی کوڑی کو محتاج تھا۔ حمیدا سے شادی ہوتے ہی اس کا شمار دولت مندوں ہوئے گا۔ حمیدا سریع تقویٰ تھی کی مالدار بیوہ تھی۔ ڈیکن نے شادی کے بعد ریاٹو خریدا تھا اور وہ ٹھہرے۔“

”چاہتی ہو۔“
”اس طرح تو دو کیس بنیں گے۔ ایک تھیما کا اور دوسرا اس بلیک ملکہ کا جسے اس معاملے میں خواہ خواہ سمجھ لایا گیا ہے۔“ حمید نے کچھ سوچنے ہوئے کہا۔
”ختم کرو۔ ابھی ہم کسی خاص نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ تھیما کے متعلق بھی محض قیاس ہے۔“
”اگر قیاس ہے تو کسی تیرے کے امکانات پر یقینی طور پر غور کرنا پڑے گا۔“
”ہاں اس صورت میں ممکن ہے۔ اگر ڈاکٹر اس وقت تجوہ بگاہ میں اپنی موجودگی ثابت کر دیتا ہے تو کسی تیرے کے امکانات پر غور کرنا پڑے گا جسے تھیما بھی جانتی ہے۔“
”یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ تھیما اسے جانتی ہے۔“ حمید نے سوال کیا۔

”اس سے ایک حمافت سرزد ہوئی تھی۔ وہ یہ کہ اس نے عقبی دروازے کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کی کوشش کی تھی۔ جب اس حمافت کا احساس ہوا تو ہمارا دھیان دوسری طرف ہٹانے کی کوشش کرنے لگی۔ ڈاکٹر طاہر تک جا پہنچا اسی کوشش کا نتیجہ تھا۔ روز روشن میں کوئی ایسا آدمی اس کی سے ڈیکن کے آفس میں گھسنے کی کوشش نہیں کرے گا، جو آس پاس والوں کے لئے اجنبی ہو۔ وہ نہیں کا کوئی فرد ہو سکتا ہے۔ وہ گلی ویران تو نہیں رہتی۔ وہاں ہر وقت دوسری بلندگ کے لوگ چلتے بھرتے نظر آتے ہیں۔ اکثر نے تو اپنی چار پائیاں تک گلی میں ڈال رکھی ہیں۔ وہ دراصل اس آدمی کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے جھریاں دوڑی گئی تھی جس پر خداوسے شبہ تھا۔ وہ کوئی ایسا ہی آدمی ہے جسے وہ مجرموں کے کھرے میں دیکھنا پسند نہ کرے گی اور شاید ڈیکن بھی اس آدمی پر شبہ نہ کر سکے۔ حمیدا سے اخطر اری طور پر عقبی دروازے والی حمافت سرزد ہوئی تھی ورنہ وہ یقین معلوم ہوتی۔ اسے بھی فوری طور پر اپنی دو حمافتوں کا احساس ہوا ہوگا۔ ایک تو یہ کہ وہ ڈیکن کی خبر لینے کی بجائے وہاں رک گئی تھی اور دوسرے عقبی دروازے سے ہماری توجہ ہٹا کر کچھ بتانے کے لئے گھر لے جانا چاہتی تھی۔ ان حمافتوں کا احساس ہوتے ہی اس نے سوچا ہوگا کہ اب اس کی گمراہی یقینی طور پر کی جائے گی۔ لہذا وہ کسی کو پہنانے کے لئے جھریاں کی طرف جانکلی۔ اگر تم اس سے اس سلسلے میں سوالات کرو تو وہ یہی

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر بولا۔ ”ڈیکن کے معاملے پر از سر نو غور کرنا پڑا گا۔ ہو سکتا ہے تھیما اس سے پیچا چھڑانا چاہتی ہو۔ اسے اس کا بھی علم ہو کر کوئی اسے بیلکی کرتا رہا ہے۔ لہذا اس نے اسی کی آڑ میں اس کا خاتمہ کر دینے کی خانی ہو۔ حالات کو سننی بنا نے کے لئے مجھے فون پر مخاطب کیا ہو۔ پھر ڈیکن کے آفس میں آ کر ایسی ایکٹنگ شروع ہو جیسے ہمیں عقبی دروازہ کھولنے سے باز رکھنا چاہتی ہو۔ ظاہر ہے کہ ہمیں اس حرکت پر اس طرف متوجہ ہونا ہی پڑتا۔ پھر وہ ڈیکن کی خبر لینے کی بجائے ڈاکٹر طاہر کی طرف دوڑی گئی۔“ اعتراض تم خود اپنے کانوں سے سن چکے ہو کر وہ زہروں کا ماہر بھی ہے۔“

”اوہ..... تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنا جرم ڈاکٹر طاہر کے سر تھوپنا چاہتی ہے۔“

”ممکن ہے۔“

”تو پھر کسی تیرے وجود کے امکانات پر بھی غور کرنا پڑے گا جس کے لئے وہ ڈیکن خاتمہ کرنا چاہتی ہو۔“

”ضروری نہیں ہے کہ کسی تیرے آدمی کا وجود بھی ہو۔ ممکن ہے اب وہ آزاد ہے۔“

باتے گی کہ اسے ڈاکٹر کے علاوہ اور کسی پرشنبہ نہیں ہے۔“

”غائب آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس کے نسلقات ڈاکٹر کے علاوہ بھی کسی اور سے غر جس کا علم ڈیکن کو نہیں تھا۔ ڈاکٹر کے متعلق شاید وہ جانتا تھا اور ڈاکٹر کے شبے کے مطابق اُر دونوں کے بھگڑے کا باعث یہی چیز تھی۔“

”اختم کرو! میری دانست میں یہ ساری باتیں غیر اہم ہیں۔ میں فی الحال اس پر غور کر رہوں کہ اس بار ڈیکن کو بلیک میلر کا وہ تھیا نہیں ملا تھا جس میں وہ رقم وصول کرتا ہے۔ کیا اس کاروبار میں کوئی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ آخر وہ اپنا ہی تھیلا کیوں بھیجا ہے۔“

”کیا آپ کسی نتیجہ پر پہنچ ہیں۔“

”ڈیکن کو غالباً تھیلا اس لئے نہیں ملا کہ کہیں وہ ہمارے ہاتھ نہ لگ جائے۔“

”لیکن قاسم کے پاس تو موجود ہے۔“

”بلیک میلر جانتا ہے کہ وہ اپنے باپ سے بہت ڈرتا ہے کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کرے گا۔ لیکن وہ نہیں جانتا کہ قاسم عورتوں کے معاملے میں بالکل احتقہ ہے۔ وہ تصویر کماں کم اپنے دوستوں کو فخریہ دکھاتا پھرے گا۔“

”پھر آپ نے اس کے متعلق کیا سوچا ہے۔“

”فی الحال اس سے دور ہی رہو۔ ہم دیکھیں گے کہ بھوری چنان پر رکھے جانے والی تھیلے کیا حشر ہوتا ہے۔“

”ڈیکن نے وہاں پچاسوں آدمی چھپا کر تھیلے کا حشر معلوم کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن کامیاب نہیں ہوا تھا۔“ حمید نے کہا۔

فریدی پچھہ نہ بولا۔ حمید اب ڈاکٹر طاہر کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پتے نہیں کیوں۔ فریدی اے، زیر بحث نہیں لایا تھا۔ حالانکہ اس کی دانست میں وہ ان معاملات سے کچھ نہ کچھ تعلق پڑا رہتا تھا۔

دوسرے، دن ڈیکن کے متعلق ملنے والی اطلاع اشغی بخش تھی۔ وہ خطرے کے درمیان

پکا تھا اور اس حد تک ہوش میں تھا کہ خود ہی فریدی سے ملنے کی خواہش کی تھی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ وہ فریدی سے جلد از جلد ملنے پر بھند تھا۔

فریدی اس سے تھا نہیں ملا تھا۔ حمید بھی ساتھ تھا۔

”مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں۔“ ڈیکن نے کہا۔ ”یہ سن کر حیرت ہوئی ہے

کہ میں نے آپ پر حملہ کیا تھا۔ میری میز کی دراز میں بخوبی نہیں تھا۔ کسی نے مجھے فون پر خاطب کر کے کہا تھا، بلا و کر کل فریدی کو جس سے مل کر مجھے پھنسوانے کی فکر میں ہو..... بلا و اسے آ کر تمہیں بچائے۔ میں میں منٹ کے اندر اندر تمہارا خاتمه کر دوں گا..... میں نے پہلے تو یوکلا کر آفس کا دروازہ اندر سے مغلول کر دیا تھا پھر آپ کو فون پر اطلاع دی تھی۔ مگر افسوس کے عقیبی آفس کا دروازہ اندر سے مغلول کر دیا تھا۔ مگر نہیں مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ لگی والا دروازہ مغلول ہے۔ یہر حال مجھے اتنا یاد ہے کہ میں نے اپنے شانے میں تیز قسم کی چھین محسوس کی تھی اور میرا پورا جسم بیکار ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک چھنچنا ہٹ سی تھی، جو رگ و پے میں دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے بعد

کے واقعات ذہن سے قطعی خوب ہو چکے ہیں۔“

”عقیبی دروازے کا مصرف کیا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”خدا جانے! عمارت میں نے نہیں بنوائی تھی۔“

”تم اسے استعمال کرتے رہے ہو۔“

”بھی نہیں! لگی والا دروازہ ہمیشہ مغلول رہتا تھا۔ کبھی اسے کھولنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔“

”کلب کا پروائزر کیسا آدمی ہے۔“

”کیوں....!“ ڈیکن چمک پڑا۔ پھر بولا۔ ”ارے نہیں۔ میں اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ بے حد شریف آدمی ہے جناب۔ ہرگز نہیں قطعی نہیں۔“

”میں نے محسوس کیا ہے کہ اس کے گرد عورتوں کی بھیڑ رہتی ہے۔ عورتوں میں خاصا مقبول ہے۔“

”م..... میں آپ کی بات بھی نہیں سمجھ سکی۔“

”اس بار تھیا آیا ہے یا نہیں.....!“ فریدی نے اسکی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ پھر ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اسے الیکٹرک شاک لگا ہو۔ جھکلے کے ساتھ کری کی پشت سے ملک گئی تھی اور پھری پھٹی آنکھوں سے فریدی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ حمید کھوپڑی سہلانے لگا۔ ”تمہلا آئے تو مجھے ضرور مطلع کر دیجئے گا۔ میں اپنا کارڈ چھوڑے جا رہا ہوں۔“ فریدی اٹھ گیا۔

تمہلما اتنی نروں ہو گئی تھی کہ انہیں برآمدے تک چھوڑنے کے لئے بھی نہ گئی۔

”یا آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔“ حمید نے گاڑی میں بیٹھنے وقت کہا۔

”جال بچھا رہا ہوں۔“

”آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ تمہلما کو بھی بلک میل کیا جا رہا ہے۔“

”ایک اندازہ تھا جو درست ثابت ہوا۔“

”آخر اندازے کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہو گی۔“

”تمہلما الدار عورت ہے۔“

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ضروری نہیں ہے کہ ہر مالدار کوئی ایسی کمزوری بھی رکھتا ہو جس کی بنا پر اسے بلک میل کیا جائے۔“

”تمہلما کے ساتھ ایک ایسی کمزوری موجود ہے..... وہ آدمی جس کی طرف سے ہماری توجہ ہٹانے کے لئے وہ جھریاں دوڑی گئی تھی۔“

”آپ کا اشارہ ریالٹو کے پروپرٹر فیروز کی طرف تو نہیں ہے۔“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”ابھی آپ نے اس کا تذکرہ ذمکن کے سامنے بھی چھینا اھا۔“

”تمہارا خیال غلط نہیں ہے۔“

”آخ رکس بیان پر۔“

”میں نے کل سے آج تک تمہلما کی کڑی گرانی کرائی ہے۔ وہ یہ معلوم کر لینے کے لئے

”یہ اس کی ایڈیشنل کوایکیشن ہے۔“ ذمکن باسیں آنکھ دبا کر مسکرا یا۔ ”جو میرے لے کسی طرح بھی نقصان دہ نہیں..... ہرگز نہیں۔ اس پر شبہ کرنے سے تو بہتر ہی ہے کہ آپ مجھے ہی چھان کی پر چڑھا دیں..... کیونکہ میرا بڑی اسی کے دم سے چل رہا ہے۔“

پھر اس نے فریدی سے ایک عجیب و غریب درخواست کی۔ اس نے کہا کہ اسے جیل بھر دیا جائے۔ درست ہو سکتا ہے کہ دوسرا ان دیکھا حملہ اسے جنم ہی میں پہنچا دے۔

”فریدی نے اسے اطمینان دلایا کہ وہ ہسپتال میں بھی خود کو محفوظ ہی سمجھے۔“

اور پھر ہسپتال سے واپسی پر وہ ذمکن کی رہائشی عمارت کی کپڑاؤڑ میں رکے۔ تمہلما اندر موجود تھی۔ کار اندر پہنچتے ہی وہ خود ہی دوڑی چل آئی۔ اس کے چہرے پر سر اسیکی کے آثار تھے۔ وہ انہیں ڈرائیک رومن میں لے گئی۔ پھر اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی فریدی نے بتایا۔ ”ڈمکن خطرے سے باہر ہے..... تقریباً آدھے گھنٹے تک ہم سے گتلگو کرتا رہا۔“

مگر تمہلما کے چہرے پر اب بھی پریشانی ہی کے آثار تھے۔ اس نے بدقت کہا۔ ”ڈاکٹر طاہر نے مجھے فون پر مطلع کیا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ میں نے اسے دشواریوں میں بٹلا کر دیا ہے۔“ ”اس کا خیال غلط نہیں ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔

”لیکن اس کے پاس واضح ثبوت ہیں کہ وہ دن بھر اپنی تحریک گاہ ہی میں رہا تھا۔“

”کیا میں کوئی کام کسی دوسرے سے نہیں لے سکتا۔“ فریدی بولा۔

”خدا جانے۔ میں تو بڑی الجھنوں میں پھنس گئی ہوں۔“

”ڈاکٹر پر شہبے کی وجہ کیا تھی۔“

”وہ دونوں ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں اور ڈاکٹر زہروں کا ماہر ہے۔“

”کوئی ایسا بھی ہے جس سے آپ نفرت کرتی ہیں۔“ حمید خواہ مخواہ بول پڑا۔

”کم از کم ایک آدمی تو ایسا ضرور ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”لیکن آپ اسے نہیں جانتیں۔“

تمہلما یک بلک چوک پڑی اور اس کے چہرے پر بے چینی کے آثار نظر آئے، پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔

”قطعی! لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ اُسے اپنے استئنت کی موجودگی میں ظاہر کروں۔ یہ تمہاری آئندہ زندگی کا سوال ہے۔ مطمئن رہو۔ کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے گی جو تمہارے لئے نقصان دہ ثابت ہو۔“

تمہیدا کی آنکھیں دھنڈ لگئیں۔ دو موٹے موٹے قطرے ان کی سطح پر چھیل گئے تھے۔ تمہیدا چل گئی اور حمید اپنی کھوبڑی عیسیٰ سہلا تارہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فریدی کس قسم کا جال پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ دھنڈ فریدی بولا۔ ”اگر میں نے اسی کے گھر پر شہر کر بیک میانگ کے متعلق کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی ہوتی تو شاہد اس سے ایک لفظ بھی نہ اگلوں سکتا۔ اب دیکھو کہ خود ہمی بھاگی چلی آئی..... کام کرنا سیکھو۔“

پُراسرار چور

پھر حمید کام کرنا سیکھنے لگا۔ دفتر سے نکلتے وقت اس نے لیڈی انپریسٹر ریکھا سے چند اسی سیمی باتیں کیں اور گھر کی طرف بھاگ لیا۔ ذرا دری بعد ریکھا بھی موجود تھی اور اس کا پارہ مجھے کس معاملے میں بیک میں کیا جا رہا ہے۔

فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا اور حمید بڑھا نے لگا۔ ”کہاں سردے ماروں۔ کام کرنا سیکھوں تو مصیبت..... نہ سیکھوں تو مصیبت۔“

”کیا کوئاں ہے۔“

”کل کیا کہا تھا آپ نے؟“، ”مہید نے بھی آنکھیں نکالیں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”عورتوں سے بہیش اس قسم کی گفتگو کرو کہ وہ خود ہی گھر تک دوڑی چلی آئیں۔“

”حمدیں تمہارا سردیوار سے نکلادوں گا۔“

بہت بے چین تھی کہ ڈیکن پر وہ حملہ فیر ورز کی طرف سے تو نہیں ہوا تھا۔ وہ فیر ورز ہی کے معاشر میں بیک میں کی جاسکتی ہے۔ ڈیکن اسے ہرگز پسند نہیں کرے گا کہ وہ اس کے کسی ملازم سے تعلقات استوار کرے۔ دراصل وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے خائف ہیں۔ تمہیدا جانتی ہے کہ ڈیکن ایک خطرناک آدمی ہے اس لئے وہ اس سے کنارہ کشی اختیار نہیں کر سکے گی۔ ڈیکن کے لئے وہ سونے کی چیزیاں ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اگر ان کا ازدواجی رشتہ ختم ہو گیا تو اسے ایک بہت بڑے خسارے سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

”اور کوئی آدمی دونوں ہی کو الگ الگ بیک میں کر رہا ہے۔“

”فی الحال میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔“

گھر پہنچنے اپنے دس منٹ بھی نہیں گذرے تھے کہ ملازم نے تمہیدا کا کارڈ پیش کیا۔

وہ پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ اور نرس نظر آئی۔

”خدا کے لئے مجھ پر حرم کیجئے۔“ وہ گزر گئے لگی۔ ”ڈیکن کو کچھ نہ بتائیے گا۔“

”ہمارا کام کسی کو کچھ بتانا نہیں بلکہ معلوم کرنا ہے۔ ڈیکن کو یہ بھی نہیں بتایا گیا کہم

جھریالی گئی تھیں۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”میں بے حد مشکور ہوں جتاب۔ جب آپ اتنا جانتے ہیں تو یہ بھی جانتے ہوں گے کہ

”جسے کس معاملے میں بیک میں کیا جا رہا ہے۔“

”تم نے ہتری گیل کی کہانی پڑھی تھی؟“ فریدی نے سوال کیا۔

”جی ہاں..... اس نے مجھے بھی مطلع کیا تھا کہ وہ جب چاہے کسی دوسرے طریقے سے

بھی مجھے ذلیل کر سکتا ہے اس لئے میں کبھی ادا ایگل کے سلسلے میں کوتاہی نہ کروں۔“

بہر حال اس نے بھی وہی کہانی دہرائی جو وہ ڈیکن کی زبانی پہلے سن چکے تھے۔ اس کے

پاس بھی مقررہ تاریخوں پر پلاسٹک کے تھیلے آتے تھے۔

اس نے بھی جھریالی کی بھوری چٹان عیسیٰ کا حوالہ دیا تھا۔ بہر اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرا لایا۔

”کیا آپ مجھے بیک میں کرنے کی وجہ بھی جانتے ہیں۔“

ریکھانے ایسے انداز میں اس کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو ”گدھے ہو پر لے“
پھر ایک منٹ بھی نہیں گذر اتھا کہ کسی جانب سے کوئی اس پر حجھٹ پڑا۔ وہ عاقل تھا
کہ، تمہاری اہمیت ہی کیا ہے۔“

اس نے اس کی کھوبڑی نے چٹان سے نکلا کر زور دار آواز پیدا کی اور وہ حلق پھاڑ کر دہاز دا
دفعہ حمید نے اس سے کہا۔ ”اب تم بھی کام کرنا سیکھو! کہہ دو کوئی اسکی بات کرمی۔“ ابے رکھ تو دیئے ہیں۔“
”ہوا تمہارے گھر پہنچ جاؤں۔“

”بڑے خونخوار کے پال رکھے ہیں میں نے۔“
”لیکن ابھی اتنے کمن ہیں کہمی بھی نہیں کہہ سکتے۔“ حمید مایوسانہ لمحے میں بولا۔ جانی پچانی تھی کہ ہنسنے کا انداز پہلے بھی اکثر اسے زہر لگتا رہا تھا۔

”گدھے ہو۔“ ریکھانے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔
”لیکن ہر گدھا خواہ انگریزی سے نابلد ہی کیوں نہ ہوڈار لگ ضرور کہہ سکتا ہے۔“ سرے سے دسرے سرے تک پھسلتا چلا گیا۔

آخر ریکھانے جھلا کر فریدی سے کہا۔ ”مجھے حیرت ہے کہ یہ حضرت آپ کے ساتھ
بکواس کرتے رہتے ہیں۔“
”اس بچارے کی زندگی کا انحصار ہی بکواس پر ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔

اس نے فریدی اور حمید کو اچھی طرح پیچان لیا تھا۔

”ہائیں..... پیکٹ..... پیکٹ کہاں گیا۔“ حمید بولا۔

”اس ڈفر نے کھلیل بگاڑ دیا۔“ فریدی بڑا بڑا یا۔

”میں قہتا ہوں اس کی کیا جرورت تھی۔“ قاسم پھر غرایا۔

”اور میں پوچھتا ہوں کہ تم پھر واپس کیوں آگئے تھے۔“ فریدی کا الجھ غصیلا تھا۔

وہ دونوں غالباً کہیں قریب ہی چھپے ہوئے تھے۔ قاسم نے پوکر واپسی میں نارنج نہیں

روشن کی تھی اور جھکا ہوا اور پر چڑھ رہا تھا اس لئے وہ اندر ہرے میں دھوکا کھا گئے۔

”تم یہیں ٹھہرو۔“ فریدی نے کہا اور ایک جانب اترنا چلا گیا۔

غصے کی زیادتی کی وجہ سے قاسم کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ حمید بھی الجھن میں

تو عام طور پر سال بھرنم آلو دکائی سے ڈھکی رہتی ہیں اور ان پر قدم جانا بھی دشوار ہوتا ہے۔ تھا کہ آخروہ یچھے اترتے اترتے پلٹ کیوں پڑا تھا۔

بکشکل تمام وہ قاسم کو بولنے پر آمادہ کر سکا۔

”قیوں نہ پلٹ آتا۔“ قاسم دہاز۔“ سالے نے مجھے الو بنا لیا ہے۔ نہیں سالے تمہاری

بھی رک گئے۔ وہ مڑا اور دوبارہ اور پڑھنے لگا۔ مگر اس بار اس نے نارنج نہیں روشن کی تھی۔ زبان کالی ہے۔ کیا تھے ہیں اسے۔۔۔ تم کل جھٹے ہو۔۔۔ تم نے کہا تھا کہ اب وہ نہ آئے گی۔ پھر

اوپر پہنچ کر بھی نارنج روشن نہیں کی۔ بس چپ چاپ پا تھی مار کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔



قاسم بھوری چٹان سے یچھے اتر رہا تھا۔ ہاتھ میں نارنج نہ ہوتی تو اب تک سر کے
نکٹے ہو گئے ہوتے۔ ویسے غنیمت ہیں تھا کہ یہ چٹان خلک اور کھر دری تھی ورنہ جھریالی کی پہاڑ۔

تو عام طور پر سال بھرنم آلو دکائی سے ڈھکی رہتی ہیں اور ان پر قدم جانا بھی دشوار ہوتا ہے۔ تھا کہ آخروہ یچھے اترتے اترتے پلٹ کیوں پڑا تھا۔

”ہو سکتا ہے اسی لئے بھوری چٹان کا انتساب کیا گیا ہو۔“

یک بیک قاسم کی ڈنی رو بہک گئی اور وہ بڑا بڑا یا۔ ”سالے نہیں تو۔۔۔!“ پھر اس کے
بھی رک گئے۔ وہ مڑا اور دوبارہ اور پڑھنے لگا۔ مگر اس بار اس نے نارنج نہیں روشن کی تھی۔

اوپر پہنچ کر بھی نارنج روشن نہیں کی۔ بس چپ چاپ پا تھی مار کر ایک جگہ بیٹھ گیا۔

کیسے آتی سالی نہیں آتی تو کیا میرے دو ہزار حرام کے ہیں۔ کہاں وہ سالا سامنے آئے۔ حمید سوچ رہا تھا کاش وہ اس وقت ڈاکٹر طاہر کی تجویز گاہ کے آس پاس ہوتا۔ آخر میں کون سے تیر مار رہا ہے۔ فریدی کو چاہئے تھا اسے وہیں چھوڑ دیتا۔ اس طرح بیک وقت دو کام بیک کے حوالے پر قسم دم بخود رہ گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے مددے سے کوئی چیز ادا کر ہو جاتے۔ ڈاکٹر طاہر کو بھی جیک کیا جا سکت۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ اتنی جلدی پیکٹ غائب ہو جانا میں آپھنسی ہو۔ پھر آہستہ آہستہ داغ ٹھنڈا ہو گیا اور اس نے بھرا دکا ہوئی آواز میں کہا۔ مجرہ ہی ہو سکتا ہے۔ وہ ایسا جگہ تھی کہ رکوئی لیٹ کر ریگنا ہوا بھی چٹان پر پہنچا ہوتا تو انہیں ضرور دکھائی دیتا۔

”اب قیا ہو گا؟“
”اگر ہڑوں نے کچھ چھوڑا تمہار۔ جسم پر تو اس کی میلن شیٹ تیار کی جائے گی۔“ دھننا قاسم بڑا بڑا۔ ”قیا مصیرت ہے۔ اب کب تک پڑا رہوں گا۔ دو ہزار بھی دو اور مت نام لو۔ مت بور کرو۔ سب قچھ اسی سالی اکاؤنٹسی کی وجہ سے ہوا ہے۔ دھنے بھی کھاتے پھر وہ۔“

خراب ہو جاتا ہے۔ پانچ ہو جاتا ہوں۔ اور پھر یہ سب کچھ ہونے لگتا ہے۔ ”پڑے رہو چپ چاپ۔...!“ حمید غرایا۔
”ارے بیٹا چلو۔ دیکھو پل کر۔ دھائیں دھائیں بھی تو ہوئی تھی۔ کہیں تمہارے ابا مارکینگ میں پھنس جانا ہوں۔“

”بیک مارکینگ....!“ حمید نے جرت سے کہا۔
”ابے تم ہی نے تو کہا تھا کہ وہ بیک مارکینگ کر رہا ہے۔ دو ہزار۔۔۔ ارب۔۔۔ یک بیک حمید چوک پڑا کوئی رسکتا ہوا چٹان پر آیا تھا۔ میساختہ اس کا ہاتھ رویا اور پر گیا رے۔۔۔ یہ بیک مارکینگ نہیں تو اور کیا ہے۔۔۔ مگر پھر بھی آنند کر دیا ہے اس نے۔“ لیکن ”ویرے ہی لمحے میں اس نے فریدی کی آواز سنی۔
”ہوں تو تم اس پکر میں تھے۔ میں نے بیک میلک کہا تھا فرزند۔“ ”نکل گیا۔۔۔؟“

یک بیک قریب ہی سے فائز کی آواز آئی اور حمید بولکلا کر چٹان پر لیٹ گیا اور قام۔
بھی کہا کہ وہ جلدی سے لیٹ جائے۔



پھر دوسرا فائز ہوا۔۔۔ پھر تیسرا۔۔۔ حمید سوچ رہا تھا کیا فریدی کسی سے نکلا گیا ہے۔۔۔
مقصد کے تحت ہوائی فائرنگ کر رہا ہے۔ آخر سے وہیں ٹھہرنے کو کیوں کہہ گیا تھا۔

قاسم چپ چاپ پڑا رہا۔ کچھ دیر بعد دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ قاسم کا مودہ بہت خراب ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے اُن سے کسی قسم کی ٹھنڈگوں میں کی تھی۔ وہ فریدی تو نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ تو خصوصیت سے ایسے جوتے پہن کر آئے تھے جو سگانہ اپنی گاڑی تک انہیں کیا تھا۔ لیکن چلتے وقت رسما بھی نہیں پوچھا تھا کہ وہ کہہ رہا میں گے۔ پھر وہ دونوں اپنی گاڑی کی طرف چل پڑے تھے۔ سے نکلا کر آواز نہ پیدا کر سکیں۔

”کچھ بھی نہ ہوا۔“ حمید گاڑی میں بیٹھتا ہوا بڑا بڑا۔
”مہبت کچھ ہوا ہے۔“ فریدی نے ان جن اشارت کرتے ہے کہا اور کوئی چیز حمید کی گود بذریعہ دور ہوتی چلی گئی۔

میں ڈال دی۔

”تو اس نے آپ پر فائزگ کی تھی..... اور آپ نے اُسے نکل جانے دیا۔“

”اوہ..... یہ آپ نے اٹھایا تھا۔“ حمید نے زرد رنگ کے پلاسٹک کا پیکٹ یہ پہاڑیاں بڑی وابستہ ہیں..... بہر حال یہ مسئلہ تو اب صاف ہی ہو گیا کہ وہ اپنے اٹھاتے ہوئے کہا۔

پیکٹ کیوں بھیجا ہے۔ مجھے خصوصیت سے اسی کی فکر تھی۔ مجھے فکر تھی اور اُسے شامت ہی نے

گھیرا تھا کہ وہ قاسم کا اختیاب کر دیا۔“

”نہیں....!“

”تو آپ کی دانست میں اس پیکٹ میں کوئی خصوصیت ہے جس کی بناء پر چوہے اُسے

”پھر آپ کے ہاتھ کیسے لگا۔“

”بڑی سننی خیز کہانی ہے حمید صاحب۔ ایک ہزار آدمی چنان کے آس پاس چھپا رہے جھاگتے ہیں۔“

جائیں تب بھی چور پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہی ہوگا۔ شائد ان کے فرشتے بھی نہ معلوم کر سکیں کہ ”بھی خیال ہے۔ ورنہ چوہوں کو اس حد تک ٹرین نہیں کیا جاسکتا۔ کچھ چوہے یہاں کب پیکٹ کھسکا لے گیا۔“

ادھر ادھر بھکتے نہ پھریں..... پیکٹ کی بو پر تیر کی طرح اس کی طرف آتے ہوں گے اور اُسے خصوصی ٹھکانوں ہی پر لے جاتے ہوں گے..... جہاں وہ اس نامعلوم آدمی کے ہاتھ لگتا ہوگا۔“

”کیا مطلب....?“

”وہ ایک چوہا تھا۔“

”چوہا....!“ حمید اچھل پڑا۔ اُسے دل کی دھڑکن کھو پڑی میں محسوس ہونے لگی۔ ”پیکٹ کی بو پر آتے ہوں گے....!“ حمید بڑا یا۔ ”یہ کیسے ممکن ہے۔“

”بیتری ایک چیزیں ہیں جن پر مختلف قسم کے جانور بُری طرح جان دیتے ہیں۔ دور ہی معلوم ہونے لگ جیسے کنپیاں جمع جائیں گی۔“

”تو پھر اب کہاں جا رہے ہیں....!“ اس نے بھراں ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

”گھر....!“

”اس کے باوجود بھی ہم ڈاکٹر طاہر سعید کو چیک نہیں کریں گے۔“

”دیکھا جائے گا۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

”آپ نے فائزگ کس پر کی تھی۔“

”فائزگ اسی نے کی تھی۔“

”چوہے نے....!“ حمید حلق چھاڑ کر دہڑا۔

”اُحمق..... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اسے میں دو میل گھسیٹ کر لے جاتا ہوگا۔ چوہے کا پیکٹ کوہ کب مرے قریب ہی سے گزرا تھا۔ گرنے کی آواز پر میں نے تارچ روشن کی تھی، اتنا ہے کہ وہ پیکٹ کو کھسکا کر ایک خصوصی جگہ تک لے جائے۔ اس کے بعد وہ کسی آدمی..... نہیک اسی وقت چوہے نے بھی بلندی سے گرے ہوئے پیکٹ پر چلا گئے لگائی تھی اور کسی نے چوہا کیا تھا۔ چوہا پیکٹ نہ لے جا سکا۔ وہ میرے ہاتھ لگا۔ فائز کرنے والا شائد نہیں ہو گیا ہاتھ لگتا ہے۔“

تھا۔ اسی لئے اس سے مزید فارمول کی حماقت سرزد ہوئی تھی، بہر حال میں اس کے باوجود اس پر ہاتھ نہ ڈال سکا۔

حید نے سوچا کہ فریدی کی کچھل رات والی لاپرواںی بے وجہ نہیں تھی۔ اس نے پہلے ہی

سے انتظام کر کھا تھا کہ مشتبہ افراد کی مگر انی ہوتی رہے۔ لیکن پھر جھریالی ہی میں کیوں رک گیا

تھا..... اور..... ڈاکٹر تو شہر میں تھا ممکن ہے اس نے تجربہ گاہ کی تلاشی لی ہو۔

پیکٹ ساتھ لے جاؤ۔ قام کے روپے اسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ تھیلے کے چھ

کچھ دیر بعد اس نے فون پر فریدی کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کئے دوسری طرف سے

معلومات حاصل کرو کر وہ کہاں بنایا گیا ہے۔ لیبر کمشر کے دفتر سے پلاسٹک کے کارخانوں اجنبی سی آواز آئی۔

”کرٹل فریدی کے لئے روپورٹ ہے۔“

”ڈاکٹر سر! دوسری طرف سے آواز آئی۔“

”تھیلے ایک سال قبل فیشن مولڈرز نے بنائے تھے۔ تعداد ڈھائی لاکھ تھی۔ یہ ایک ایسی

”جو کچھ کہہ رہا ہوں وہی کرنا۔ معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے فون نمبر تین سو پہنچا فرم کے لئے بنائے گئے تھے جو خلک کئے ہوئے دودھ کا کاروبار کرتی تھی۔ روکی فوڈ اٹھریزین۔

اطلاع دیتا۔ ضروری نہیں ہے کہ کل میں تمہیں گھریا آفس میں مل سکوں؟“

”مخلوں سے تیار کئے گئے تھے۔ تھلیوں کی قیمت نقداً کی گئی تھی چیک نہیں دیا گیا تھا۔ خود فرم ہی

کے ایک آدمی نے کارخانے ہی میں ڈیلیوری لی تھی۔ اس لئے کارخانے والے یہ نہیں بتا سکتے

کہ مال کہاں کیا تھا۔ چھان میں کرنے پر پتہ چلا ہے کہ روکی فوڈ اٹھریزین کے نام کا کوئی ادارہ

اس شہر میں کبھی نہیں تھا..... تھیک!“

”لیں سر....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور حید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

”دوسری روپورٹوں کے متعلق اسے کوئی ہدایت نہیں ملی تھی اس لئے اس نے انہیں فائل کر دیا۔

”وہ سوچ رہا تھا کہ فریدی کا یہ اندازہ کا نادرست تھا کہ اس پلاسٹک میں کسی چیز کی آمیزش

کی گئی جس سے تھیلے بنائے گئے تھے۔

یک بیک وہ چونک پڑا۔ تھلیوں کے متعلق انکواری کے سلسلے میں ایک اہم بات رہ گئی تھی۔ اس کے متعلق غرور پوچھنا پا ہے تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر فیشن ہولڈرز کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

وہ کون تھا

حید اپنی روپورٹ کامل کر کچکا تھا اور اس کی میز پر چار روپورٹیں اور بھی تھیں، جھیلہ، ڈاکٹر سعید اور ریاٹو کے سپروائزر فیروز کے متعلق! یہ روپورٹیں ان لوگوں سے ملی تھیں جو

رات ان چاروں کی مگر انی کرتے رہے تھے۔ لیکن تواب بھی پولیس، ہسپتال ہی نہ تھا۔

نے کچھل رات اپنے فلیٹ میں گزاری تھی۔ فیروز ریاٹو سے باہر نہیں لکھا تھا اور ڈاکٹر

”فرام اٹھیں جس بیورو...!“

”لیں سر...!“

”روکسی کے تھیلوں کے متعلق۔“

”لیں سر! اٹ از فیجر۔“

”کیا ان کیمیکلز کے متعلق کچھ خاص ہدایات دی گئی تھیں، جنہیں پاسنک میں علی کرنا تھا۔“ آرہا ہے۔“

”بہت دنوں کی بات ہوئی جناب۔ مگر ٹھہریے۔ ممکن ہے فور میں کو کچھ یاد ہو۔ اس سلسلے میں جتنی باتیں یاد ہیں ان کی وجہ تکہی کہ اس قسم کی ہدایات پر ہم نے کبھی کوئی چیز نہیں تیار کی تھی۔“

”پچھنہ کچھ کر گذرنے کی توقع تھی، لیکن پچھ بھی نہ ہو سکا۔“ فریدی نے کہا۔ ”پہلے خیال تھا کہ وہ لڑکی ہی سب کچھ ہے لیکن اب تمہاری رپورٹ سے کسی مرد کا بھی وجود ثابت ہوتا ہے جس نے کارخانے سے تھیلوں کی ڈیلیوری لی تھی۔“

”خدا کی پناہ۔“ حمید نے حیرت سے آنکھیں چھاڑ دیں۔ ”تو کیا آپ ابھی تک یہی سوچ رہے ہیں کہ یہ صرف اسی لڑکی کا کارنامہ ہے۔“

”یقیناً یہی سوچتا رہا تھا کیونکہ اس کے علاوہ ابھی تک کسی اور سے سابقہ نہیں پڑا۔ وہ ہمارے محلے کے آپریشن روم میں کام کرتی رہی تھی۔ اسی نے ہنزی گیل کیس کا فائل اڑایا۔ اسی نے تمہارے پیٹ بیک پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ اسی نے چہ ماہ تک ہنزی گیل کو الو بناۓ رکھا تھا۔ وہی قاسم کو بھی بلیک میل کرنے کا ذریعہ بنی تھی۔ وہی تھیں ڈاکٹر طاہر کے بیہاں بھی نظر آئی تھی اور اب غائب ہے اور ڈیکن کے آفس میں جس نے مجھے فون پر مخاطب کیا تھا وہ بھی کوئی عورت ہی تھی، لیکن اس نے مردوں کی آواز بناۓ کی کوشش کی تھی۔“

”اگر ایک ایکی لڑکی نے اتنی ادمم چاٹی ہے تو پھر ہمیں خود کشی ہی کر لیتی چاہئے۔“ ”صرف تھیں..... کیونکہ تمہارے ذہن میں آج بھی عورت کے نام پر اخباروں میں صدی کی عورت کا تصور ہوتا ہے۔“

”تو پھر بچھل رات بھی وہی رہی ہو گی، جس نے آپ پر فائزگ کی تھی۔“

”مجھے اس پر بھی حیرت نہ ہو گی کیونکہ میرا سابقہ ناتوتے بھی عورتوں سے بھی پڑھکا ہے اور

حمدی نے ریسیور میز پر ڈال دیا۔ پھر دو منٹ بعد دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

”دوسری طرف سے آواز آئی۔“ ”ہیلو..... جی ہاں! فور میں کو یاد ہے۔ کیمیکلز کے متعلق ہدایات تھیں کہ انہیں چوہوں سے بچایا جائے۔ فور میں کا کہنا ہے کہ ان دنوں چوہوں کی وجہ سے بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ان کیمیکلز پر بھی چوہے ٹوٹتے تھے اور بنے ہوئے تھیلوں کو بھی محفوظ رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔“

”شکریہ۔“ حمید نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر فریدی کے بتائے ہوئے نمبروں پر ڈکٹ کر کر اپنی ہوئی رپورٹ میں بھی بعد کی اطلاع کا اضافہ کرایا۔

”اگر، بار اس سے کہا گیا کہ اس کے لئے بھی ایک پیغام ہے۔ وہ پیغام فریدی کی طرف سے تھا جس سے مطابق اسے ٹھیک ساز ہے تین بجے جھریاں پہنچتا تھا۔“

فریدی بچھل رات گھر نہیں آیا تھا اور آج دفتر سے بھی غائب رہا تھا۔ حمید فون پر لمبے پیغام کے مطابق جھریاں کی طرف رو انہے ہو گیا۔

اس میں کے تصفیہ میں جتنی دیر لگ رہی تھی اسی کی میتوں سے حمید کی اکتاہست بھی بڑھتی بڑھتی تھی۔ اور اب تو وہ سوچ رہا تھا کہ شاید ابھی یہ چیخ چلتا ہی رہے۔ کیونکہ بچھل رات والے دفعے نے مجرم کی آنکھیں کھول دی ہوں گی اور اب وہ کافی محتاط ہو جائے گا۔ سابقہ

میں تحریریا بدل آف بوہما کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔“

وہ پہاڑیوں کے قریب پہنچ گئے تھے۔ حمید نے اس وقت یہاں آنے کی وجہ پوچھی۔

”میرا خیال ہے کہ پچھلی رات جس نے مجھ پر فائز کیا تھا وہ اب بھی نہیں موجود ہے۔“

”اس خیال کی وجہ۔“

”فائزگ کی آواز سن کر کچھ آدمی نکاٹی کے راستوں پر جم گئے تھے، جو اس وقت بُرے“

”وہ کچھ ہی دور چلے ہوں گے کہ یک بیک چاروں طرف سے دھاکوں کی آوازیں آنے لگیں۔ حیدر کر گیا۔“

”فکر نہ کرو۔“ فریدی بولا۔ ”وہ صرف دھوئیں کے بم ہیں۔ ایسے غاروں میں پھینکے

”قطضی..... ایسی جگہوں پر کافی محتاط رہنا پڑتا ہے۔ اُوہ..... ٹھہر و..... وہ کیا..... سامنے جا رہے ہیں جن میں اس کی موجودگی کے امکانات ہوں۔“

”خدا کی پناہ..... ایک لڑکی کے لئے۔“ حمید نے پھر رہاسامنہ بنایا۔

”ضروری نہیں ہے کہ لڑکی ہی ہو۔ میں نے حالات کی بنا پر قیاس کیا تھا، بہر حال جو کوئی

بھی ہو سکے۔ اس لئے غاروں میں گھنے کا خطرہ نہیں مول لیا جاسکتا۔“

”وہ بڑھتے رہے۔ کئی جگہ گھرے دھوئیں کے بڑے بڑے مرغوں لے چکرا رہے تھے۔“
دھاکوں کی آوازیں اب نہیں آ رہی تھیں۔

یک بیک کئی آدمیوں کی چیختن کی آوازیں آئیں۔ ”وہ ہے۔ وہ ہے۔“

”ٹھہر و.....!“ کسی نے چیخ کر کہا۔ ”ورنہ گولی ماروی جائے گی۔“

پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں..... ایک تیز قسم کی چیخ..... آواز نوافی ہی تھی۔

”سنچل کر۔“ فریدی نے اسے آواز دی۔ ان پہاڑیوں میں دوڑتا آسان کام نہیں تھا۔

”چوہوں کی کارگزاری۔“ وہ پھر اسی چٹان کی طرف مرتا ہوا بڑا بڑا۔ جہاں پکھ دیکھنے

پھر ایک چٹان پر پہنچ کر اس نے ایک دلچسپ منظر دیکھا۔

عورت اُن چھ آدمیوں پر پھراو کر رہی تھی جو اسے گیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ حمید

بلندی پر تھا اور عورت کی پشت اُسی کی طرف تھی۔

”حمد بآ ہستگی چٹان سے اُتر اُور بہت احتیاط سے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ جوش میں

”میرا دعویٰ ہے کہ یہ سرگ ڈاکٹر طاہر کی تجربہ گاہ سے جاتی ہوگی۔“ حمید نے کہا۔

فریدی نے لاپرواں سے شانوں کو جنبش دی اور چٹان کی جانب دور بین اٹھائے رہا۔

”حمد جھنگلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخرست پاپ کیوں بیلے جا رہے ہیں۔“

بھری ہوئی پھر اٹھا کر پھینک رہی تھی اور اسکے حلق سے گونگوں ہی کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

”میں نے یہ تو نہیں کہا تھا جناب کہ یہاں سے کچھ لے کر بھاگی ہے۔ براؤ کرم ہاتھ کھول دیجئے۔“ اس نے تنخ لبھ میں کہا۔

اڈھ لڑکی نے ڈاکٹر پر نظر پڑتے ہی دہائیں مار کر رونا شروع کر دیا تھا۔ ڈاکٹر پھر ہیزی ہے آگے بڑھا، غالباً اس کے ہاتھ کھول دینے ہی کا ارادہ رکھتا تھا۔

”نہیں.....!“ فریدی نے خخت لبھ میں کہا۔ ”محظاً طار ہے۔ ہاتھ آپ کی شکایت پر نہیں باندھ گئے۔“

”رم کرنا سیکھئے۔ یہ نہ بھولئے کہ آپ آدمی بھی ہیں۔“ ڈاکٹر کا لہجہ غصیلا تھا۔

”لیکن مجھے ایسے چوہے پچان لینے کا سلیقہ ہے، جو آدمیوں پر بھی جھپٹ پڑتے ہوں۔“

”کیا مطلب....!“

”مجھے بھی شبہ ہے کہ یہ گوگنی نہیں ہے۔“

”مجھے یقین ہے کہ میں نے اُسے سمجھنے میں غلطی کی تھی۔“ ڈاکٹر بولا۔

”یہ قطبی گوگنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اسی لئے یہاں سے بھاگ نکلی ہو کہ میں اسکے امتحان کیلئے طرح طرح کی حرکتیں کرتا رہتا تھا۔ ایک بار ایک بے ضرر سانپ بھی اس پر پھینکا تھا..... لیکن۔“

”میں سمجھتا ہوں..... بے اختیاری میں بھی اس نے گونگے پن ہی کا مظاہرہ کیا ہوگا۔“

”جب آپ سمجھتے ہیں تو پھر اس طرح۔“

”ہم کب تک کھڑے رہیں گے ڈاکٹر۔“ فریدی مسکرا یا۔ لڑکی خاموش ہو کر سکیاں لے رہی تھی۔

”اوہ..... آئیے..... می ہاں! تشریف رکھئے۔ دراصل میں ایسے مناظر کی تاب نہیں اسکتا۔ خدا کی پناہ۔ دیکھئے اس کی آنکھوں میں کتنی معصوم التجا میں دم توڑ رہی ہیں۔“

فریدی نے حمید کی طرف مرکر کہا۔ ”تم جاؤ..... لیکن واپسی جتنی جلدی ممکن ہو اتنا ہی اچھا ہے۔“

حمداس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لینے میں اس نے بڑی پہنچ دکھائی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں خود اس کی چینیں بھی چنانوں سے نکلا کر دور درست پہنچ گیلیں کیونکہ عورت نے اس کے داہنے ہاتھ پر منہ مار دیا تھا اور اس کے دانت بڑی بے دری سے گوشت میں پیوسٹ ہوتے چلے جا رہے تھے۔ اس صیبیت سے گلو خلاصی ایسی مشکل ہوئی۔ لیکن معاملہ تھا ایک عورت کا، حمید بائیں ہاتھ سے اس کی گدی پر گھونسہ رسیدنہ کر کر لالہ دیے اتنی دیر میں دوسرے بھی جھپٹ پڑے، انہوں نے حمید کا ہاتھ چھڑایا۔

دانت گوشت میں اچھی طرح پیوسٹ ہوئے تھے۔ انگلیوں سے خون پکنے لگا تھا۔ یہ وہی گوگنی لڑکی ثابت ہوئی جسے وہ ڈاکٹر طاہر کی تجربہ گاہ میں دیکھ چکا تھا۔ وہ اب بھی چیخ جا رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ رومال سے باندھ دیئے گئے۔

”خاموش رہو۔“ فریدی نے ڈانت کر کہا۔ لیکن لڑکی خاموش نہ ہوئی۔ کئی قسم کی کریہ آوازیں اس کے حلق سے نکل رہی تھیں۔



تجربہ گاہ والی عمارت کا برا آمدہ روشن تھا۔ ڈاکٹر طاہر برآمدے ہی میں مل گیا۔ لڑکی آئے چل رہی تھی۔ فریدی اور حمید پیچھے تھے۔

جیسے ہی وہ روشنی میں پہنچے ڈاکٹر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ ساتھ ہی وہ اس طرح کر سے اٹھا تھا جیسے کسی نے اُسے اچھال دیا ہو۔

”اوہ..... اوہ.....!“ وہ دونوں ہاتھ پچیلا کر آگے بڑھا۔ پھر ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا۔ اب اس کے چہرے پر ایسے ہی آثار تھے جیسے آفسروں کا فعل اُسے گراں گزارا ہو، ال

دھواں اُنہر رہا تھا

28

حمد جانے کے لئے مرا..... اور فریدی نے ڈاکٹر سے کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ میں یا جلد بخوبی ملے۔“
 ڈاکٹر یہ! میں پاپ پیتا ہوں۔“ ڈاکٹر نے کہا اور فریدی ایک سگار منتخب کر کے اس کا
 خبر کر آپ کی تکلیف کا باعث بنوں گا۔“
 ”جی نہیں..... جی نہیں۔“ ڈاکٹر بولا۔ ”مگر یہ منظر تکلیف دہ ہے۔ کم از کم اس کے ہاتھ
 گوشہ توڑنے لگا۔ ڈاکٹر کی آنکھوں میں اضطراب کی لبریں تھیں۔ اس نے کہا۔ ”کیا پہلے سے
 اُن کے ہاتھ معلوم کر لیا خلاف مصلحت ہو گا۔“
 ”کھوں ہی دیجھے۔“

فریدی کرسیوں کی طرف بڑھا۔ اس نے لڑکی کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

پچھا در بعد ڈاکٹر نے یو جھا۔ ”ہمی کھاں۔“

پھر آہستہ تحریز دے خدو خال میں میکھا پن پیدا ہونے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کی آنکھوں ”بیاڑیوں میں.....اس پر کئی اڑامات ہیں۔ بعض معاملات میں شبہات یقین کی حد تک میں نفرت، تھارت اور کینہ تو زی کی جھلکیاں نظر آئیں۔ پھر ہننوں کی جنبش پر جو آواز نکلی تھی پہنچ پکھے ہیں۔“

”مگر میں آب کو یقین دلانا حاصل ہوں کہ اس نے سہاں کسی جرم کا ارتکاب نہ

”**لَهُمْ** أَن يَعْلَمُوا كُلَّ شَيْءٍ

”مریں اپ لوہیں دلانا چاہتا ہوں لے راس لے یہاں کی جنم کا رتکاب نیں لیا گا۔“
 ”ہوں.....اوی! ہو سکتا ہے۔“ فریدی باہر پھیلے ہوئے اندر ہرے میں گھونے لگا۔
 تھوڑی دیر خاموشی رہی پھر ڈاکٹر بولا۔ ”یہاں اس طرح بیٹھے رہنے کا مقصد میں نہیں کوئی
 سکا۔ اسے بد اخلاقی نہ سمجھئے۔ ایسے حالات میں اس قسم کی ذہنی خلش پیدا ہو سکتی ہے۔“

سے بے احلاں نہ ہٹھے۔ ایسے حالات میں اس مم کی ذہنی سس پیدا ہو سکی ہے۔

”اوہ....!“ فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”ہم کافی ثبوت فراہم کئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔“
”یہاں تین ایسے افراد آنے والے میں جو شائد اسے شناخت کر سکیں۔“ فریدی اس کا
”ثبوت! میرے خلاف کیا ثبوت رکھتے ہو۔ میں زہروں کا ماہر ہوں۔ ان کے استعمال
آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔“ داکتر کی پلکیں جمپک گئیں۔ وقفہ معمول سے زیادہ تھا۔
کے طریقوں سے بھی واقف ہوں۔ میں حانتا ہوں کہ سوئاں کسے زہر آلوں پنائی جاتی ہیں.....

“میں نہیں سمجھ سکتا کہ اسکا کام کیا گیا تھا۔”

پھر کیا بیوٹ ہے تمہارے پاس کہ زہر ملی سوئی میں نے ہی ڈینکن پر آزمائی تھی۔“
”الصالوں پر ابھی بحث کرنا قبل از وقت ہو گا ڈاکٹر۔“ فریدی نے زم بجھے میں کہا۔ ”فی
”میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کام کے لئے یہ جگہ کیوں منتخب کی گئی ہے۔“
”آپ اس لڑکی سے غیر متعلق تو نہیں ہیں ڈاکٹر۔“

ڈاکٹر طاہر سعید نے الارادہ کیا۔ سے شانوں کو جنگی دیکھ دی اور دریا طوفان دی مکھن۔

ڈاکٹر طاہر سعید نے لاپرواں سے شانوں کو جنت دی اور دوسرا طرف دیکھنے لگا۔ الحال اس لڑکی کا مسئلہ درپیش ہے۔ یہ گونگی ہے یا نہیں۔“
لوکی کبھی ڈاکٹر کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی فریدی کی طرف۔ اس کے چہرے پر اب گلے ”معلوم کرو.....!“ ڈاکٹر نے بیزاری سے کہا اور پاسپ میں تمبا کو بھرنے لگا۔
سر اسی گلے کے آثار تھے۔

کچھ در بعد ڈاکٹر نے بھاگا۔ ”کامیل اُن تنہا افراد کو جانتے ہیں،“

کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے پوچھا۔ ”کیا میں ان تینوں افراد کو جانتا ہوں۔“
 ”اچھی طرح۔“ فریدی نے کہا اور جیب سے سگار بکال کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔
 ”ہو سکتا ہے کہ آپ انہیں دیکھ کر متھیرہ جائیں..... سگار.....!“
 فریدی کی ایکم کے مطابق حمید نے ان تینوں کو بتا دیا تھا کہ ایک ایسی گونگی لڑکی ہاتھ لگی
 ہے جس سے کبھی نہ کبھی ان کا سامنے ضرور ریا ہوگا۔ انہیں ڈاکٹر طاہر کی تجویز گاہ تک چلتا پڑے گا

جہاں فریدی لڑکی سمیت موجود ہے۔

انہوں نے کہا تھا کہ وہ شائد ہی کسی گوئی لڑکی کو پہچانتے ہوں۔ کیونکہ سالہاں سالِ زیست میں سرہلا دیا۔ لیکن وہ لڑکی کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ تھیلما اور فیروز نے انہیں کسی گوئی لڑکی سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

پھر بھی وہ حمید کے ساتھ جھریاں جانے پر رضا مند ہو ہی گئے۔ مگر ڈیکن بار بار اس ڈاکٹر اب انہیں توجہ اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی اس کی نظریں لڑکی کے چہرے پر چیرت ظاہر کر رہا تھا کہ آخر فیروز کو کیوں لے جایا جا رہا ہے۔ تھیلما کے چہرے کا رنگ ادا بھی جا رکھیں۔

ڈیکن نے دبی زبان سے پوچھا۔ بھی تھا کہ تھیلما کو ان باتوں سے کیا سروکار۔ لیکن اس نے لا علیٰ ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ صرف احکامات کی تعمیل کر رہا ہے اسے تفصیل سے آیکن لڑکی کے چہرے پر کسی قسم کا تغیر نہ محسوس کیا جاسکا۔

”اوے..... نام بھی رکھ دیا آپ نے۔“ ڈاکٹر فہیں پڑا۔ ”مگر ہے ہذا پیارا نام۔“

”یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہوا ہے۔“ ڈیکن نے پوچھا۔
”سبق ملا ہے۔“

”کیسا سبق....!“

”یہی کہ لڑکیوں سے ہمیشہ دور رہو۔ پہنچیں ان میں سے کون گوئی ہو اور کب کاٹ کھائے۔ وہ لڑکی کے قریب پہنچا اور اس کے منہ پر اس طرح رومال باندھنے لگا کہ ناک منہ اور ”اوہ ہو..... تو کیا اس لڑکی نے.....!“
ٹھوڑی چھپ گئے۔ صرف آنکھیں اور پیشانی کھلی رہیں۔ لڑکی بُری طرح چلی تھی اور جھلاہٹ میں اس کے طلاق سے طرح طرح کی آوازیں بھی نکلی تھیں اور ڈاکٹر کچھ بڑدا نے لگا۔ بقیہ لوگوں ”ہاں! بڑی مشکل سے قابو میں آئی ہے۔“
”میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کس قسم کی لڑکی ہوگی اور مجھے کس سلسلے میں اس کی شناخت کیسے چہوں پر ایسے ہی آثار تھے جیسے وہ فریدی کو پاگل سمجھتے ہوں۔

”فوتا ڈاکٹر نے کہا۔ ”اے لکھ لو کر نہیں..... اگر یہ گوئی نہیں ہے تو بھی کم از کم تمہارے ہے۔“ ڈیکن بولا۔
”میرا خیال ہے کہ یہ دعی لڑکی ہے جسکے متعلق تم نے ہنری گل کی کہانی میں پڑھا ہو گئے۔“ ہمیشہ گوئی رہے گی۔ اگر یہ ایکٹریس ہے تو خدا کی قسم اس کی نکر کی دوسری آج تک نہ پیدا ”مگر وہ گوئی کب تھی۔ اخبارات میں تو اس کے گونے پن کا تذکرہ نہیں تھا۔“ ہوئی ہے اور نہ پیدا ہوگی۔ میں نے اسے اس طرح آزمایا ہے۔ فولاد کا دل رکھنے والے بھی ””فتھم بھی کرو یار! خواہ جنگ مارنے سے کیا فائدہ۔“ ابھی ذرا اسی دیر میں تم دہا۔ اپنے آباداً اجداد کا نام لے کر پکارنے لگتے۔“

”اس طرح تم اس کا دل بڑھا رہے ہو۔ کیوں.....؟“ حمید دہاڑا۔
”مگر فریدی اس کی طرف دھیان دیجے بغیر ڈیکن، تھیلما اور فیروز کی طرف مڑا۔“

”اب ان آنکھوں کو نور سے دیکھو.....!“ اس نے کہا۔
ڈاکٹر نے انہیں دیکھ کر نرفت سے ہونٹ سکوڑے اور دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

”سب سے اچھا شعر کہنے والے کو ”عین الشراء“ کا خطاب دیا جائے گا۔“ ڈاکٹر اب وہ سوچ رہا تھا کہ ریوالور کے ساتھ اسٹرینگ ضرور استعمال کرنی چاہئے اس طرح وہ اپنی قہقہہ لگایا۔

پھر تی سے ریوالور پر ہاتھ نہ ڈال سکتا۔ مگر فریدی نے اس پر چھلانگ کیوں لگائی تھی۔

”خاموش رہو.....!“ حمید نے پھر آنکھیں نکالیں۔

”یار تم بہت چڑھے معلوم ہوتے ہو۔ عورتوں کی موجودگی میں تمہیں تہذیب کا ہر داشتناہ بھجن کے آثار نظر آئے نہ۔

خود ڈیکن کی یہ حالت تھی کہ اس کے ہونٹ بختی سے بچنے ہوئے تھے۔ فحشا اس نے کہا۔

”یہ لڑکی..... مختلف ناموں سے متعدد اشخاص کو دھوکا دے چکی ہے۔“ فریدی، ”تم سب چلے جاؤ..... باہر نکلو..... ورنہ کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

”پلاسٹک میک اپ کے ذریعہ صرف اپنی ناک اور دہانے میں نبندیاں کر کے شکلیں بنائیں گے۔“ ڈاکٹر تھیلما اور فیروز برآمدے سے نیچے اتر گئے۔ فریدی اور حمید نے اپنی جگہ سے جنش ہے۔ لیکن آنکھیں..... تم تینوں غور کرو۔ کیا کبھی یہ آنکھیں نہیں نہاری نظروں سے گذری ہیں۔ بھی نہیں۔

”تب تو پھر مجھے خود کو خوش قسمت ہی سمجھنا چاہئے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”کیونکہ یہ مجھے۔“ سُن رہی ہو لڑکی۔ ”فریدی ریوالور پر نظر جھائے ہوئے بولا۔“ ابھی تم ہمیشہ کیلئے پاکل اپنی اصلی شکل میں ملی تھی۔ کیوں..... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔“

ٹوکری باکیں جانب جھکی۔ بس ایک پل کے لئے ڈیکن کی توجہ اس کی طرف مبذول ہوئی۔

”نہیں تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ فریدی مسکرا یا۔

ڈیکن اس طرح لڑکی کو دیکھ رہا تھا جیسے حافظے پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا۔ تھی کہ فریدی نے اس پر چھلانگ لگادی۔

”اوہ.....!“ وہ آہتہ سے ایک قدم آگے بڑھتا ہوا بڑا بڑا یا۔ ”اوہ..... یہ تو ہی۔“ ”کمال کا آدمی ہے۔“ ڈاکٹر بڑا بڑا یا۔ ”خدا کی پناہ۔“

”یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ فحشا تھیلما چیختنے لگی۔ ریوالور ڈیکن کے ہاتھ سے نکل کر پھر حمید ہوتی ہے۔ ہاں بالکل وہی۔“

وہ لڑکی کے قریب پہنچ کر دوز انویٹھے گیا اور اس طرح جھک کر اس کی آنکھوں میں کے قبیلے میں پہنچ چکا تھا اور وہ کوشش کر رہا تھا کہ فریدی کی گرفت سے نکل کر بھاگے۔ اس کے

لگا جیسے بس اب پیچاں کر کی نام کا اعلان کرنے والا ہے۔

لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی اور وہاں افراتقری بچ گئی۔

ڈیکن کی چکنی مچھلی کی طرح اس کی گرفت سے نکل کر حمید سے جاگکر ایسا تھا اور ہمیں جتاب۔۔۔ جتاب۔۔۔ یہ علم ہے۔ اس طرح نہیں۔“

اس نے اس کی پتوں سے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔

”خبردار کوئی اپنی جگہ سے جنسش نہ کرے۔“ وہ دیوار سے لگتا ہوا بولا۔

جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ حمید اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا کیونکہ اس کی۔

اے خفت اٹھانی پڑی تھی۔ ذرا سی بات نہیں تھی کہ کوئی اس کی جیب سے ریوالور نکال لے

”چچھے ہو.....!“ حمید دہاڑا اور ٹھیک اسی وقت لڑکی منٹا یا۔ ”میں سب کچھ بتا دوں گی۔“

”میرے خدا.....!“ ڈاکٹر اچھل پڑا۔ ”کمال ہے۔۔۔ خدا کی قسم کمال ہے۔“

”حمد گاڑی سے بھٹڑیاں۔“ فریدی نے برآمدے سے آواز دی۔ ”چچھل سیٹ کے

نیچے.....ڈاکٹر! لڑکی کا خیال رکھو۔ قانون کے نام پر۔“

وہ ڈیکن کے سینے پر سوار تھا اور ڈیکن کسی تھکے ہوئے چوپائے کی طرح ہاپ ہونتی تھی سے بند تھے۔

ربجے۔ ڈیکن ہی اصل چور تھا اس لئے جب آپ نے اس سے پوچھ گھٹہ شروع کی تو اس نے سوچا شاید آپ کو اس پر شہر ہو گیا ہے۔ لہذا اس نے ایک ایکم بنائی جس کے تحت آپ کا شہر بھی رفع کر دے اور بُرنس بھی جاری رہے۔ لہذا اس نے ایکم ہی کے تحت آپ کو بلیک میر کے طریق کار سے بھی آگاہ کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ آپ بھوری چنان کی نگرانی ضرور کرائیں گے، اس کا خیال تھا کہ ہاتھی کی ٹلاش میں رہنے والوں کی نظر چیزوں پر نہیں پڑتی۔ آپ کو وہاں کسی آدمی کی ٹلاش ہوتی، لیکن پیکٹ تو چوپ ہے کھسکتا ہے اور بھی محض اتفاق ہی تھا کہ اس رات پیکٹ چوپ ہے کی گرفت سے نکل کر نیچے گرگیا تھا اور آپ نے آواز پر مارچ روشن کر لی تھی۔ اس لئے

کچھ دیر بعد وہ پھر انہیں کرسیوں پر نظر آئے۔ ڈیکن اور لڑکی کے ہاتھوں میں آپیکٹ کا چور ظاہر ہو گیا تھا۔ ڈیکن نے آپ سے تھیلے کا تذکرہ تو کیا تھا لیکن آپ کی ہدایت پر تھیں۔ لیکن لڑکی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ غصے میں تھی۔ ڈیکن کی آنکھیں کوئی تھیں۔ آپ کو دیا نہیں تھا۔ وہ ایسا کرہی نہیں سکتا تھا۔ اگر کرتا تو تھیلے کی خصوصیت آپ پر ظاہر ہو جاتی، جہاں کسی چوپ ہے تک اس کی بوپتختی وہ اُسے حاصل کر لینے کے لئے بیتاب اور وہ مُردوں کی طرح آرام کریں میں پڑا ہوا تھا۔

وختا لڑکی غرائی۔ ”ڈیکن..... تم سے زیادہ خود غرض کتا آج تک میری نظروں ہو جاتا۔ بہر حال اس نے یہ کہہ کر آپ کو ٹال دیا کہ اس بارا بھی تک بلیک میلر کی طرف سے تھیا نہیں ملا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا کوئی شکار کبھی آپ تک پہنچنے ہی نہ سکے گا اس لئے اس کا گزرنا۔ میں نے تمہارے لئے اتنی سختیاں جھیلی تھیں لیکن تم مجھے اس کا کیا صلدے تھے۔ زہر ملی سوئی۔ تم نے سوچا کہیں میں پولیس کی سختیوں سے ڈر کر اپنے گوئے۔“ سوال عن نہیں پیدا ہوتا کہ تھیلا کبھی آپ کے ہاتھ لگے۔ ویسے ان شکاروں کے معاملے میں وہ ذرا جھاط ہو گیا تھا جن پر آپ کی نظر پر سکتی۔ بالکل اسی طرح جیسے آپ خود اُسی پر چڑھ دوڑے اعتراف کرنی نہ لوں۔ اس لئے تم نے یہ سوئی۔“

وہ خاموش ہو کر ہاضمی گئی۔ پھر فریدی کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”یہ اتنا کمیتہ اور بے ضمیر آدمی ہے کہ اپنی بیوی کو بھی بلیک میل کرتا رہا تھا۔“ اس نے بھی کہنا چاہیا لیکن فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”میں جانتا ہوں۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت تھیما نے اُسے شکر آمیز نظروں سے دیکھا۔ فیر وزنوں نظر آنے لگا تھا اور اُنہوں نے پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ اس نے پہلے فیر وزن پر نظر ڈالی اور پھر تھیما کی طرز لگا۔ تھیما کی پلکیں جھک گئیں اور ڈاکٹر باہر پھیلے ہوئے اندر ہیرے میں گھورنے لگا۔

”تم ڈاکٹر کے ہاں کیوں آئی تھیں؟“ فریدی نے لڑکی سے پوچھا۔ ”آپ اگر ڈیکن تک نہ پہنچتے تو اس کی نوبت ہی نہ آتی۔ ہم بدستور اپنا آ۔“



بیہل سے چڑے جاتے تھے۔ لیکن ڈاکٹر کو اس کی خبر نہیں تھی۔ اسے شائد یہ بھی نہ معلوم ہے۔ ڈیکن نے اسی کی ایک دریافت سے فائدہ اٹھایا تھا..... یہ دریافت تھی وہ مادہ جس پر پڑ جان دیتے ہیں۔“

”اس سے کس طرح فائدہ اٹھایا۔“ ڈاکٹر چونک پڑا۔ لیکن لڑکی اس کی طرف توجہ بغیر کھتی رہی۔

”میں ڈاکٹر کے یہاں اس لئے آئی تھی کہ پہاڑیوں سے قریب رہ کر ڈیکن کے ٹوٹے شکاروں سے رقومات بھی وصول کرتی رہوں اور جب ضرورت پیش آئے چوہ ہے بھی پہاڑ پر چڑا سکوں۔ گوگنی کا روپ خاصاً کامیاب رہا تھا۔ جب بھی مجھے رات کو قم وصول کرنے پہاڑ میں جانا ہوتا تھا، ڈاکٹر کو کافی میں خواب آؤ دوادے دیتی تھی اور وہ گھننوں اطمینان سے سوتا رہتا۔ پھر فریدی کے استفسار پر اس نے اعتراف کیا کہ ہنری گیل کو اسی نے بیوقوف بنا لائے اور اس صندوق کو کھولنے کی کوشش کرے تو وہ ساری چیزیں خود بخوبی ضائع ہو جائیں۔ قاسم کے متعلق بتایا کہ اس کے معاملے میں اس نے ڈیکن سے مشورہ نہیں لیا تھا۔ بس اس کے متعلق خود ہی معلومات فراہم کر کے کام شروع کر دیا تھا۔

”لیکن شاد وہ آپ تک جا پہنچا تھا۔“ لڑکی نے کہا۔ ”مجھے تو قع نہیں تھی کہ وہ ایسا کرے گا۔ کیونکہ اپنے باپ سے بہت ڈرتا ہے۔“

ڈیکن نے آنکھیں کھولیں اور لڑکی کو گھومنے لگا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

یک بیک حمیدا نے کھنکا کر پٹاخ سے ڈیکن کے منہ پر تھوک دیا..... اور فیروز کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتی ہوئی بولی۔ ”اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں ڈار لگ۔ یہ مرد ایسے ہی ذلیل ہوتے ہیں۔ مجھے اس کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ تم سے بھی اسی قسم کی کوئی ذلالت سرزد ہو گی۔“

”میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں مسٹر فیروز۔“ ڈاکٹر آگے جھکتا ہوا بولا۔ ”اب میں تم سے بھی بے تحاش محبت کر دوں گا۔“

ڈیکن گالیاں بنکنے لگا تھا۔ اس نے چیخ کر کہا۔ ”یہ کہاں کا قانون ہے کہ نسل فریدی کا

میں جانا ہوتا تھا؟ ڈاکٹر کو کافی میں خواب آؤ دوادے دیتی تھی اور وہ گھننوں اطمینان سے سوتا رہتا۔ پھر فریدی کے استفسار پر اس نے اعتراف کیا کہ ہنری گیل کو اسی نے بیوقوف بنا لائے ہے اگر فرید کے نام سے وہی اس کے ٹھکے میں ملازم تھی اور ہنری گیل کیس کا فائل ای۔ اڑایا تھا اور اس نے حمید کو کہتے سننا تھا کہ فلاں دن تاریخ میں کچھ کاغذات لائے گا، یہ ہنری گیل کو پھانسے اور اس معاملے کی پہلی پولیس ہی کے ذریعہ کرانے کیلئے وہ سب کی گیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ اسکے شکار بھیشہ اس سے مرجوب رہیں۔ نہ صرف شکار بلکہ پولیس ہی گیا تھا۔“ ڈاکٹر نے تفہیم لگایا۔ پھر حمید سے بولا۔ ”میں نہیں جانتا کہ پورے واقعہ ہیں۔ لیکن ڈیکن کے متعلق میرا خیال غلط تو نہیں تھا۔ وہ ایسا ہی چہا ہے، جو آدمی پر جھپٹ کے اوہ چوہے دان بھی دیکھے ہی لیا تھے۔“ فریدی مسکرا یا۔

”ڈیکن پر مجھے اسی وقت شہر ہوا تھا جب فون پر کسی عورت کی گیزوی ہوئی مردانہ آئی۔“ اس نے بلاشبہ کوئی زہر استعمال کیا تھا۔ لیکن وہ مہلک نہیں تھا۔ میں نے اس وقت لئے اسے یہاں بلوایا تھا کہ وہ کوئی حرکت کر بیٹھے اور میں اسے رنگے ہاتھوں کپڑلوں پر حمید یہ ہپتال سے سیدھا یہاں نہ آیا ہو گا بلکہ پہلے گھریا آفس گیا ہو گا۔“

”قدرتی بات ہے۔“ حمید نے سر ہلا کر کہا۔ ”پہلے میں ہپتال گیا تھا۔ اس کے بعد“

جاسوسی دنیا نمبر 86

فرہاد ۵۹

(مکمل ناول)

تمہاری موجودگی میں میرے منہ پر تھوکا جائے۔“

”تمہارے لئے تو حقیقت کوئی نیا قانون وضع کرنا پڑے گا۔ لوگ اپنی بیویوں کی رکمزوریاں معلوم کر کے یا تو ان سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں یا انہیں قتل عی کر دیتے ہیں۔ لیکن تم تھیلما کو بلیک میل کرنے لگے تھے۔ لہذا تمہارے لئے جو قانون وضع کیا جاسکتا ہے کا تعمیری پہلو منہ پر تھوکے جانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر میں تھیلما سے درخواز کروں گا کہ وہ خود کو قابو میں رکھیں۔“

ڈاکٹر نے ایک طویل سانس لی اور پھر مسکرا کر بولا۔ ”جسے ہم چاہتے ہیں۔ اس چاہنے والوں سے بھی ہمیں محبت ہونی چاہئے۔“

”محبت.....!“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”محبت صرف اپنے فرزند سے ہونی چاہئے۔“

”ایسی چیزوں سے ہرگز محبت نہ ہونی چاہئے جو داتت بھی رکھتی ہوں۔“

حمدی نے اپنے زخمی ہاتھ کو ٹول کر سکاری سی لی اور ڈاکٹر نے قبیلہ لگایا۔

پھر فریدی کے استفسار پر لڑکی نے بتایا کہ اس بنس میں اس کے اور ڈیکن کے علاوہ کوئی تیسرا شریک نہیں تھا۔ قائم کے معاملے میں اس نے وقت طور پر ایک پیشہ ور اخباری فوٹوگراف سے مدد لی تھی اور اسے ایک بڑی رقم دے کر اس سے تصویر کا گلیٹھ بھی حاصل کر لیا تھا۔

ختم شد

پیشہس

لیجے آج آپ کی یہ خواہش بھی پوری کی جا رہی ہے کہ جاسوسی دنیا میں صرف کیپٹن حمید کا کوئی کارنامہ پیش کیا جائے اور فریدی اس حد تک ”غائب“ ہو کہ حمید اس سے کسی قسم کا مشورہ بھی نہ لے سکے۔

حمید آخر فریدی ہی کا شاگرد تھا..... پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پر کوئی کیس نہ پینا سکے۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ذہین بھی ہے اور پھر تیلا بھی، یہ اور بات ہے کہ فریدی کے ساتھ رہ کر اپنی کھوپڑی سرے سے استعمال نہ کرتا ہو..... یہی چاہتا ہو کہ اس کے سامنے بچہ ہی بنا رہے اس حد تک کہ انگلی پکڑ کر چلنے کی نوبت آجائے۔

اس کہانی میں آپ محسوس کریں گے کہ اس نے ہر معاملے میں فریدی کی پوری پوری نقل اتنا نہ کی کوشش کی ہے۔ لیکن ایک پچویشن ایسی بھی آپ کی نظر سے گذرے گی جہاں فریدی کی نقل مہنگی پڑی تھی۔ پھر اگر قاسم کو ڈھال بنا کر ”حمدیت“ ہی پر نہ اتر آتا تو شاید وہ اس کی زندگی کا آخری دن ہوتا۔

قاسم نے اس بار پڑے تھے بکھیرے ہیں..... اس کی ” Jasusi“ بھی خاصی رہی۔ لیکن اُسے استثنی بنا کر حمید کو کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس نے اسے استثنی کیوں بنایا تھا؟ وہ غیر دلچسپ نہیں۔

ہاں بھی ایک بات اور یاد آئی..... اکثر پڑھنے والوں نے قاسم کی زبان پر اعتراض کیا ہے..... ان کا کہنا ہے کہ کہیں تو ایسا

معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے ”ش“ ”ق“ درست ہی نہ ہوں اور کہیں بہت صاف زبان نظر آتی ہے، لکھتے وقت کہیں آپ ہی کی ذہنی روتوں نہیں بہک جاتی۔

نہیں بھی ایسا نہیں ہوتا۔ اس کے شیئن قاف قطعی درست ہیں۔ بات صرف اتنی کی ہے کہ ذہن ہی کی طرح اس کی زبان بھی قابوں میں نہیں رہتی۔

اب ایک اشد ضروری بات بھی سننے۔ کراچی کے کسی ناگام ادارہ نے بک اسٹال ایجنٹوں کو خطوط لکھے ہیں کہ میں اس کے لئے کتابیں لکھ رہا ہوں۔ اس سلسلے میں بعض ایجنٹوں نے بھی مجھ سے استفسار کیا ہے..... نوٹ تکبیجے کہ وہ کوئی فراڈ ہے۔ چونکہ یہ سردویں کا زمانہ ہے اور اس زمانے میں تفریجی کتابوں کی ماگ بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے ہمیشہ کی طرح تین چار ماہ تک اس بار بھی آپ کو بھانت بھانت کے ”صفیوں“ کا سامنا کرنا پڑے گا..... کبھی کوئی میرے نام میں ایک آدھ نقطے کا اضافہ کر کے دھوکا دینے کی کوشش کرے گا اور کبھی ”ابن“ کو مشدد کر کے پڑھنے والے کی آنکھوں میں دھول جھوٹکے گا۔ لہذا آپ خود ہی ہوشیار رہئے۔

یہ چند سطور اُن ایجنٹوں کے استفسار پر لکھی گئی ہیں جن کے پاس ادارہ کے خطوط پہنچے ہیں..... ورنہ مجھے اس کی زیادہ پرواہ نہیں ہوتی کہ میرے خلاف کون کیا کر رہا ہے۔

اس سے مگر خلاصی ہو جاتی۔ پہلے بھی اکثر قاسم اس کا تعاقب کر چکا تھا۔ اس بار پھر کرتا اور نمیک اسی ہوئی میں پہنچ کر دم لیتا جہاں حمید نے قیام کیا تھا۔
غلظی دراصل اسی کی تھی۔ قاسم سے تذکرہ کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ چھٹیاں

گزارنے رام گذھ جا رہا ہے۔

بہر حال ہوئی غلطی تو خیازہ بھی اسے ہی بھکتا پڑا۔ ادھر قاسم نے بکرے کی مسلم ران ادھر زندگی شروع کی اور ادھر لوگوں کی نظریں اٹھنے لگیں۔ پرانی کہانیوں کا دیویز اد بکرے کی بھنی ہوئی ران سے شغل کر رہا تھا۔ وہ بھی اس انداز سے جیسے کسی دیرانے میں بیٹھا ہو۔ آس پاس کے ماحول سے بے خبر۔ حالانکہ یہاں پہنچ کر کھانا کھانے کا محرك بھی ماحول ہی ہوا تھا۔ لیکن کھانا آجائے پر کہاں کا ماحول اور کہاں کی رنگیں لہریں۔ جس طرح مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے اسی طرح قاسم پیٹ کے پیچھے بھاگنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ کھاتے وقت اگر اندر کے اکھاڑے کی پری بھی سامنے آ کھڑی ہو تو کیا مجال کرمیاں قاسم آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہیں۔

پھر قاسم تمباش بن گیا۔ حمید نے چاہا کہ دوپہر کا کھانا کمرے ہی میں کھائے لیکن قام ساری وجہ کھانے ہی کی طرف ہوئی تھی۔

اڑ گیا کہ ڈامنگ ہال ہی بہتر رہے گا۔ وجہ نہیں بتائی تھی۔ یہ کیسے کہتا کر۔ یہاں آس پاس کی لوگ اسے گھوڑتے رہے اور وہ گرد و پیش سے بے خبر معدے کا وزن بڑھاتا رہا۔ کچھ دیر بعد ران کی ہڈیاں ایک خالی پلیٹ میں رکھتا ہوا بولا۔ ”سالے تین بوٹیوں والی بریانی لائے شوخ اور چمکیلے رنگ لہریں لے رہے ہیں۔ حمید اسی وعدے پر اسے اپنے ساتھ رام گذھ لایا تھا کہ وہ رنگیں لہروں کے چکر میں پڑ کر حماقتیں نہیں کرے گا۔ قاسم نے خوب منہ پیٹھا اور عہد کا چاول میں گوشت.....!“

تھا کہ ایسا ہی ہو گا۔ اس نے کہا تھا۔

گوشت میں چاول یا چاول میں گوشت کا مسئلہ وضاحت طلب تھا۔ لیکن حمید نے سنی ان کی کردوی اور قاسم نے مرغ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

بسیکل کھانا ختم ہوا اور قاسم نے نیکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے چاروں طرف نظر دوزائی اور ایک بار پھر اس کا ذہن رنگوں کے سیالاب میں بچکو لے لینے لگا۔

کچھ دور تسلی اس کی طرف دیکھ کر آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں اور حمید سوچ رہا تھا کہ اب وہ اور زیادہ ڈیوٹ ہو جائے گا۔

”آئے حمید بھائی..... میں کھد بھی چاہتا ہوں کہ بالکل شریف، ہوجاؤ مگر نہ جانے قیوں۔“
بات آگے نہیں بڑھی تھی اور حمید اسے ساتھ لانے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ فریدی بھی ان دنوں شہر میں موجود نہیں تھا اس لئے حمید کو ایک ماہ کی رخصت حاصل کر لینے میں دشواری نہیں پڑی۔ آئی تھی۔ خیال تھا کہ کچھ دن سکون کے ساتھ رام گذھ میں گزارے جائیں گے۔

پھر شامت ہی تو تھی کہ اس بلا کو ساتھ لایا تھا۔ گروہ کیا کرتا۔ یہ بلا ایسی نہیں تھی کہ الٰہ سے مل جاتی۔ حمید اسے کپڑہ کر کسی صندوق میں تو بند نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے ساتھ نہ لاتا..... لیکن

”یار میں پانل ہو جاؤں گا۔“ قاسم کچھ دیر بعد کہا۔
پھر اس کے چہرے پر جلاہت کے آثار نظر آئے اور وہ حید کو گھوننے لگا۔ غالباً
”تم کس کی بات کر رہے تھے؟“
”تم کس کی بات کر رہے تھے؟“

”یار میں پانل ہو جاؤں گا۔“ قاسم کچھ دیر بعد کہا۔

جلاہت کا باعث حید کی خاموشی ہی تھی۔

”آئے..... قیامہ میں مینگیاں بھر کر بیٹھے ہو۔“ اس نے غصیلی آواز میں کہا۔

حید کو ہنسی آگئی۔ ”تو زدی نا محاورے کی تائگ۔“

”منہ میں گھوکلیاں بھرنا محاورہ ہے۔“ اس نے کہا۔

”محاورے کی ایسی کی تیسی۔ تم نے مجھ سے یہ قیوں کہا تھا کہ میں یاں ملبوں کے چکریں حید خواہ خواہ مسکرا دیا..... اور قاسم میز پر ہاتھ مار کر بولا۔“ ہے تاہمی بات! میں سب نہ رہوں گا..... قیوں نہ رہوں۔ قوں سالار واقعے غامجھے اور پیٹا تم کب سے پارسا ہو گئے ہو۔ سمجھتا ہوں۔ مگر دیکھنا ہے کہ وہ بی گلہری خام مرایا بazaar لیتی ہیں۔ آئے تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا۔ بس اسی کی ترپھداری کئے جاؤ گے۔“

”زیادہ ہنسنے سے آدمی غر حال ہو جاتا ہے۔“

قاسم چند لمحے خاموش سے اس کی طرف دیکھتا ہا پھر جھک کر آہستہ سے راز دارانہ دھامکیں نکالے ہوئے اُسے گھوڑا رہا۔
”دھامکیں ہو کر آنکھیں نکالے ہوئے اُسے گھوڑا رہا۔“
”میں کسی کی بھی طرفداری نہیں کرتا۔ بس تمہیں ایک ڈھنگ کی بات سمجھانے کی کوشش میں بولا۔“ تو رویا کروانا ان کے سامنے..... میں نے قسی ناول میں پڑھا تھا کہ ہیرود کو ہیرود کی تھی۔ دیکھو گو۔۔۔ اکثر کسی مصیبتوں میں پھنس جاتے ہو۔ ایسے بھاری بھر کم آدمیوں کے لئے آنسو بڑے اچھے لگتے ہیں۔۔۔ آبے تو ہیرود کو بھی ہیرود کے آنسو اچھے ہی لگتے ہوں گے۔
ڈیکھوں کا چکر ہی فضول ہے۔ جو کسی موقعہ پر جان بچا کر بھاگ بھی نہ سکیں۔“
اب اسی طرح کریں۔“

قاسم کی پھیلی ہوئی آنکھیں آہستہ آہستہ ڈھنلی پڑتی گئیں۔ شاید وہ اس لکنے پر غور کرنے لگا تھا۔
”کبھی اپنی گھر بیلہ ہیرود کے سامنے آزماؤ۔“

قاسم نے ایسا ابرامند بنایا جیسے کوئی پاؤڈر کا کپسول زبان پر رکھتے ہی پھٹ گیا ہو۔
آخوند کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”پھر میں قیا کروں۔۔۔ جی گھبرا یا کرتا ہے۔۔۔
گھر میں جیلن نہ باہر جیلن۔۔۔ گھر میں بھی بھاری بھر قم اور باہر بھی۔۔۔ یا اللہاب اٹھا ہی لے اس
سالے بھاری بھر قم کو۔ کصہ پا ق ہو جائے۔“

”کیا اس کا نام ہیرود ہے۔“

”تمہیں خیال قیسے آیا اس کا۔“

حید نے سوچا بات بڑھ جائے گی۔ حقیقت تو یہ تھی کہ وہ اچھے موڈ میں تھا نہیں۔
چاہتا تھا۔ جسمانی طور پر نہ سکی ذہنی طور پر سکی۔ لیکن ایسی صورت میں جب کہ کوئی دلائی اور بولنے پر مجبور کرنے والا بھی موجود ہو، ذہنی تہائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔
”آسے تو پھر مجھے جاسوسی ہی سکھاؤ۔ شاید جی بہل جائے۔ اس میں بھی تو برا جما آتا ہو گا۔“

پک اس طرح خاموش ہو جائے جیسے گھنٹوں سے ہونٹ سینے بیٹھا رہا ہو۔
اداں کا دورہ اکثر دیر پا ثابت ہوتا تھا اور اپنے ماحول سے فرار کے باوجود بھی اُسے تھائی
کی تلاش رہتی تھی۔

رام گذھ جانچنے پر اس نے پہلے کوئی ایسا مکان ہی تلاش کیا تھا جو کچھ دنوں کے لئے کراچی
پریل سکتا۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ یہ اکتوبر کا مہینہ تھا اور یہاں سردی بڑھ گئی تھی لیکن
چر بھی میدانوں سے آنے والے سیاح رام گذھ ہی سے چیز رہنا چاہتے تھے۔ پھر مجوراً ہوئی
کارخند کرتا تو جاتا کہاں۔

ڈائینگ ہال سے اٹھ کر وہ اپنے کمرے میں آیا اور کھڑکی میں کھڑا ہو گیا۔ مطلع ابر آلو
تھا۔ حدنظر تک سر بر ز پہاڑیاں بلکھری ہوئی تھیں جن پر جگہ جگہ رنگین اور متھر ک دھبے نظر آرہے
تھے۔ یہ سیاحوں کی ثولیاں تھیں۔۔۔ کس سے نچلا بیٹھا جاتا ہے یہاں۔ اس نے سوچا! لیکن وہ کیا
کرے۔ یہ اداں۔ یہ بیزاری۔ آخر کیوں؟ کب اس سے نجات ملے گی۔ وہ کیا چاہتا ہے۔
تھائی۔۔۔ مگر کیوں؟ وجہ۔۔۔ کوئی وجہ نہ تھی۔۔۔ وہ اپنے ذہن کو کریڈنے لگا۔ لیکن اداں کی
جزوں تک نہ پہنچ سکا۔

اس مسئلے سے الجھنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس پر جب بھی اداں کا دورہ پڑتا وہ اپنے ذہن
کو کریڈے بغیر نہ چھوڑتا۔ لیکن آج تک اس اداں کی وجہ نہیں دریافت کر سکا۔

پھر یک بیک قاسم کا خیال آیا۔ اس کا کمرہ بھی اسی رہبداری میں تھا۔ لیکن وہ مقفل نظر آیا۔
شام کی چائے محبید نے ڈائینگ ہال ہی میں پی۔ اب وہ کسی قدر بشاش تھا۔ اب ایسے
میں اگر کچھ ساتھی مل جاتے تو شائد ایک بار پھر وہ کسی کھلنڈرے آدمی کے روپ میں نظر آتا۔
سماں ہے چونکے گئے۔ اندھیرا اچھیل گیا۔ لیکن قاسم کا کہیں پتہ نہ تھا۔

رفعتاً سے خیال آیا کہیں قاسم کوئی حماقت نہ کر بیٹھا ہو۔ پیچھا چھڑانے کے لئے ایسا
خدوش طریقہ اختیار نہ کرنا چاہئے تھا۔ پھر؟ اب کیا کیا جائے۔
قاسم علی ٹھہرا۔ ہو سکتا ہے تعاتب کا سلسلہ طویل ہوتے دیکھ کر اکتا گیا ہو اور متعاقب کو

”ہاں اسی وقت جب تم کسی مشتبہ عورت کا تعاقب کر رہے ہو۔“

”اب دیکھو..... اب دیکھو..... سالے تم ہی عورت نکال رہے ہو۔“

محید چاہتا تھا کہ کسی طرح فی الحال اس سے پیچھا چھوٹ جانے۔ اس نے اس
جاسوسی سکھانے کا تھبہ کر لیا۔

”اچھا.....!“ اس نے مٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”پہلا طریقہ یہ ہے کہ تم تعاقب کر۔“

”عورت کا۔“

”نہیں مرد کا۔“

”چلو ٹھیک ہے۔“ اس نے سرہا کر کہا۔

”وہ دیکھو..... وہ موٹا آدمی اپنی جگہ سے اٹھ رہا ہے..... غالباً باہر جائے گا۔“
تعاقب کر کے معلوم کرو وہ کون ہے۔ کہاں رہتا ہے اس کا کیا نام ہے۔ کیا کرتا ہے۔“

”ابے پہلے ہی دن اتنا کام..... اچھا میں صرف گھر دیکھ آؤں گا۔ اتنا پتہ نہ لاؤں!
”چلو یہی سہی..... جلدی کرو۔“

جس آدمی کا تعاقب کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا وہ پست قد تھا اور قد کی مناسبت سے
پھیلاوہ بہت زیادہ تھا۔ اگر قاسم پر گنبد نما مینار کی بھیتی کی جائیں تو وہ صرف گنبد تھا۔
آگے پیچے ڈائینگ ہال سے نکل اور محید نے اطمینان کا سانس لیا۔

وہ یہاں بہت اچھے مودہ میں نہیں آیا تھا۔

آمد کا مقصد تھا ماحول کی کیسانیت سے پیچھا چھڑانا۔ لیکن عجیب بات ہے کہاں
باوجود بھی تھائی کی تلاش تھی۔

محید کے بارے میں یہ کہنا قطعی غلط ہو گا کہ وہ ہمیشہ ہی کھلنڈرے پن کے مودہ
تھا۔ لیکن مودہ تی تو بہر حال تھا۔ ابھی نہیں رہا ہے۔۔۔ قبیلہ لگا رہا ہے۔۔۔ دوسروں کی
اچھاں رہا ہے اور خود بھی تماشہ بن رہا ہے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اسی ہنگام سرمنی میں کہ
کے ذہن کے کسی ناریک گوئے سے اداں کی ایک بلکل سی اہر شعور میں ریگ آئے اور“

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سارا دن چلتے ہی گزرا ہو۔ حمید کو دیکھ کر اسی طرف آیا اور بیٹھ کر کسی تم رسیدہ پر وہ کی طرح کر رہا۔ لیکن حمید اب اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اب تو اس کی نظر پلے رنگ کے اس بیٹھی جو اس کے کوٹ کے کار سے پن کیا ہوا تھا۔

اس بیٹھ پر سرخ رنگ سے تحریر تھا

”عوای زچ خانہ“

قامت نے اسے جو اس طرح گھورتے دیکھا تو اکثر کر بیٹھ گیا اور اُس کے ہوتوں پر ایک رکھا۔ پتہ نہیں کس طرح انہیں دنوں ایک شاعر لا گو ہو گیا تھا۔ چوہیوں گھنے اس کے پر؟ ”لبی کی“ مکراہت نظر آئی۔

حمد اُسے حرمت سے دیکھتا رہا۔ یہ حمافت تو تھی۔ لیکن ”پراسرار“ مگر اسے یہ چھپا ہوا بیچ لٹا کہاں سے؟

”تم عوای زچ خانہ کب سے ہو گئے؟“ اس نے پوچھا۔

”آج ہی سے۔“ بوی سنجیدگی سے جواب دیا گیا۔ پھر یہ بیک اس نے آگے جھک کر آہستہ سے پوچھا۔ ”یہ چ کیا چیز ہوتی ہے۔۔۔ حمید بھائی۔“

حمد نے پھر آنکھیں نکالیں۔

”یہ تمہیں ملا کہاں سے؟“

”بھیگے سے۔“ قامت جلا گیا۔ ”جو میں پوچھتا ہوں وہ نہیں بتاتے سالے۔“

”اُس عورت کو کہتے ہیں جس کے ہاں ولادت ہوئی ہو۔“

”ولادت۔“ قامت نے اس انداز میں دہرا یا جیسے ولادت کا مطلب سمجھنے کے لئے ذہن پر زور دے رہا ہو۔

”نہیں سمجھا۔“ آخراں نے کچھ دیر بعد کہا۔

”ابے اُس عورت کو کہتے ہیں جس کی پچھا ہوا ہو۔“

”جھوٹے ہو سالے۔“ قامت غریا۔۔۔ لیکن غیر شعوری طور پر اس کا باہتھ بیچ کی طرف گیا

اور اسی پر جم کر رہا گیا۔ پھر چاروں طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے اندازہ کر رہا ہو کہ کسی نے

قامت کی بیوی کچھ دنوں کے لئے مائیکے چل گئی تھی اور قامت نے تبیہ کیا تھا کہ درویشوں کی طرح زندگی بسر کرے گا۔ سارے توکر کمال باہر کئے۔۔۔ حتیٰ کہ باور چیزیں رکھا۔ پتہ نہیں کس طرح انہیں دنوں ایک شاعر لا گو ہو گیا تھا۔ چوہیوں گھنے اس کے پر؟ ”لبی کی“ مکراہت نظر آئی۔ رہتا اور غزنیں مار مار کر قامت کو ادھ مرما کر دیتا۔ آخراں سے پچھا چھڑانے کے لئے قامت اپنی عقل بھر ایک تدیر بھی کر دیا۔ صدر دروازے میں قفل ڈال کر اندر بیٹھ رہتا۔ شاعر صاد آتے اور دروازہ مغلبل دیکھ کر واپس چلے جاتے۔ ایک شام حمید بھی جا پہنچا۔ کپاٹ غم میں دیکھ کر حرمت تو ہوئی لیکن وہ آگے بڑھتا ہی گیا۔ صدر دروازے پر نظر نہیں پڑی تھی۔ ہاؤ کے پیش بٹن پر پڑا۔۔۔ پھر وہ گھنٹی بجا تھی چلا گیا۔

آخر اندر سے قامت کی غصیلی آواز آئی۔ ”ابے اور خبیث۔۔۔ اندھا ہے کیا۔۔۔ دیکھاں سالے دروازے میں تالا لک رہا ہے۔“

تو اسی طرح کوئی حمافت اس تعاقب کے سلسلے میں بھی ہو گئی ہو۔ وہ تو اکتا کر یہ مکا بیٹھتا۔ ”ابے سالے کہیں گھر بار بھی ہے تمہارا یا بس مژرگشتی ہی کرتے پھر و گے۔ مر بھی جلدی سے۔“

حمد نے اُس دیڑ سے بھی قامت کے متعلق پوچھا جوان کے کمروں میں طلب کی۔ ”پھر زور دے رہا ہو۔“ چیزیں پہنچاتا تھا۔ لیکن اس نے بھی لاعلی نظاہر کی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ اسی وقت غائب ہے۔ درمیان میں ہوٹل واپس نہیں آیا۔

لیکن حمید اسے ڈھونڈتا بھی کہا۔ رام گذھ جھوٹی سی جگلو تھی نہیں۔ وہ ڈائینگ ہال میں بیٹھا پاپ میں تمبا کو پھونکتا رہا۔ سیا ہوں پر ہاتھ صاف کرنے والی کمی پیشہ در لے کیا۔ اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا لیکن اس نے لفٹ نہ دی۔

آخر ٹھیک سائز ہے سات بجے قامت کی شکل دکھائی دی۔ چہرے پر ہوا بیان اذر رکھا۔

”جس سے دل جا ہے پوچھلو۔“

”ہوں.....!“ اس بار اسکی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ”میری سالی تقدیر ہی اونٹگی ہے۔“ وہ ذریب آ کر رک گیا اور اس کے تیور خراب ہی رہے۔ عمر پچس اور تمیں کے درمیان بھی ہو گی۔ قوی مضبوط معام ہوتے ہے۔ قبول صورت بھی تھا لیکن لباس کے معاملے میں ”میں سمجھتا تھا اس تینم خانہ کو کہتے ہوں گے جس میں بہت چھوٹے چھوٹے بیٹے رہے ہیں جو ہم کا جا سکتا تھا۔ بال بے ترتیب سے پیشانی پر جھکے ہوئے تھے۔“

”فرمائیے۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”پھر بھی کیا بات ہوئی۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”آپ اپنے دل کیکھ میسر۔“ اکر نے حمید کی پروادا کے بغیر قسم کو مقاطب کیا۔

”ابے کچھ بات ہی نہیں ہوئی۔ ساڑھے سات سو جنگ کے تھے۔ یوں سمجھ میں نہیں آئے۔“ قیام نے سراہما کر بھاڑ سامنے کھول دیا۔

گا۔ بتاتا ہوں۔ یہ سالا موٹا یہاں سے نکل کر نیکی میں بیٹھا تھا۔ میں دوسرا نیکی میں بیٹھا تھا۔ اپنی رقم واپس لے کر رسید بھی دے دیتھے۔“ اس نے کہا۔

”تو نہ ہوم.....!“ قیام نے آنکھیں نکالیں۔

”بیٹھ جائیے نا۔“ حمید نے کہا۔ ”مجھے بتائیے کیا بات ہے۔“

پھر ایک مغلنی یگم نے کہا جو حضرات چندہ جمع کرنا چاہیں اپنے ہاتھ اٹھادیں۔ بس کیا ہتاو۔ اس سالے میں تو میں نے بھی اٹھادیا۔ اس کے بعد لگایا گیا۔ میرے بھی لگا بساے طے کیا ہوا کوئی معاملہ خاندان کے دوسرے افراد کے لئے قابل قول نہیں ہو سکتا۔“

گیا۔ پھر ہم جھولیاں لے کر باہر نکلے اور چندہ جمع کرنے لگے۔ وہ میرے پاس ہی کھڑا تھا۔ ”اوچا کے بیٹھے تم ہو توون! میں تمہیں نہیں جانتا۔ تم کہاں کی باتیں کر رہے ہو۔“ قیام اس نے میری طرف دیکھا میں نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرایا تو میں بھی مسکرایا۔ اس ایسا نے دانت نکال لے تو میں نے بھی نکال دیے۔ بس اس طرح جاسوئی کرتا رہا۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔“ ”اکی مکان کی باتیں جس کا تین ماہ کا کرایہ آپ نے پیش کیا ہے۔“

”ہاں تو پھر۔“ حمید نے اس آدمی کی طرف دیکھا جو قسم کی جانب ایسے انداز میں بڑھ رہا تھا جیسے اس مکان ہم نہیں اٹھانا چاہیے۔“

”ابے جاؤ۔۔۔ پھر شستے اٹھائیں گے تمہارے۔۔۔ رسید ہے میرے پاس۔“

”میرے بھی قیام کی شکل دیکھتا اور کبھی اجنبی کی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس قسم کی گفتگو کیسا مکان۔۔۔ کہاں کی رسید۔۔۔ اور یہ بیچا بیٹھج۔۔۔“

”وہ مکان کرائے پر اخانے کے لئے نہیں ہے۔“ اجنبی نے پھر سخت لمحے میں کہا۔



”پھر وہ سالا بورڈ کیوں لٹھ رہا ہے.....کہ قرایہ پر دینے کے لئے خالی ہے۔“

”چچا جان کی زبردستی۔“

”وزرا ایک منٹ تھہریے۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”قصہ کیا ہے؟ ذرا محنثے ہو۔“

”بچھے بتائیے۔“

”ابنی خاموش ہو گیا۔ کبھی حمید کی طرف دیکھتا اور کبھی قسم کی طرف۔ قاسم کی آنے کا بازہ کر دیتے ہو۔“

”بڑے بھائی۔“ حمید گھٹھیا۔

”چلو کھیر.....!“ قاسم کی آواز ڈھیلی پڑنی۔

”ہاں تو جناب۔“ حمید ابھی کی طرف مڑا۔.... قاسم کو پھر زچہ خانے والے بیچ کا خیال

آگیا تھا اور اب وہ اُسے اپنے کوٹ کے کارے نے نکال رہا تھا۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا جناب۔“ ابھی بولا۔ ”چونکہ ایک بار خاندان والے مشکلات کا

شکار ہو چکے ہیں اس لئے نہیں چاہتے کہ مکان کرایہ پر اٹھایا جائے۔ انہوں نے تین ماہ کا پیشگوئی کرایہ ادا کر کے چچا صاحب سے رسید لی تھی۔ کوئی اس وقت اس کی مخالفت نہ کر سکا۔ لیکن ہمارا فرض ہے کہ ہم آپ کو آگاہ کر دیں اور وہاں قیام کرنے سے باز رکھیں.... روپے میں واپس لایا ہوں۔ رسید واپس کر دیجئے۔“

”کیا آپ نے چچا صاحب کو رضا مند کر لیا ہے۔“

”ان سے الجھنے کی آس میں ہمت ہے۔ نہیں پتے ہی نہیں۔ وہ یہوں مجھیں گے کہ آپ کرایہ ادا کرنے کے بعد پروپرٹیٹر کا شکار ہو کر خائن ہو۔ ہیں اس لئے آپ کی واپسی نہیں ہوئی۔ کئی بار ایسا ہوا۔ ہے۔ بے خبر لوگ پھنس گئے ہیں اور خاندان والوں نے ان کے پے واپس لئے ہیں۔ انہیں حالات سے آگاہ کیا ہے۔“

”آخر وہ اُسے کرایہ پر اٹھانے پر ہی کیوں مصروف ہے ہیں۔“

”بچک ہے۔ بالکل نئی آدمی ہیں۔ ابھی آپ نے زچہ خانے والے بیچ کا تذکرہ کیا تھا۔“

آن ان کے کوٹ کے کارے پر بھی ایسا ہی ایک بیچ دیکھا گیا ہے۔.... پتہ نہیں کہاں پھنس گئے تھے

”اے نکالو.....!“ حمید نے جملائے ہوئے بیچ میں کہا۔

”او..... او۔۔۔ او۔۔۔“ قاسم نے چونکہ کر اُسے پھر ہاتھوں سے چھپا لیا۔

لیکن اب حمید ابھی کی طرف جواب طلب نظرتوں سے دیکھ رہا تھا۔

”چچا صاحب جھکی ہیں۔“ ابھی نے کہا۔

”مجھے ان سے ملنے کا شرف نہیں ہو سکا۔“ حمید بولا۔ ”میں سرے سے جانتا ہی نہیں“

کس مکان کا تذکرہ ہے اور یہ حضرت کیا کر کے آئے ہیں۔“

”آئے۔۔۔ تم خود حضرت۔“ قاسم نے پھر آنکھیں نکالیں۔

لیکن حمید اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔

”ابھی بولا۔“ چچا صاحب کے مکان کا ایک حصہ آسیب زدہ ہے۔ اس لئے اُن

کر دیا گیا ہے۔ عرصہ سے خالی پڑا ہے۔۔۔ چچا صاحب کی ضد ہے کہ خالی پڑے رہے:

فائدہ۔ اپنی ضد کے پکے بھی ہیں اس لئے برآ راست مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ انہوں نے

کرایہ پر اٹھانے کا بورڈ بھی لٹکا رکھا ہے۔۔۔ لوگ آتے ہیں تو انہیں حقیقت سے آگاہ کرنا

ہے۔ وہ مان جاتے ہیں۔۔۔ اسی لئے مکان اب تک خالی پڑا ہوا ہے۔ ورنہ اس کے

گذھ میں ان دونوں کوئی خالی مکان رکھا دیجئے۔ میں جھک کر سات سلام کروں گا۔“

”کر کے دیکھو۔“ قاسم نے غصیلے لمحے میں کہا۔ ”میں خوب سمجھتا ہوں سات“

مطلوب (باچھیں چاڑکر) سات سلام کریں گے بیچارے۔“

اور کس کے لئے چندہ اکٹھا کرتے رہے تھے۔

”آپ ان کا لیج بھی تو دیکھئے۔“

”بڑی شریعت سے پیش آ رہا ہوں..... ہاں..... ورنہ میں تو۔“ قاسم نے سر ہلا کر کہا۔

”دیکھئے۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر قاسم کو خاموش کرتا ہوا اپنی سے بولا۔ ”کرایہ ادا کر کے یہ

”جی ہاں..... وہ رات کو سورہا تھا۔ یک بیک بستر میں آگ لگ گئی تھی اور وہ بیشکل خود ریڈے لے چکے ہیں۔ ریڈے کا مطلب ہے تین ماہ کا معاهدہ۔ رقم پیشگی لی گئی ہے۔ فرض کیجئے ہم

کو محفوظ رکھ سکتا ہیں۔ اس کے پنگ کے نیچے تازہ خون پھیلا ہوا نظر آیا تھا۔“

”لیکن اس کے باوجود بھی ان کی جھک برقرار ہے۔“

”اس نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔“ جی ہاں۔ کہیں سے ایک عامل پکڑ لائے تھے۔ جس نے

”اُسے چھوڑ دیئے! وہ دوسری بات ہے۔“

”چھوڑنا لکھا تھا اور خاصی بڑی رقم ایسے کرنے کا نیت یقین دلا دیا تھا کہ بھوت بھاگ گئے لیکن گم

”قطعاً دوسری بات نہیں ہے۔ آپ کے بچا صاحب نے تین ماہ کا کرایہ پیشگی اسی لئے

دارے اب بھی راتوں کو وہاں عجیب قسم کی روشنیاں دیکھتے رہتے ہیں۔ آوازیں سنتے رہتے ہیں۔ وہیں نے بھوتوں والی کہانی بتائی تو نہیں تھی۔

”رقم پہلے وصول کر لی تاکہ اگر بعد کو بھوتوں والی کہانی سن کر ہم بھاگیں بھی تو اس رقم کی واپسی کا

”بڑی عجیب بات ہے۔“

”میں کہتا ہوں آپ خود سوچئے کہ اس زیرن میں بھی وہ خالی پڑا رہا ہے۔ جب کہ رام

”گذھ میں کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں رہی۔“

”دیکھنے کی رقم تھی۔“ حمید نے قاسم سے پوچھا۔

”تو سورو پے۔“ قاسم نے جواب دیا۔

”میں لا یا ہوں۔“ اپنی جیب پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”اُسے دل سے ضرب دے دیجئے۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔

”کیا مطلب.....؟“

”حاصل ضرب نو ہزار کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا۔“ حمید کی مسکراہٹ بدستور قائم رہی۔

”اوو.....!“

”یہ بات ہوئی ہے۔“ قاسم نے میز پر ہاتھ مار کر اچھلنے کی کوشش کی لیکن گد بدا کر رہا

گیا۔ ”اُسے حمید بھائی۔ آج معلوم ہوا کہ وکی میرے ہمدرد ہو۔“

قاسم نے پھر کچھ کہنے کے لئے آنکھیں بکالی تھیں اور حمید نے پھر بڑے بھائی والا نہ آزمایا تھا۔

”کیا کبھی کسی کرایہ دار کو وہاں رہ کر کوئی نقصان بھی پہنچا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”جی ہاں..... وہ رات کو سورہا تھا۔ یک بیک بستر میں آگ لگ گئی تھی اور وہ بیشکل خود ریڈے لے چکے ہیں۔ ریڈے کی مدد سے رہ سکتے ہیں۔ بھوتوں والا مخالفتی الحال الگ ہی

کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ اس کے پنگ کے نیچے تازہ خون پھیلا ہوا نظر آیا تھا۔“

”لیکن اس کے باوجود بھی ان کی جھک برقرار ہے۔“

”اس نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔“ جی ہاں۔ کہیں سے ایک عامل پکڑ لائے تھے۔ جس نے

”کچھ پڑھا لکھا تھا اور خاصی بڑی رقم ایسے کرنے کا نیت یقین دلا دیا تھا کہ بھوت بھاگ گئے لیکن گم

”وائلے اب بھی راتوں کو وہاں عجیب قسم کی روشنیاں دیکھتے رہتے ہیں۔ آوازیں سنتے رہتے ہیں۔ وہیں نے بھوتوں والی کہانی بتائی تو نہیں تھی۔

”ہم پہلے وصول کر لی تاکہ اگر بعد کو بھوتوں والی کہانی سن کر ہم بھاگیں بھی تو اس رقم کی واپسی کا

”مطالہ نہ کر سکیں۔“

”میں کہتا ہوں آپ خود سوچئے کہ اس زیرن میں بھی وہ خالی پڑا رہا ہے۔ جب کہ رام

”گذھ میں کہیں تل رکھنے کی جگہ نہیں رہی۔“

”دیکھنے سے۔“ قاسم بول پڑا۔ ”ہم دستیں گے قیسے بھوت ہیں۔ ارے میاں..... برف

کے بھوت۔“

”بڑے بھائی۔“ حمید جلدی سے بول پڑا۔

”تم خود بڑے بھائی۔ میں تجھ نہیں سنوں گا۔ ابھی سامان اٹھا کر وہیں لے جاؤں گا۔

”رسید ہے میرے پاس..... مر گئے روکنے والے۔ آجی ہاں۔“

”اگر آپ نے خدا کی تو بھگتیں گے۔“

”آپ کا لیج بہت خراب ہے جتاب۔“ حمید نے کہا۔ ”اس قسم کا لیج ہم اس وقت اختیار

کر سکتے ہیں جب آپ نے ہمیں دھوکہ دے کر ایسا کوئی مکان ہمارے لگے لگایا ہوتا۔“

”دلیل آپ نوہزار لے کر رسید واپس کریں گے۔“ اجنبی کا لبچہ پھر سخت ہو گا۔

قطعی..... ہم نے تو پیشگی کرائے اسی لئے ادا کسا سے کہ مکان میں رہیں گے۔

“!... قیوں ”

“اگر اسی طرح بتاتے پھرے کہ تم سراغِ رسان ہو تو کیسے کام چلے گا..... پیارے۔”

بھی لوگ حانستہ ہیں، کہ مکان آسٹن زدہ سے۔ ہم رکوئی فہری داری تھیں جو کہ۔

”هر فرگر سچے“ جسہ باج میں اتسکا کو محظا ہوا اولا۔ ”ہم اک رہگان میں داشت۔“

نقلے دوں گا جہاں سے۔“

”احماد بتاؤ کا قصہ تھا۔“

اے وہی موٹا..... ہم دونوں چندہ جمع کر رہے تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرا یا..... میں اسے

ج، نالہ والی سے شناخت کچھ بھی، ”نے خدا اپنے میں بے۔“

گے۔ کہنے لگا کاش میں بھی آپؑ کی طرح لمبا ہوتا۔ میں نے کہا اب ہو جاؤ گے۔ فکر کی بات

نہیں..... اللہ تمہیں لمبا کرے گا انشاء اللہ۔ پھر بولا آپ کی طرف سے اختار دل کھینچتا ہے.....

انہی چونکے را اسی طرف دیکھنے لگا۔ پھر ہاتھ اٹھا رہتا تھا اور شامدی لوٹھیر رہنے کا اندازہ آپ کہاں رہتے ہیں۔ میں نے کہا جوہل میں۔ کہنے لگا جوہل کا راستہ، کہاں پڑھتا ہے اسے جوہل

فرید کے نام پر قائم اسے آئھیں پھاڑ پھاڑ کر دینے لگا تھا۔

انی زور دار حاسو کی۔“

”کثی بار کہوں..... کہئے تو اسی جملے کو ریکارڈ کر کے آپکے حوالے کر دیا جائے۔“ جیدا

”آپ کی مریضی..... خود ہی اندازہ ہو جائے گا۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا اور اسی میز کی طرف: ”تو مکان، کمالا،“ جو نہیں۔

اے اک اک اے اک اے
”آئے پھر ملے میدے پوچھا۔
اے آواز آئی تھی۔

”اب بتاؤ بیٹا..... یہ تم نے برف کے بھوتوں کی بات کیوں شروع کی تھی؟“

”بیمار ہاتھا سالے کو.....!“
”کچل اے کاتے۔“
”یہ بھائی۔ اے لیا بتاؤں..... عی عی عی۔“

۱۰

.....یاں۔“ وہ ایک ایک نکٹرے پر زور دے کر بولا۔

۔ میں پھر وہی۔ ” ہمید نے آنکھیں نکالیں۔

”جب تم نے اس موئے آدمی سے مکان کے لئے گنتگو کی تھی کوئی اور بھی تھا وہاں۔“

”بیبا تو کر دو یا میلیاں تھیں..... فل فلوٹیاں تھیں۔“

”انہوں نے اس پر اعتراض کیا تھا۔“

”اُرے اگر وہ اعتراض کر دیتیں تو میں کرایہ دیتا ہیں قیوں۔“

”اچھا اگر..... ان میں سے کوئی آئے اور کرایہ واپس کرے تو۔“

”واپس لے لوں گا۔“ قاسم نے بڑے خلوص سے کہا۔ ”تو حلوائی کو ایک بار کہتے سناتھا کجورو کے علاوہ اور ہر عورت کا کہنا مانتا چاہیے۔ ٹھنڈی کہتا ہے۔ سالا..... قیوں!“

”ہوں.....!“ حمید کی سوچ میں پڑ گیا۔

”نکل رہی ہے نا جاسوی۔“ قاسم ہنسنے لگا۔ ”جور نکلے گی۔ نہ نکلے گی تو تمہارا کھانا کیسے ہمکر ہو گا۔“

”ہشت اب تم بھی جاؤں ہو۔ اُسی باقی میں نہ کرو۔“ حمید نے کہا۔

”اُرے ہاں..... مگر یار یہ خالی خولی جاسوی۔“ قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”نے سکا ر..... نہ پاپ نہ سگریٹ۔“

”ضروری نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔ پھر چمک کر اس آدمی کی طرف مرا جو اس کی پشت پر کا تھا اور مضکانہ انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”فرمائیے.....!“ حمید نے نہنچے پھلانے۔

”ابارت ہو تو دو منٹ برباد کرو۔“ اس نے کہا۔

”تشریف رکھئے۔“

”فرہاد کی بات مذاق نہ بخھے۔“ اس نے میٹھتے ہوئے کہا۔

”شیر کیس سے مشورہ کئے بغیر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ حمید نے سمجھ دی سے جواب دیا۔

آئے والا ہنسنے لگا پھر بولا۔ ”اوہ شاید آپ..... ظاہر ہے آپ شاید باہر سے آئے ہیں۔ فرہاد سے مراد وہ آدمی ہے جو ابھی کچھ دری پہلے آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔“

”ارے..... تو بے۔“ قاسم نے کان پکڑ کر آنکھیں بند کر لیں اور گال پھلانے بولا۔ ”آئے وہ میں نے خود تھوڑا اسی دیکھا تھا۔ آگئی تھیں سامنے..... میں نے لا جعل پڑھی اور منہ پھیر لیا..... اور قیا۔“

”اس نے تم سے نوسوئے کر رہا ہے۔“

”ہاں یہ دیکھو۔“ اس نے جیب سے رسید نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔ حمید اسے دیکھتا ہا پھر تھہ کر کے جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”فکر نہ کرو۔ ہم ہوں میں رہیں گے۔“

”مگر آیا کریں گے کبھی بھی..... کیوں۔“ قاسم چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پہنچ طرح وہ مکان کے چکر میں پھنس گیا تھا ورنہ اس خیال کی مخالفت تو اس نے پہلے بھی کافی رہنے کے لئے کوئی مکان تلاش کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مکان کی ”یا میلیاں“ علاج محرک ہوئی ہوں۔

انہوں نے رات کا کھانا بھی ڈائینگ ہال میں کھایا۔ حمید اب بھی اس اجنبی سوچ رہا تھا لیکن پھر اس نے اس کا تذکرہ نہیں چھیڑا..... ویسے وہ اس موئے آدمی کے بھی سوچ رہا تھا۔ کیا وہ بھی قاسم ہی کا بھائی بند ہو سکتا ہے۔ پھر اسے عوامی زچہ خانے والے یاد آیا۔ حالانکہ قاسم نے تفصیل نہیں بتائی تھی۔ پھر بھی حمید کا اندازہ تھا کہ وہ کسی انہمن کے میں جا پھنسا ہو گا اور انہجن میں کسی خیراتی زچہ خانے کے لئے رضا کارانہ طور پر بڑا کرنے والی ہمیں میں بھی شرکت کی ہوگی۔

”قیاسوچ رہے ہو پیارے۔“ قاسم نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”یہی کہا گرتم مر گئے تو میں ولی عہد کے بناوں گا۔“

”آئے تم خود مر جاؤ..... میں قہتا ہوں پیارے..... اور آپ کو سنے بیٹھے گئے..... لانت؟“

”ہوں..... ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر وہ فوہزار لے ہی آیا.....!“

”لائے سالا! تم نے کہا تھا میں نے تو نہیں کہا تھا۔ میں جرور دیکھوں گا اُن بھجنوں۔“

”اوہ..... آئے آئے۔ خوش آمدید۔ میں آپ کے لئے بہت بے چین تھا۔“ اس نے

”اوہ..... آئے آئے۔ خوش آمدید۔ میں آپ کے لئے بہت بے چین تھا۔“

”اوہ..... آئے آئے۔ خوش آمدید۔ میں آپ کے لئے بہت بے چین تھا۔“

”اوہ..... آئے آئے۔ خوش آمدید۔ میں آپ کے لئے بہت بے چین تھا۔“

”اوہ..... آئے آئے۔ خوش آمدید۔ میں آپ کے لئے بہت بے چین تھا۔“

”وہ فرباد..... لا حول ولا قوہ..... میں تو انہیں قلو پطڑہ کا کزن سمجھتا رہا تھا۔“

”اوہ..... یہاں سے اٹھ کر میری نیبل پر گیا تھا۔ آپ غلطی پر ہیں۔ مکان حققتاً آپر شے۔ آپ اس خاندان کے لوگوں کو بھی مخلکات میں ڈالیں گے۔“

”اوے جاؤ۔“ قاسم نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”چلے ہی آرہے ہیں بھوتون کے رشتے۔“

”کون ہیں وہ سالے بھوت تمہارے..... تمہیں قیوں تکلیف ہو رہی ہے۔“

”مجھے ساجد حمید کہتے ہیں۔“ حمید جلدی سے بول پڑا۔ ”ہم دونوں گھرے دوست ہیں۔“

”خدا جم کرے آپ لوگوں کے حال پر مجھے کیا۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا اور ایک طرف چلا گیا۔

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔“ اس نے حمید سے ہاتھ ملاتے وقت دانت نکال دیے اور پھر مزکر غالباً ملازموں کو آوازیں دینے لگا۔

”ہے کوہ نہ زار ضرور لائے گا۔“

”اب تو نوے ہزار پر بھی نہیں مانوں گا..... ہاں۔“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔

”چلے آپ لوگ تشریف لے چلے۔ سامان اترتا رہے گا۔ پہلے ادھر آئے..... کچھ دری

”میرے ساتھ بھی بیٹھئے۔ مجھے تعلیم یا فنا آدمیوں سے مل کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔“

حمدید اور قاسم اس کے ساتھ برآمدے کی جانب بڑھے اور دو ملازم اسی طرف سے

آرہے تھے۔ موٹے نے انہیں سامان کے متعلق ہدایت دی۔

”اوہ..... نیکی کا کرایہ تو ادائی نہیں کیا۔“ حمید چوک کر بولا۔

”پروادہ نہ کیجئے۔ ادا کر دیا جائے گا۔“ موٹے نے کہا۔

”عمارت بڑی اور شاندار تھی۔ کافی کشادہ پائیں باغ تھا۔ عمارت کے ایک حصے پر اب؟“

”لیکن حمید پھر پلٹ کر نیکی کی طرف آیا اور کرایہ ادا کر کے ملازموں کو ذکر کے سے سامان

نکلتے دیکھتا رہا۔ پھر وہ دونوں بھی وہیں واپس آگئے۔ موٹا قاسم سے کہہ رہا تھا۔“ میں نے اکثر

نیکی پائیں باغ میں داخل ہو کر رکی۔ حمید اور قاسم اترے۔ نیکی کی ذکر کے میں انکا اپنے لئے جو خواب دیکھے ہیں آپ ان پر بالکل پورے اترتے ہیں۔ میں آپ میں مکمل ترین

سامان بھرا ہوا تھا۔

”اگر امیں قس لاکھ ہوں۔“ قاسم نے شرمیلی سی مکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”مم.....

”مگر تفضل حسین۔“

”پھر وہ برآمدے سے نیچا اتنے لگا اور ایسا ہی معلوم ہوا جیسے اب گرے گا اور لڑکا۔“

”آپ کوئی نہیں بتایا۔“ موٹے نے کہا۔

غضب ناک چچا

”کرایہ پر اٹھانے، والا بورڈ آؤزیں اس تھا۔“

قائم آہت سے کچھ بڑا یا تھا اور پھر موٹا حمید سے بولا۔ ”اوہ..... بے فکر ہے“
ملازم میں پر اعتماد کیجئے۔ سامان اختیاط سے آپ کے کروں میں پہنچا دیں گے۔“
”اوہ.....!“ حمید پوچک کر بولا۔ ”ٹھیک ہے..... چلنے۔“

وہ ہر آمد سے گزر کر ایک بڑے کمرے میں داخل ہوئے جو کافی سیکے سے ہے۔ ”جب میں چالیس من والا پکڑنے کی کوشش کروں گا۔“ قائم نے اکثر کر کہا۔
تمہاروں پر کئی درندوں کی کھالیں ان کے سروں سمیت نظر آ رہی تھیں۔
”اوہ.....!“ حمید پہلے اسے ڈرائیک روم سمجھا تھا۔ لیکن پھر اندازہ ہوا کہ وہ تو ایک اچھا خاصاً طور
پر فتحاں اس نے پوچھا۔ ”فرہاد صاحب کہاں ہیں۔“

”قدیم و جدید قسم کے متعدد آلات حرب دیواروں سے لگے ہوئے شوکیوں میں موجودہ فتحاں نے پوچھا۔ ”کون فرہاد صاحب؟“
”میں اپنا زیادہ وقت اسی کرنے میں گزارتا ہوں۔“ موٹے نے کہا۔

”آپ کے پیچے“

”یہ پیچھے ہے شائد۔“ قائم جو پیچھے کے سر کو بڑے انہاک سے دیکھ رہا تھا بولا۔ ”شاکر آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس نام کا کوئی بھتیجا نہیں ہے۔“ اس نے کہا اور پھر
”میں ہاں..... میں نے اسے زندہ پکڑا تھا۔“ موٹے نے کہا۔ ”تشریف رکھنے والے قائم کی طرف ہڑ گیا۔
چانے پیسیں گے یا کافی۔“

”شکریہ! ہم ناشتہ کر چکے ہیں۔“ حمید نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں..... ارے نہیں صاحب۔ یہ شیر ہے۔“
”لاہول ولا قوۃ..... یہی شیر ہے۔“
آپ کا ذخیرہ بڑا شاندار ہے۔

”ارے اب کیا ہے۔ بیتیری چیزیں تو چوری ہو گئیں۔ مثال کے طور پر ایک اڑھا کا وزن ستیں من تھا۔ وہ بھی زندہ پکڑا تھا۔“

”جگور پکڑا ہو گا۔“ قائم سر ہلا کر بولا۔ ”میں بھی بہت سی چیزیں زندہ پکڑا چاہتا ہوں۔“
”مثال کے طور پر....!“ موٹے نے سوال کیا۔

”بب..... بب.....!“ قائم کچھ سوچتا ہوا ہٹکایا۔ ”بجو! بجو۔“
”بہت مشکل ہے اسے پکڑنا۔ تیز ہوتا ہے۔ آپ اس کے پیچے کیسے دوڑے ہوں۔“

”خود ہی دوڑ کر پاس آیا تھا۔ بس پکڑ کر بیٹا کی گردان مروردی۔“
”خوب....!“ موٹے نے اسے تھیں آئیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تما جو ٹھیک کے دھوکے میں کسی شیر کو چھماٹک دو دھپلاتے رہے تھے۔“
”انہیں سے یہ حماقت سرزد ہوئی ہوگی۔ میں تو بہت عکندا آدمی ہوں۔“
”وزن تھا۔“

”می ہاں.....می ہاں۔“ اس نے حید کو اس انداز میں دیکھتے ہوئے کہا جو: لہک کر اشعار پڑھ رہا تھا۔ باور کرنے کی کوشش کر رہا ہو کہ حقیقتاً وہ بہت عظیم آدمی ہے۔ پھر یک بیک چونکہ کریم مولیٰ نے کان کھڑے کئے۔ ستارہا اور پھر اسکے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے۔ بے حد خوش نصیب ہوں کہ اس طرح آپ لوگوں سے ملاقات ہو گئی۔ آپ کو دنیا کی یہ ایکیوں سے بھی دلچسپی ہے یا نہیں۔“

”لہا جھوٹا ہے سالا۔“ قاسم نے اہستہ سے کہا۔ ”ستائیں من کا اژدھا پکڑا تھا بیٹا نے۔“

حید کچھ نہ بولا اور قاسم نے بھی روکتے ہوئے کہا۔ ”قیادِ قدرے گا۔“ میں نے سازھے

ستائیں من کا بجو پکڑ مارا۔“

”ارے واه.....ارے واه۔“ قام جلدی سے بول پڑا۔ ”می ہاں! میری خلا جاڑا۔“ بجود یکھا ہے کبھی۔“

”دکھ کرنیں پکڑا تھا۔“ قاسم نے شریری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”بلی سے بھی چھوٹا ہوتا ہے۔“

”اوہ.....ارے واه۔“ حید فہر پڑا اور قاسم سے بولا۔ ”تمہاری خلا جاڑ جو اُنہیں ہاں کر دی۔“

پھر مولیٰ کی طرف مڑا۔ ان کی خلا کا بولوں کا برس ہے۔ مسافروں کی آمد اُنھاں کے سامنے کی آواز آئی۔ ”میں کہہ چکا ہوں کہ میری چھت لئے انہوں نے اپنی کمپنی کے خرچے سے دار الحکومت میں کئی مسافر خانے بنوائے ہیں۔“ کے پیچے شاعری و اعری نہیں ہو گئی۔ تم کتنے بنے خیاہو۔“

”اچھا اچھا برا نیک کام ہے۔ نیک کام ضرور کرنے چاہئیں۔ ہاں تو میں یہ کہتا ہو۔“ آپ سننے بھی تو کہی۔ کسی نے مری مری کی آواز میں کہا۔ ”نہیں سنوں گا۔ ابھی چلے جاؤ۔ فوراً چلے جاؤ۔“

”سن تو۔“ میں نے شاعری ترک کر دی ہے۔ ”دوسری آواز۔“

”تو کیا یہ ابھی میرا فاتحہ پڑھا جا رہا تھا۔“

”آنئی نے فرمائش کی تھی۔“

”اب آٹھا کہتا ہے کہ کیوں بند کرو اور بالکل چلے جاؤ۔“

”کیا کر رہے ہیں آپ۔“ ایک تیز قسم کی نسوانی آواز آئی۔ ”دخل مست و... ہائی۔“ تم ابھی لکھ کر گئے نہیں۔“

”چارہا ہوں۔“ اس بار دوسری آواز بھی غصیل تھی۔ پھر قدموں کی آواز سنائی دی۔ حید

یک بیک عمارت کے کسی گوشے سے گانے کی سی آواز آئی۔ غالباً کوئی خٹا۔

تیزی سے دروازے پر آیا۔

”اوہ..... تو یہ حضرت ہیں۔“ وہ آہستہ سے بڑا میا۔ فرہاد برآمدے کے زینول، اُتر رہا تھا۔ یچے اُتر کر دہ ایک بار پھر مزا لیکن ساتھ میں لکار سنائی دی۔ ”ہا میں ہم غفت اخیال ہو گئے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔“ دوڑتے ہوئے چلے جاؤ۔ بس دفعہ ہی ہو جاؤ اس وقت ورن۔“

فرہاد تیزی سے چالنک کی طرف چلا گیا۔

”آپ حد سے بڑھ جاتے ہیں۔“ نسوانی آواز۔

حمدی داں کی شکل نہ دیکھ سکا۔ وہ شانکد کی دروازے میں تھی۔ موٹا اب بھی برآمد۔ ”خدا کا شکر ہے کہ نہیں رہتا ورنہ میں کبھی کا قبر میں بچن گیا ہوتا۔ خدا کی پناہ یہ بھی کوئی وسط میں کھڑا فرہاد کو گھورے جا رہا تھا۔ جب وہ چالنک سے گزر گیا تو موٹے نما بات ہوئی۔ وہ کیا شعر تھا..... پتہ نہیں کیا تھا۔ بہر حال مضمون یہ ہے۔“ ”بیہودہ نہیں کا۔ مجھے چڑاتا ہے۔“ ”میں نے فرمائش کی تھی۔“ نسوانی آواز۔

”تو پھر آپ بھی چڑا تی ہیں۔“ موٹا دہڑا۔

نسوانی آواز اس بار بھی سنائی دی تھی۔ لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آسکے تھے۔ ”نائیے صاحب۔“ حید مردہ سی آواز میں بولا۔ ”حالانکہ ابھی آپ اسی حرکت کی بناء پر اپنے بچجے کا چالان کر چکے ہیں۔“ جانب بڑھا اور حید پیچھے ہٹتے وقت قام سے ٹکرایا تھا۔

”دنخ کر پیارے۔“ قام بڑا میا۔

”دیکھا آپ نے۔“ موٹا کمرے میں داخل ہوتا ہوا غصیلے لمحے میں بولا۔ ”ذینا“ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔ راکٹ پھینک رہی ہے۔ مصنوعی سیارے خلامیں چکرا رہے ہیں اور صاحب زاد۔ ”نہیں صاحب آپ نایے شعر۔“ قام سنک گیا۔ ”بکنے دیجئے انہیں۔ میں کل سے بلبل کے پر باندھنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔“

وہ کچھ نہ بولے۔ موٹا کہتا رہا۔ ”پر تو کیا باندھیں گے خود لو ہو کر رہ گئے ہیں۔“ موٹا ہنسنے لگا۔ حید بھی میکرا دیا پھر بولا۔ ”مطلوب یہ تھا کہ ہم پر کسی قسم کی پابندیاں تو نہ اس سامنی عہد میں بھی ہم شاعروں کے علاوہ اور کچھ نہیں پیدا کر رہے۔ آپ کا کیا خیال، ہوں گی۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ نے زیادتی کی۔“ حید بولا۔

”اوہ..... تو کیا آپ بھی۔“ موٹے نے آنکھیں نکالیں۔

”بھی نہیں! ہم میں سے کوئی بھی شاعر نہیں ہے۔ لیکن ہم شاعروں سے کبھی نہ!“

کرنے۔ وہ قابلِ رحم ہیں۔“

”آپ یہ جیسے لوگوں نے ان کی تعداد بڑھائی ہے۔ معاف کیجئے گا۔ یہاں اس نقطے پر

اُتر رہا تھا۔ یچے اُتر کر دہ ایک بار پھر مزا لیکن ساتھ میں لکار سنائی دی۔ ”ہا میں ہم غفت اخیال ہو گئے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔“

”مجھے آپ سے پورا پورا اتفاق ہے۔“

”کیا بات ہوئی۔“

”تو آپ کے یہ بچجے آپ کے ساتھ نہیں رہتے۔“

حمدی داں کی شکل نہ دیکھ سکا۔ وہ شانکد کی دروازے میں تھی۔ موٹا اب بھی برآمد۔ ”خدا کا شکر ہے کہ نہیں رہتا ورنہ میں کبھی کا قبر میں بچن گیا ہوتا۔ خدا کی پناہ یہ بھی کوئی وسط میں کھڑا فرہاد کو گھورے جا رہا تھا۔ جب وہ چالنک سے گزر گیا تو موٹے نما بات ہوئی۔ وہ کیا شعر تھا..... پتہ نہیں کیا تھا۔ بہر حال مضمون یہ ہے۔“

”بیہودہ نہیں کا۔ مجھے چڑاتا ہے۔“ ”میں نے فرمائش کی تھی۔“ نسوانی آواز۔

”اس کی بات پھر کریں گے۔ پہلے آپ وہ شعرن لیجھے۔“ موٹے نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”نسوانی آواز اس بار بھی سنائی دی تھی۔ لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آسکے تھے۔“ ”نائیے صاحب۔“ حید مردہ سی آواز میں بولا۔ ”حالانکہ ابھی آپ اسی حرکت کی بناء پر اپنے بچجے کا چالان کر چکے ہیں۔“

”لاحل ولا قوت۔“ اس نے ہنس کر کہا۔ ”شاید میں بھی سنک گیا تھا۔ مگر میں آپ

”دیکھا آپ نے۔“ موٹا کمرے میں داخل ہوتا ہوا غصیلے لمحے میں بولا۔ ”ذینا“ کے سوال کا مطلب نہیں سمجھا۔

راکٹ پھینک رہی ہے۔ مصنوعی سیارے خلامیں چکرا رہے ہیں اور صاحب زاد۔ ”نہیں صاحب آپ نایے شعر۔“ قام سنک گیا۔ ”بکنے دیجئے انہیں۔ میں کل سے بلبل کے پر باندھنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔“

”وہ کچھ نہ بولے۔ موٹا کہتا رہا۔“ پر تو کیا باندھیں گے خود لو ہو کر رہ گئے ہیں۔“

”موٹا ہنسنے لگا۔ حید بھی میکرا دیا پھر بولا۔“ ”مطلوب یہ تھا کہ ہم پر کسی قسم کی پابندیاں تو نہ اس سامنی عہد میں بھی ہم شاعروں کے علاوہ اور کچھ نہیں پیدا کر رہے۔ آپ کا کیا خیال، ہوں گی۔“

”صرف اتنی کہ آپ آوارہ عورتوں کو یہاں نلاکیں گے جن کی رام گذہ میں بہتات ہے۔“

”اُرس توبہ تو برد۔“ قام منہ پیٹنے لگا۔ ”یا آپ قیا پھر مار رہے ہیں۔ لا حل ولا قوت۔“

”اسکا کوئی بات نہ ہوگی۔“ حید نے کہا۔

”بیس پھر گمراپ کا ہے۔ جب تک جی چاہے رہنے۔“
”یہ آپ نے سمجھے کہاں رہتے ہیں۔“

”میں سمجھنے پر رہتے ہیں۔“ قاسم جلا گیا۔ ”تم خواہ متوازنگر کیوں چاٹنے لگے۔“
غالباً اس کی ذہنی رو بینکے لگی تھی۔ حید نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ دوسری طرف دیکھ
موٹا ہنس کر بولا۔ ”ہم دونوں کس قدر ہم خیال ہیں۔ مجھے بھی اس کا تذکرہ پسند نہیں
”ارے اور کیا۔“ قاسم حید کی طرف دیکھے بغیر بڑا ہوا۔ ”کمال کی بال نہیں بال کا
سمجھ کر بھس بھریں گے۔“

حید کو خاموشی ہی میں عافیت نظر آئی کیونکہ قاسم بینکے لگا تھا۔

”مگر میں آپ کو اس کے متعلق ضرور بتاؤں گا۔“ موٹے نے کہا۔ ”ہر ایک کو نہ
ہوں وہ ایک انتہائی نالائق آدمی ہے۔ ناکارہ..... ویسے آج کل کہہ رہا ہے کہ میں نے نیچا
شروع کر دی ہے۔ سڑکیں بخواتا ہوں۔ مطلب یہ کہ مجھے باور کرانا چاہتا ہے کہ اب ”اے جاہانی لی۔
آدمی بن چکا ہے۔ شاعری ترک کر کے تھیکداری شروع کر دی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔“
”وہی جو آپ کا ہے۔“

”ہے نا۔“ موٹے نے خوش ہو کر کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ اب بھی پرے سرے کا گلہاں
”مگر آپ کو یہ کیوں باور کرانا چاہتا ہے کہ اب وہ کام کا آدمی بن گیا ہے۔“

”اوہ..... نہیں سمجھے۔ مقصد یہ کہ یہاں گھسارة سکے۔“

”شاید آپ کو یہاں اس کی آمد و رفت پسند نہیں ہے۔“

”تھیک سمجھے امیں نہیں پسند کرتا کہ وہ یہاں آئے۔“

حید نے وجہ نہیں پوچھی۔ فی الحال زیادہ پوچھنے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فرمایا
”متعلق بھی رات والی ملاقاتات کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ ویسے اسے ڈر تھا کہ کہیں قاسم عینہ
کر دے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں وہ بھی اس مسئلے پر خاموش تھا۔“

یک بیک قریب ہی کہیں کوئی بھاری آواز والا کتاب شور مچانے لگا اور ساتھ ہی آئی۔

آنے لگیں جیسے کوئی کسی کو پھیٹ رہا ہو۔

”ہے آگئی شامت بیچارے کی۔“ موٹا کراہ کر اٹھا۔

”کیوں کیا بات ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”ارے بیگم صاحب کو جب بھی مجھ پر غصہ آتا ہے اسی بیچارے کی شامت آجائی ہے۔“

”کتنا بیٹھ ہاؤ تو معلوم ہوتا ہے۔“

”کمال ہے۔“ موٹے نے حیرت سے کہا۔ ”آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“

”میں کتوں کی آوازوں سے ان کی نسل کا اندازہ کر لیتا ہوں۔“

”واہ بڑی غصب کی صلاحیت ہے۔ تھہریے میں واپس آ کر مزید تعریف کروں گا۔“

وہ دروازے سے نکل گیا۔

”یہ تم صاحب بھی گجب کی معلوم ہوتی ہیں۔“ قاسم نے کہا اور بھاڑ سامنہ پھیلا کر

جاتا۔

”قاسم تم اپنی زبان بندی رکھو تو بہتر ہے۔“ حید نے نرم لمحہ میں کہا۔ ”ورنہ جاسوسی نہ

کر سکو گے۔“

”اے جاؤ..... مجھے کرنے ہی کب دیتے ہو۔ خود ہی کئے جا رہے ہو۔“ سمجھے پر ہو مجھے کیا

پھر یک بیک تمن آوازیں سنائی دینے لگیں۔ کتاب تو پہلے ہی سے چیخ رہا تھا موٹے کی

آواز کے ساتھ ہی ایک تیز قسم کی نسوانی آواز بھی اس صوتی بیجان میں حصہ لے رہی تھی۔

پڑی ہے کہ اپنا مغز خراب کروں۔“

کتنے کی موت

قاسم تھیران انداز میں حید کی طرف دیکھا رہا۔ شور بڑھتا ہی گیا۔ آخر اس نے من چلا کر

”آے..... قس چکر میں پڑ گئے۔“ قام بڑا یا۔

جید کچھ نہ بولا اور پھر کتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ قام آئے بھی حرمت سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا پاگل ہو گئے ہو جید بھائی۔“ اس نے کہا۔

”کیوں کیا ہوا.....؟“

”ارے اس سالے میں اتنی دچکی لے رہے ہو۔“ وہ کتے کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

”جیسے تھا را کوئی رشتہ دار ہو۔ چلو بڑھو یہاں سے۔ آے ہمکو بھی۔ میرا جی گھبر ارہا ہے۔“

اس نے اسے یہاں سے دھکلی لے جانے کی کوشش کی۔

اچانک عمارت کی طرف سے پھر اسی قسم کا شور ابھرا جیسا وہ کچھ در پہلے سن چکے تھے۔

لیکن اس بار اس میں کتے کی آواز شامل نہیں تھی۔

”آے میں تو یہاں نہیں رہوں گا۔ ٹھیکے پر ہے سالا مکان وکان! گھر پر اپنی بیشم صاحب

کو دیکھ دیکھ کر جلو..... اور باہر دوسرے کی بیشم صاحب۔ مکدر ہی خراب ہے میرا۔ اے الامیاں

اب تو انعامی لیتے۔“

”کیا کہاں کر رہے ہو۔“ جید نے کہا۔ ”تم جاسوس ہو۔“

”آے تو یہاں تو ان کی جاسوسی دھری ہوئی ہے۔“ قام آنکھیں نکال کر بولا۔

”آہستہ بولو..... یہاں جاسوسی کے لئے خاصاً مواد موجود ہے۔“

”مواد کیا خون بھی موجود ہے۔ پھوڑا بھنسی بھی کچھ موجود ہو جائے گا..... میں تھتا ہوں

پاگل ہو جاؤ گے تم۔ یہاں کچھ نہ ہو یہاں بھی جاسوسی کھوڈنے بیٹھ جاتے ہو۔“

”یہ تو سوچو دہ عورت کتنی ٹکڑی ہو گی جس نے اس جغا دری کتے کو اس طرح مارڈا۔“

”ٹکڑی۔“ قام ہونٹ پر زبان پھیر کر بولا۔ ”ہاں یار ٹکڑی تو جرور ہو گی۔ آئے قمیں

وئی نہ ہو۔“

”کون.....؟“

”کل دو تھیں..... ایک بالکل باریک ہمین اور میاں میاں کرنے والی۔ دوسری لمبی ترگی

ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولا۔ ”آے وہ کتنی بجوت ہی معلوم ہوتے ہیں۔“

”امورث..... او..... جتاب..... او بھائی صاحب۔“ موٹے کی آواز قریب ہوئی۔

وہ دروازے میں داخل ہوتے وقت گرتے گرتے بچا۔ لیکن شاہزادے اس کی بھی پروابی

کہ اگر منہ کے مل گر گیا تو کیا حشر ہو گا۔ بدحواسی کے عالم میں وہ ہاتھ پھیلا کر بولا۔

چلے..... دیکھئے تو نائیگر کو کیا ہوا..... خدا کے لئے..... ارے پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔“

جید نے غور کیا تو اب کتے کی آواز بھی نہ سنائی دی۔

”چلے.....!“ جید اٹھتا ہوا بولا۔

وہ نہیں کپاڑا ٹکڑے کے گوشے میں لا یا۔ جہاں ایک دم توڑتا ہوا کتا زمین پر پڑا بارہا۔

پھیلا رہا تھا۔ منہ خون آلو دھا اور قریب ہی زمین پر بھی خون پھیلا ہوا نظر آیا۔

”ارے..... یہ تو ختم ہو رہا ہے۔“ جید نے یچھے جھک کر دیکھتے ہوئے کہا۔

خون میں لخت بھی شامل تھے۔

”ہا۔ میں..... ختم ہو رہا ہے۔ ارے ظالم نے پتہ نہیں کہاں مار دیا۔“ موٹا رو دبے۔

آواز میں بولا۔

کتا قد آؤ اور کافی تند رست تھا۔ یک یک جید نے تحریک انداز میں پلکن چکا۔

یہ خون..... کسی خارجی ضرب کا نتیجہ تو نہیں ہو سکتا۔ اس نے سوچا۔ اسے یقینی طور پر زہرا

ہے۔ لیکن، اس نے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔

اتی دیر میں کتا دم توڑ چکا تھا۔

”اے۔ سو۔“ قام پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

موٹا اس طرح نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کھڑا تھا جیسے آنسو پینے کی کوشش کر رہا۔

میں جگلی پر رہی تھیں اور رہنؤں ترن رہی تھیں۔

وھنٹا وہ خاموشی سے مڑا اور عمارت کی طرف رو انہے ہو گیا۔ وہ وہیں کھڑے ائے؟

دیکھتے رہے۔

کر کردار آواز والی۔ اب پتہ نہیں ان میں سے قون تھی بخشن.....!

”دونوں بوڑھی تھیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”آئے جاؤ۔۔۔ بوڑھی ہوتی تو تم آتے رہا۔ اب اتنا سنائے سمجھو مجھے۔“

”میں پوچھ رہا ہوں تم سے۔“

”اسکی فحول بات مت پوچھو۔“

شوراب بھی سنائی دے رہا تھا۔ حمید نے عمارت کی طرف قدم بڑھا۔

ٹھیک اسی وقت ایک عورت اندر سے نکلی۔ برآمدے کی سیر ہیوں تک دوڑتی چلی آئی۔

بانکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے اسے دوڑایا ہو۔۔۔ لیکن اس کے پیچھے اور کوئی نظر

آیا۔ شوراب بھی جاری تھا۔ حمید نے قدم بڑھا۔

وہ سیر ہیوں عی پر ٹھنک گئی تھی۔ قریب پہنچ کر حمید کے ذہن کو جھوٹا سا لگا۔ یہ ایک نہ

پتی اور بے حد حسین لڑکی تھی۔ عمر انمارہ انہیں سال سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ خواباں کی ہلا

بڑی آنکھیں تھیں، جو غالباً خوف ہی کی وجہ سے کسی قدر وحشت زدہ نظر آ رہی تھیں۔

”میں نیا کرایہ دار ہوں محترمہ۔“ حمید احتراماً جھکا۔

”اوہ.....!“ وہ چونک پڑی۔ ”کچھ کبھی خدا کے لئے کچھ کبھی۔“

”فرمائیے۔“

”ڈیڈی۔۔۔ آئیے.....!“ وہ مختار بانہ انداز میں دروازے کی طرف مڑی۔

حمدید نے جیسے ہی دروازے میں قدم رکھا آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔ غالباً موہا

رہا تھا۔ ”مارڈالو۔۔۔ مجھے بھی مارڈالو۔۔۔ مارڈالو۔“

نسوانی آواز کے متعلق اندازہ کرنا اب بھی مشکل تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

مگر وہ منظر بڑا مصلحہ نہیز تھا۔ موٹا زمین پر لوٹیں لگاتا ہوا جیج رہا تھا اور ایک بیم ششم ہوت

قریب ہی کھڑی چلکھڑا رہی تھی۔ حمید کو دیکھ کر وہ یک بیک خاموش ہو گئی لیکن موٹا اسی طرح لوٹی

لگاتا ہوا چیختا رہا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہو۔ اس کی آنکھیں بھی بند ہیں۔

”ہم پ نے اندر آنے کی جرأت کیے کی۔“ وہ یک بیک دھاڑی۔

”میں خود سے نہیں آیا محترم۔“ حمید نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”آپ لاہی ہیں۔“

موٹا نے خاموش ہو کر آنکھیں کھوں دیں اور چپ پڑا۔ لیکن جھپکا تارہ۔

”تم لاہی ہو۔“ عورت لڑکی کو قہر آلوندوں سے دیکھتی ہوئی غرائی۔

”ہاں..... میں لاہی ہوں۔“ لڑکی بھی حلق پھاڑ کر چلا۔

”اڑے شامت آئی ہے چپکلی اپنا الجھ تھیک کر۔“ عورت پھر غرائی۔

”آج تم مجھے بھی مارڈالو۔“ لڑکی اسی انداز میں جھنی۔

پھر ایسا معلوم ہونے لگا جیسے عورت کو بھی سکتے ہو گیا ہو۔۔۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی۔

اور پھر تیزی سے ایک دروازے میں مڑ گئی۔

”اخائیے..... خدا کے لئے ڈیڈی کو اخائیے۔“ لڑکی گزگز آئی۔

”شاید میں ناکام رہوں۔“ حمید نے مختنڈی سانس لی۔ ”مُہریے..... میں اپنے ساتھی کو

بلانا ہوں۔“

وہ باہر آیا۔ قاسم کپاڑا ٹکر کے وسط میں کھڑا صدر دروازے کی طرف ایک لیکھے جا رہا

تھا۔ حمید نے اشارے سے اسے بلایا۔ لیکن اس نے اپنی جگہ سے جبکش بھی نہ کی۔

آخر سے خود ہی اس کے پاس پہنچنا پڑا۔ قاسم یک بیک آنکھیں نکال کر بولا۔

”ہاں ہاں..... کھس جاؤ۔۔۔ قرو اندر جا کر جاسوی۔ سالے میں پہلے ہی جانتا تھا۔“

”اڑے اب تمہیں کیا ہو گیا۔۔۔ میں تمہیں بلا نے آیا ہوں۔“

”نیکل کر کھٹکیجے کرو۔“ قاسم نے نہ اسامنہ بنا کر خٹک لجھ میں کہا۔

پر قست تمام وہ اس روٹھے ہوئے تھی کو منا سکا ورنہ امید نہیں تھی کہ ان ”فل مغزوں“

سے جلد علیحدگی مل سکتی۔

اندر آ کر قاسم بھی بوکھلا گیا کیونکہ موٹا اب بھی چت ہی پڑا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں

بچل گئی تھیں۔

”خدا کے غصب سے نہیں ڈرتی۔“ موٹا کر لہا۔ ہمے خون کی قی کر کے مرابے..... ہائے۔“
”خدا کے مارا تھا۔“ قاسم نے پوچھا۔

”جی ہاں..... امرے مجھے ہی مارڈا تھا اگر بھر پر غصہ آیا تھا۔ ہائے وہ بے زبان۔“

پھر وہ قدموں کی آہٹ پر چوک پڑے اور دوسرا ہی لمحے میں موٹے کی بیگم داخل ہوئی۔

”اگر وہ ایسے نہ مرتا تو میں کسی دن اُسے زہر دے دیتی۔“ اس نے تیز لمحے میں کہا۔ قاسم

پتہ نہیں اس ”وہیں“ سے مراد وہ کمرہ تھا جہاں وہ کچھ دیر قمل بیٹھے رہے تھے یا وہ بوكلا کر کمرہ ابھی ہو گیا تھا۔
جہاں کتے کی لاش پڑی تھی۔

بہر حال وہ اُسے سہارا دے گر برآمدے تک لاۓ اور وہ الحج جات والے کمرے
گندگی برداشت نہیں کر سکتی۔“

کچھ دیر بعد ایک آرام کری میں ڈھیر ہو کر گھری گھری سانسیں لے رہا تھا جید اورہ
خاموش تھے۔

جید اس سچم خیم عورت کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اس کی عمر تین سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ مم۔ مطلب یہ کہ جی ہاں۔“
اگر وہی موٹے کی بیگم تھی تو کم از کم اس لڑکی کی ماں تو ہرگز نہیں ہو سکتی جو اپنے ڈیڈی کی مدعا۔“ ہم نے کرایہ دار ہیں محترمہ۔“ جید نے بڑے ادب سے کہا۔

”مجھے افسوس ہے کہ آپ کو بھی تکلیف اٹھانی پڑی۔“ عورت کا لہجہ غیر متوقع طور پر نرم
قہا۔ ایک ذرا سا گھر میلو جھگڑا اتنا بڑھ گیا۔“

”ارے یہ ذرا سا جھگڑا تھا۔“ موٹا چینا۔“ پہلے میرے کانوں میں شاعری کی منحوس آواز
پڑی اور پھر میرا کتا مارڈا لا گیا۔“ غصب خدا کا۔“

موٹے نے آنکھیں کھول دیں اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔“ میں تو مری جانا چاہتا ہوں۔“
”کب سے تھا آپ کے پاس۔“

”پچھلے ماہ خریدا تھا۔ رکھوائی کا کتا تھا۔ دن بھر بندھا رہتا تھا اور ررات کو کھول دیا۔“
تحا۔ اوہ..... اس عورت کو بھی مجھ پر غصہ آتا تھا اسی بیچارے پر اتنا دیتی تھی۔ میرے خدا
میرے خدا..... میں کیا کروں۔“

”چی..... چی.....!“ قاسم نے مختدی سانس لی۔

”اوے..... یہ قیا ہوا نہیں۔“ اس نے کہا۔

”ٹھیک ہیں..... ٹھیک ہیں۔“ لڑکی بولی۔“ آپ براہ کرم انہیں اٹھائیے۔ یہ خود
اٹھائیں گے۔ ملازم نہ جانے کہاں چلے گئے۔“

قاسم نے اسے اٹھایا اور وہ کسی بتتی کی طرح اکڑا ہوا اٹھتا چلا آیا۔ لیکن ہوش ہی میز
”مجھے وہیں لے چلے..... وہیں۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

پتہ نہیں اس ”وہیں“ سے مراد وہ کمرہ تھا جہاں وہ کچھ دیر قمل بیٹھے رہے تھے یا وہ بوكلا کر کمرہ ابھی ہو گیا تھا۔
جہاں کتے کی لاش پڑی تھی۔

”تعریف رکھئے۔“ عورت گرجی۔“ مجھے کتوں سے نفرت ہے۔ اپنے گھر میں اس قسم کی
طرف مڑ گیا۔

کچھ دیر بعد ایک آرام کری میں ڈھیر ہو کر گھری گھری سانسیں لے رہا تھا جید اورہ
خاموش تھے۔

جید اس سچم خیم عورت کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اس کی عمر تین سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ مم۔ مطلب یہ کہ جی ہاں۔“
اگر وہی موٹے کی بیگم تھی تو کم از کم اس لڑکی کی ماں تو ہرگز نہیں ہو سکتی جو اپنے ڈیڈی کی مدعا۔“ ہم نے کرایہ دار ہیں محترمہ۔“ جید نے بڑے ادب سے کہا۔

”مجھے بے حد افسوس ہے کہ اتنا اچھا کتا مار گیا۔“ اس نے کہا۔

”میں تو مری جانا چاہتا ہوں۔“ میں تو مری جانا چاہتا ہوں۔“

”چچلے ماہ خریدا تھا۔ رکھوائی کا کتا تھا۔ دن بھر بندھا رہتا تھا اور ررات کو کھول دیا۔“
تحا۔ اوہ..... اس عورت کو بھی مجھ پر غصہ آتا تھا اسی بیچارے پر اتنا دیتی تھی۔ میرے خدا
میرے خدا..... میں کیا کروں۔“

”چی..... چی.....!“ قاسم نے مختدی سانس لی۔

بلد نمبر 28

بلایا۔ قاسم نے آنکھیں نکالیں اور حمید المحتا ہوا موٹے سے بولا۔ ”میں ابھی حاضر ہوں“
”ارشاد..... کون ارشاد۔“

موٹے نے پھر آنکھیں بند کر لی تھیں، جو بند ہی رہیں۔

”کوئی صاحب! جنہوں نے آپ کو اس کرایہ داری سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی۔“
”گمراں کا نام تو کسی نے فرباد بتایا تھا۔“

قاسم نے چکا ہوٹ دانتوں میں دبایا۔ وہاں وقت بردا محکمہ خیز لگ رہا تھا۔

”ارے..... وہ۔“ عورت پس پڑی۔ ”شاعری ترک کر کے ٹھیکیداری کرنے لگا ہے تا۔

جیسے ہی حمید باہر نکلا وہ اُسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے دوسری طرف مڑی۔

ای لئے اس کے دوست اُسے فرباد ۵۹ کہتے ہیں۔“

اس کے پیچے چلارہا۔

”تو آپ بھی یہی کہنا چاہتی ہیں کہ ہم یہاں اس لئے نہ رہیں کہ مکان کا وہ حصہ آسیب

وہ اُسے ایک کمرے میں لائی۔

”شریف رکھنے۔“ اس کے چہرے پر ایسی دلاؤیز مسکراہٹ تھی جیسے اس نے ٹھیک زدہ ہے۔“

اب تک سارا وقت بڑے خونگوار ماحول میں گزارا ہو۔

”جی ہاں..... اگر آپ کو کوئی نقصان پہنچا تو ہم بھی دشوار یوں میں پڑ سکتے ہیں۔“

پھر اُس نے کسی ”بے بی“ کو آواز دی اور حمید سے کہنے لگی ”خواہ مخواہ بات کا بھر

”مگر قفضل صاحب نے ہمیں ایسی کوئی بات نہیں بتائی تھی۔“

گیا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ کم بخت مردی جائے گا۔“

”کیا آپ انہیں اب بھی نہیں سمجھ سکتے۔“

”معاف کیجئے گا محترم۔ ہم صرف کرایہ دار ہیں آپ کے۔ بھلا ہمیں آپ کے۔“

”اس حد تک تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن وہ جھگی ضرور ہیں۔ حالانکہ ایک بار ایک کرایہ دار

بھگکروں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ ویسے کتا تھا شامدار۔“

”مجھے نفرت ہے کتوں سے..... اوہ..... آؤ بے بی..... ادھر آؤ..... بیٹھ جاؤ۔ تم ہمیں مصیتوں کا شکار ہو چکا ہے اس کے باوجود اُسے واہمہ قرار دیتے ہیں۔“

”خدا کی پناہ..... کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ وہ ذہنی فور میں مبتلا ہیں۔“

”خواہ پا گل ہو گئی تھیں۔“

”میں کیا کرتا ہوں۔“ اس مکان کے متعلق کچھ بتایا ہے تو۔“

”جید کو وہی لڑکی نظر آئی جو اسے اندر لے گئی تھی۔ اس کے چہرے پر گھری اواز۔“

”جید نے لڑکی کی طرف بدل تھے۔ آنکھیں مغموم تھیں۔“

”ایک بار پھر گھر کی فضا خراب ہو سکتی ہے۔“ عورت مسکراہٹ۔ حمید نے لڑکی کی طرف

وہ خاموشی سے ایک کری کے ہتھے پر ٹک گئی اور پھر بولی۔ ”میں کیا کرتی۔ کیا آپ۔“

”میں کیا کرتی۔ میں ہو۔ آنکھیں اب بھی مغموم تھیں۔“

”میں کیا کرتی۔ میں کیا کرتی۔“

”میں۔ لیکن ذاتی طور پر آج تک کوئی تحریر نہیں ہوا۔“ اس سے پہلے بھی اکثری ایسی عمارتوں میں رہ

”مجھے اپنی موجودگی پر ندامت ہے۔“ حمید بولا۔

”آپ سے بہت ضروری باتیں کرنی ہیں۔“ وہ حمید کی طرف مڑی۔ ”چھپلی ران۔“

”مکال دیا۔“

”میں۔ لیکن ذاتی طور پر آج تک کوئی تحریر نہیں ہوا۔“

”نے ارشاد کو اپس کر دیا تھا۔“

”میں نے آپ کو آگاہ کر دیا۔ ماننا نہ مانا آپ کے اختیار میں ہے۔ بھوتول کا ان کا سامان بھی سے اٹا رہا۔“
میرے لئے اتنا لچک نہیں ہے کہ میں اس پر بحث کر سکوں۔“
”بھوت.....!“ ان میں سے ایک حلق چھاڑ کر دہڑا اور لکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔
حمد کچھ نہ بولا۔ وہ چاہتا تھا کہ اب جلد از جلد عمارت کے اس نئے میں پہنچ جائے۔ وہرا بھی جو اس کے پیچے تھا اور پوری قوت سے دوڑ رہا تھا۔ اس غیر متوقع رکاوٹ کی
انہیں قیام کرنا تھا۔

”یہ دوسرے حضرت عقل سے بالکل ہی خالی معلوم ہوتے ہیں۔“ عورت نے کہا۔ پہلا ملازم اب اس انداز میں خاموش ہو گیا تھا جیسے لگبھی بندھ گئی ہو۔
”کیوں.....؟“

”کل ان کے کوٹ کے کار پر بھی ”عوای زچ خانہ“ کا چنج نظر آیا تھا۔“
”یہ ہے کیا بلا۔“

بھوتول کے شکاری

”ایک خرأتی ادارہ..... بھلا آپ ہی بتائیے۔“ تفضل صاحب اس کیلئے چدڑہ انکھاں
پھرے تھے اسی سے اندازہ لگا لجھے کروہ کتنے بھلی ہیں۔ مجھے تو سوچ کر ہی شرم آری ہے۔
پھر سب ہی باہر نکل آئے۔ تفضل کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے سوتے سے اٹا ہو۔
اس نے خاموش ہو کر لڑکی کی جانب دیکھا مگر وہ دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ پہنچتی ہی یہی تھی۔ قاسم نے بعد میں بتایا کہ وہ حمید کے جانے کے بعد گھری نیند سو گیا تھا۔
پوک کر بولی۔

”قدیر ماموں۔“ وہ دروازے سے باہر دیکھ رہی تھی۔
”نوكروں کو جھوڑ جھوڑ کر ہوشمندوں کی طرح گفتگو کرنے پر آمادہ کیا جاسکا۔“
”قدیر ہیں۔“ عورت نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”اچھی بات ہے جنتاب۔ جو کچھ مجھے۔“
”صاحب! ایک بولا۔“ جیسے ہی میں نے بستر رکھنے کے لئے بیندروم کھولا دھوئیں کا
کہہ چکی۔ اب آپ جائیں۔“

اس جملے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اب وہاں حمید کی موجودگی ضروری نہیں ہے۔
وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ سامنے ہی ایک آدمی برآمدے کی سیڑھیاں
کر کے اوپر آ رہا تھا۔ چوڑے شانوں اور بھاری جبڑوں والا یہ آدمی پہلی ہی نظر میں جید
اچھانہ لگا۔ اس نے اس پر ایک اچھی سی نظر ڈالی تھی اور پھر شامہ تفضل کی بیگم ہی کو ہاتھ
تھا۔ حمید ان کی طرف دھیان دیئے بغیر آگے بڑھ گیا۔

اچھی وہ اسلخ والے کمرے تک نہیں پہنچا تھا کہ کمپاؤٹر سے دوڑتے ہوئے تھے۔
آوازیں آئیں اور اسے رک جانا پڑا۔ وہی ملازمین دوڑتے ہوئے ادھر آرہے تھے جنہوں
آڑھے سے کھولا ہی کیوں جاتا ہے۔ ”بھاری جبڑے والے نے کہا۔ تفضل نے اسے

گھور کر دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔ اُس کی بیوی نے طنزیہ لمحے میں کہا۔ ”کرائے پر زادجان کے ہنون کی ہے۔“

آپ حضرات کرایہ دار ہیں۔“

”ارے.....اوہ.....یہ کیا غلطی۔“

کھلا بواظر آیا۔

”قدیر صاحب۔“ موٹے نے آنکھیں نکالیں۔ ”براہ کرم میرے معاملات میں ارے.....باق رے۔“ قاسم بوكھلا ہٹ میں پیٹ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

انداز ہونے کی کوشش نہ سمجھے۔“

”لاحول ولا قوۃ.....میں نے تو۔“

”ہمیں کچھ نہیں.....میں دیکھوں گا کہ وہ کیسے بھوت ہیں۔“

”کیوں جناب۔“ حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”ارے سب بکواس ہے۔ آئیے میرے ساتھ۔“

”قدیر تمہیں کیا پڑی تھی۔ کیوں بولے تھے۔“ بیگم نے جھلانے ہوئے لمحے میں کہا۔ ”جی ہاں۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”یہ میری خوش قسمتی ہے کہ ایک ایسی عمارت بالآخر ہی

موٹا آگے بڑھ گیا۔ دفعتاً بے بی نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ ”لی جس میں بھوت رہتے ہیں۔“

”نہیں ڈیڈی.....خدا کے لئے وہاں نہ جائیے۔“

”کیا حماقت ہے۔ کیا تم سب مجھے ان دونوں شریف آدمیوں کے سامنے نہ لے کجھوں گا جس نے پانچ سورو پے کے خرچے پر یہاں بھتوں کو نکالا تھا۔“

چاہتے ہو۔“

”گرنہ سمجھے۔ پہنے نہیں نکلے تھے تو اب نکل جائیں گے۔“

اس نے جھکلے سے ہاتھ چھڑایا اور آگے بڑھتا چلا گیا۔ حمید اور قاسم چھپے تھے۔ ”جی نہیں.....جی نہیں۔ اب میں آپ کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔ میں اسی غلط فہمی میں

قاسم ہننوں ہی ہننوں میں کچھ بربڑا رہا تھا۔

وہ عمارت کے آسیب زدہ حصے میں آئے۔ لیکن بناوٹ کے اعتبار سے اسے الٹا۔ ”میں اپنی ذمہ داری پر رہوں گا۔“

کا حصہ تو نہیں قرار دیا جا سکتا تھا۔ یہ پرانے طرز کی عمارت تھی اور اس کی تعمیر بھی دوسری۔ ”آپ اور ہر چیز پل کر رہے ہیں۔ یہاں نہیں۔“

”خیر اس کے متعلق پھر سوچیں گے۔ مجھے اُس کے کی موت کا بے حد قلق ہے۔ آئیے سے پہلے ہی ہوئی ہوگی۔“

حمدی نے رک کر کہا۔ ”میں نے تو سنا تھا کہ یہ آپکی رہائشی عمارت ہی کا ایک حصہ۔“

”جی نہیں! غلط سنا آپ نے۔ یہ ہمارا آبائی مکان ہے۔ برادر والی عمارت تھا۔“

”جی ہاں.....یہیں! ذریعے مت۔ میرے پاس بھتوں سے بچاؤ کے لئے بہت گھبرا کرائی تھی۔ یہ میرے والد صاحب نے بنوائی تھی۔ بنوائی کیا تھی۔ مرمت کرائی تھی۔“

تو یور ہے۔ مگر وہ شاکد بڑا ہاڈ۔ اُف فوہ۔۔۔ بار بار اس کی تصویر آنکھوں میں پھرنا چھڑے ہی اڑا کر رکھ دیتا۔ اسی ڈر سے وہ بھی رات کو باہر نہیں نکلتی تھی۔“

”بس کیا بتاؤ۔ بڑی دردناک موت ہوئی ہے۔ خدا اس عورت پر حرم کر جب تو مارڈالنا ہی ضروری ہوا۔“

بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور حمید نے قاسم سے کہا۔ ”بڑے بھائی تم ذرا دروازے پر اڑے تو خواہ مخواہ دشمن بنایا تھا اپنا۔۔۔ بندھا ہوتا تھا مار لیتی تھی۔ کھلا تو آنکھ اٹھا کر کوئی بھوٹ اندر داخل ہونے کی کوشش کرے تو اٹھا کر باہر پھینک دیتا۔“

”جبور۔۔۔ جبور۔۔۔!“ قاسم دنوں آنکھیں مار کر مسکرا کر اور صدر دروازے پر اڑے۔ ”بہر حال مجھے اس کی موت پر بے حد افسوس ہے۔“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

بڑھ گیا۔

”وسری شادی نہ کرنی چاہئے۔“

وہ کمرے میں آئے۔ یہ نشست ہی کا کمرہ ہو سکتا تھا۔ یہاں معمولی قسم کا فرنچائز۔ ”بیہی تو حمact ہوئی ہے نہ سے۔“ وہ ران پر ہاتھ مار کر بولا اور اس طرح حمید نے

”ہاں۔۔۔ تفضل صاحب کتنے دنوں سے تھا یہ کتاب آپ کے پاس۔“ حمید نے پہلے تقدیم کر لی کہ وہ ”بے بی“ کی مان نہیں ہے لیکن بے بی سے برتاوہ رہا نہیں معلوم ہوتا۔ مگر یہ

”ایک ماہ سے۔“

”اور بیگم صاحبہ غالباً کتوں سے نفرت کرتی ہیں۔ اسی لئے پہلے آپ کے یہاں تدری صاحب۔“

”تدری صاحب خواہ مخواہ آپ کو غصہ دلار ہے تھے۔“ حمید نے کہا۔ ”نہ رہا ہو گا۔“

”مجھے خفت نفرت ہے اس آدمی سے۔۔۔ اس سے ہی نہیں بیگم کے سارے کزوں سے۔“

خدا بھائی دے یا نہ دے لیکن کزوں سے بہر حال محفوظ ہی رکھے۔“

”بی ہاں۔۔۔ پہلے کبھی نہیں تھا۔“

”اے کیوں رکھا تھا آپ نے جب معلوم تھا کہ بیگم صاحبہ اتنی جابر ہیں۔“

”تعداد زیادہ ہے کیا۔“

”ارے بس کیا بتاؤ۔ میرا خیال ہے کہ کوئی میرے یہاں لمبی چوری کیا۔“ ”میں آج تک انگلیوں پر تو نہیں گن سکا۔ اور معاف کیجئے گا میں بھی باقتوں میں الجھ گیا۔

ہے۔ چوکیدار تو رہتا ہے لیکن اگر کئی آدمی ہوئے تو وہ اکیلا ان کا کیا بگاڑ لے گا۔“ یہ تو میرا مقدر ہے الجھوں گا۔“

”چوری کا خیال کیسے پیدا ہوا تھا۔“

”ایک رات کچھ آدمی کپاڑ غذ کی دیوار پر نظر آئے تھے۔ اتفاقاً میری آنکھ کھل لئیں۔“

چوکیدار نے بھی انہیں نہیں دیکھا تھا۔ میں نے للاکار تو بھاگ نکلے۔“

”اس کے باوجود بھی بیگم صاحبہ نے کتاب کھنے کی خلافت کی تھی۔ مجھے جرت ہے؟“

”وہ فرماتی ہیں دس آدمی رکھ لو مگر ایک کتاب نہ رکھو۔ میں کہتا ہوں ایک کتاب

سے زیادہ چالاک ہوتا ہے۔ مگر اس عورت کو کون سمجھائے۔ جب بھی مجھ پر غصہ آئے۔“

بیچارے کو پیٹ کر رکھ دیتی تھی اور وہ بھی اس کا دشمن ہی ہو گیا تھا۔ اگر ایک بار بھی

”میں آپ لوگوں کو اپنے کمرے میں رکھوں گا۔ جب تک دل چاہے رہے۔“

”کہاں چلوں۔“

”اچھا تو اٹھئے یہاں سے۔“

”پوادہ مت کیجئے۔ میں اس مکان کو بھوتوں سے پاک کر دوں گا۔“

”کہاں چلوں۔“

”میں آپ لوگوں کو اپنے کمرے میں رکھوں گا۔ جب تک دل چاہے رہے۔“

”پھر فائدہ می کیا ہوا۔ نہیں ہم سینے رہیں گے۔“
”خداد نہ کیجئے۔“

”آپ بالکل مطمئن رہنے۔ اگر کہنے تو ایک تحریر بھی دے دوں آپ کو۔۔۔ کہ اگر میں مر جاؤں تو اس کی ذمہ داری کسی دوسرے پر عائد نہ کی جائے۔ میں نے دیدہ و دانستہ اس عمارت

”میں کہتا ہوں آپ قطعی فکر نہ کیجئے ورنہ بہوت میری لگوٹی ہی کو نیت جانیں گے۔ میں قیام کیا ہے۔ بس اب ختم کیجئے۔ میں ذرا فرش دھوڑاں بیٹھ روم کا۔ آپ کے ملازم تواب ”بھاگتے بھوت کی لگوٹی۔۔۔ ہاہاہا۔“ موٹا ہنس پڑا۔ ”واہ کیا بات پیدا کی ہے۔“ یہاں قدم بھی نہ رکھیں گے۔“

”خدا آپ پر حرم کرے۔“ موٹا اٹھتا ہوا بولا۔ ”تو گذارش یہ ہے کہ ہم ہر حال میں یہیں تھبیریں گے۔“

”دیکھئے۔۔۔ یہ نامکن ہے اور میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ آپ اس ملے پر میر۔ اس کے چلنے پر قاسم دروازہ بند کر کے واپس آگیا۔“
”یہ بتاؤ بیٹا۔ وہ کبڈی خانم تمہیں تھاں لے گئی تھی۔“ اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

”تمہارے متعلق پوچھ رہی تھیں۔ کہنے لگیں کہ میں نے اتنا گرانڈیل محبوب آج تک

”خیال نہ ہوں۔“ ”کچھ بھی ہو۔ میں تو یہیں رہوں گا۔“ ”جواب نہیں ہے آپ کا۔“

”آپ بھی تو لا جواب ہیں تفضل صاحب۔ تمیں من کا بھوکپڑا تھا آپ نے۔۔۔“ ”ایبے نہیں۔۔۔ الاقسم۔۔۔ ہی ہی ہی۔۔۔ سالے جھوٹ۔“

”یقین کرو۔ اتنی دیر یک صرف تمہارے عی متعلق گفتگو کرتی رہی تھی۔ کہنے لگی۔ ہائے خدا نخواستہ تاگ مار دیتا تو کیا حشر ہوتا آپ کا۔“

”اوہ۔۔۔ میں ایسے خطرات کی پرواہ نہیں کرتا۔“ موٹے نے فخر یہ لمحے میں کہا۔ ”تم کی طرح چلا ہے۔۔۔ سہرا ب کی طرح با تم کرنا ہے اور ڈماشک کی طرح۔۔۔!“ ”ڈماشک کیا۔“

”جرمنی کا نامی پبلو این تھا۔“ ”اسی طرح بھوت پکڑنا میری ہوبی ہے۔“ ”بھوت سامنے نہیں آتے۔“

”اسی لئے میری ہوبی۔۔۔ آپ کی ہوبی سے زیادہ خطرناک اور دلچسپ ہے۔“ ”آپ عجیب آدمی ہیں۔“

”عجب ترین کہنے مثر۔“ حمید بھی فخر یہ انداز میں بولا۔ ”اب تک سازھے ہاں جاؤں ہو۔۔۔ سمجھے۔۔۔ ہماری اصلیت نہ ظاہر ہونے پائے۔“

”میقل جاؤں ہوں۔“ قاسم اکڑ کر بولا۔ ”موٹے کا پتہ میں نے ہی لگایا تھا۔“ ”بھوت پکڑ چکا ہوں۔“ ”سازھے۔“

”حید نے پوری عمارت کا جائزہ لیا۔ اس میں کل پانچ کمرے تھے۔ سامنے برا سادا لان تھا اور ایک کافی کشادہ سجن بھی۔“ ”ہاں۔۔۔ ایک بھوت کا بچہ تھا۔ خیر ہاں تو ہم ہر حال میں یہیں قیام کریں گے۔“

”اظہار بہاں بچھ بھی غیر معمولی نہ تھا۔۔۔ لکن وہ خون اور دھواں۔“ ”جھنے کہ اسی وقت سے جم گئے ہیں۔“ ”نا سمجھی نہ کیجئے۔“

”قاسم کو پانی کی کافی بالٹیاں کمرے کے فرش پر ڈھلکانی پڑی تھیں اور اس نے پہلے تو

”بھاگتے بھوت کا بچہ تھا۔ خیر ہاں تو ہم ہر حال میں یہیں قیام کریں گے۔“

”آپ کوش کیجئے کہ نہ بڑھنے پائے جس کا بہترین طریقہ یہی ہوگا کہ ہمیں ہمارے
مال پر چوڑ دیجئے۔“

”بہر والے بھی یہاں آ کر خبٹی ہو جاتے ہیں۔“

”یہ نہ بھولئے کہ ہم بھوتوں کے زیر اثر ہیں۔“ حمید مکرمیا۔
”چلو فتح کرو۔“ تفضل کی بیوی دوسروں کی طرف مڑی۔ ”احتیاطاً ہم پولیس اسٹشن بھی
فون کر دیں۔“

”آپ کو ماہی ہو گی محترمہ۔“ حمید بولا۔ ”ہماری تعزیرات میں بھوتوں کے قدر انہوں
کے متعلق کوئی دفعہ نہیں ہے۔“

پھر تفضل کے علاوہ اور سب چلے گئے۔ اس نے کہا کہ اگر وہ وہاں سے ہٹنے پر رضا مند
نہیں ہیں تو وہ انہیں تھانہ نہیں رہنے دے گا خود بھی انہیں کے ساتھ رات بسر کرے گا۔

”ظاہر ہے کہ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ حمید بولا۔

رات کا کھانا قاسم ہوئی سے لایا تھا۔ ویسے تفضل نے کوشش کی تھی کہ وہ اُس کے ساتھ
عن کھامیں لیکن حمید نے کہا تھا۔ ”ابھی بیگم صاحبہ صرف کتوں ہی سے متفرز ہیں لیکن اگر انہیں
میرے ساتھی کو کھانا کھلانا پڑا تو آدمیوں سے بھی نفرت کرنے لگیں گی۔“

اُس وقت یہ بات تفضل کی سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن جب قاسم کو کھاتے دیکھا تو دیکھا
کوچ کر گئے۔ ویسے اتنا ہوش تو تھا ہی کہ جیرت کا اظہار کر سکتا۔

”لبے ہوتا ہے تو میری ہی طرح کھایا کرو چجل صاحب۔“ قاسم نے فس کر کہا تھا۔
پھر تقریباً دس بجے آرام کی خبری۔ اس وقت تک کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔
یا اور بات ہے کہ تفضل کے لئے قاسم کی خواک میں ایک بوکھلا دینے والا حادثہ رہی ہو اور اس
نے اسی کے بھوت ہونے کے امکانات پر غور کیا ہو۔

ساڑھے گیارہ بجے حمید تفضل اور قاسم کے خراں کی آوازیں سن رہا تھا۔ تینوں بستر
ایک ہی کرے میں لگائے گئے تھے اور پوری عمارت میں روشنی تھی۔

بھوتوں کو گالیاں دی تھیں اور پھر حمید سے الجھ پڑا تھا۔

”آئے ٹھینگے پر ہے تمہاری جا سوی واسوی۔ بھگی بھی بننا پڑتا ہے۔ قیوں؟“

”مبر سے کام لو۔ اکثر بھیک بھی مانگتی پڑتی ہے۔“

”اچھا..... جی..... اب مجھ سے بھیک بھی منگاؤ گے۔“ وہ بالائی ایک طرف پر
غرایا۔ ”میرا باب بھی سالا نہیں منگوا سکتا۔ جرا کوشش کر کے تو دیکھو۔“

وفتنگ کی نے دروازے پر دستک دی۔ حمید نے قاسم کو فارم میں آجائے کو کہا اور فربہ
دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

تفضیل کے گھر کے سارے افراد انہیں سمجھانے آئے تھے۔ بیگم نے یہاں تک کہا
وہ ان کے لئے اپنا ذاتی کمرہ بھی خالی کر سکتی ہے۔ لیکن وہ اس آسیب زدہ مکان میں زندگی
کریں۔ لڑکی نے روہانی ہو کر کہا تھا کہ وہ دونوں ان کے لئے بھی کسی بڑی پریشانی کا باہر
بن جائیں گے۔ تفضل تو خیر پہلے ہی زور دیتا رہا تھا کہ وہ وہاں رات بسرنہ کریں۔

بیگم کا کزن قدر یہ بالآخر جلا ہی گیا۔

”آپ کو یہاں سے ہٹا ہی پڑے گا جناب۔“ اس نے کہا۔ ”آپ پورے خاندان
سلامتی خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔“

”آئے جاؤ۔“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ”مر گئے ہٹانے والے۔ بڑے آئے کہیں کے۔“

”اوہ..... تو آپ.....!“ قدر تھنے پھلا کر آگے بڑھا۔

”بلیز.....!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس کی ضرورت نہیں ہے..... قاسم ذیر.....
قابو میں رکھو۔ کیونکہ ہمیں یہاں پورے تین ماہ گذارنے ہیں۔“

”آپ ایک منٹ بھی نہ رہ سکیں گے۔“ قدر بولا۔

”بھوتوں کے طرفدار ہیں آپ.....!“ حمید نے تیز لمحے میں پوچھا۔

”رشتے کے وہ لگتے ہیں۔“ قاسم پھوہر پنے سے ہٹا تھا۔

”آپے لوگ بات بڑھا رہے ہیں۔“ بیگم تفضل نے کہا۔

حید جاگتا رہا۔ قاسم کے متعلق اُسے یقین تھا کہ وہ بے نہر سورہا تھا۔ لیکن تفضل مطابق دہان بھی اُسی جگہ سے شعلہ بلند ہوا تھا۔ خرانے اس کی دانست میں سو فیصدی بناؤٹی تھی۔

ٹھیک بارہ بجے یک بیک سارے بلب بجھ گئے اور حید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا ہے؟“ اس نے تفضل کی آواز سنی۔

”اندھیرا۔“ حید نے جواب دیا اور جیب میں پڑے ہوئے روپالور کے دستے پر اس میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ پھر تفضل کو مسہری پر اونڈھا پڑا دیکھ کر اسے بھی آگئی۔ ”گرفت مضبوط ہو گئی۔“ اس نے ہاک لگائی۔ ”آے اونڈھے سورہ ہے ہو۔۔۔۔۔ ہی ہی پھر وہ دروازے کی طرف بڑھنی رہا تھا کہ دالان کے وسط میں روشنی کا جھما کا ساہروا ہی۔ ارے کیسے لیتا جاتا ہے۔۔۔۔۔ میں تو اس طرح نہیں لیٹ سکتا۔“

بانکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے آگ کی پیٹ فرش سے پھوٹی ہو۔

تفضل کی چیخ سے پوری عمارت گونج انھی۔

”ابے قیا ہوا۔۔۔۔۔!“ قاسم بھی یوکھلا کر اٹھ گیا۔ لیکن اندھیرے میں مسہری چھوڑنے کے ہمت نہ کر سکا۔

اس بار روشنی کا جھما کا گھن میں ہوا اور پھر اندھیرا چھا گیا۔ تفضل پھر چینا۔ حید جہاں غائب اگل فریدی کا سگار اس کے ذہن کے کسی گوشے میں کلبایا تھا۔ وہیں کھڑا رہا۔

”حید صاحب کہاں گئے۔“

”بھوت پکونے۔“

”اُف نوہ۔۔۔ کیسی نادانی ہے۔“ تفضل بڑدا یا۔۔۔ پھر قاسم سے بولا۔ ”ذر اٹھائیے تو مجھے۔“

”اُسے اب ایسا بھی کیا۔“ قاسم نے آنکھیں نکالیں۔ ”اگر بھوت چڑھ بیٹھے تو۔“

”خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کیجئے۔“ تفضل نے آہستہ سے کہا اور ہنقوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھاک رہا تھا۔

”اُسے تو ڈرتے قیوں ہومیاں۔ وہ محفل پکڑنے والے جال سے بھوت پکڑتا ہے۔“

قاسم نے کہا اور پھر مزید کچھ کہنے کے لئے زبان ہلانے سے قبل ہی یاد آ گیا کہ وہ حید کا

اسٹرنٹ ہے اور خود بھی ”جا سوی کرنا“ سیکھ رہا ہے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے مند بالیا۔ کیا

ہے زبان پھول عجا جاتی۔“

قاسم نے نفرہ لگایا تھا اور پتہ نہیں کس طرح دھم سے نیچے آ گرا تھا۔ پھر وہ اٹھنے کی کوٹ کر میں رہا تھا کہ سارے بلب روشن ہو گئے۔ تفضل اپنی مسہری پر اونڈھا پڑا ہوا تھا۔

حید گھن کی طرف پکا۔ دالان میں ٹھیک اسی جگہ تازہ خون پھیلا ہوا نظر آیا جہاں۔ شعلہ اٹھا تھا۔ اسی طرح گھن میں بھی خون کا بڑا سا دھبہ دکھائی دیا۔ حید کے اندازے کے

آگ اور خون

کاؤں میں بے شمار سریلی آوازوں نے رس پٹکایا تھا۔ لیکن گھر پہنچ کر جب اُسے وہ پجوش ہوئی آواز میں کہا۔

”ارے میں نے کہا..... کہیں یہاں والے بھوت بُرانہ مان جائیں۔“ قاسم نے ”بارہ باد آتی تو اُس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس نے سوچا..... اگر سینگ چھڑا کر سالا پیٹ پھاڑ دیتا تو کیا ہوتا۔“

”وہ حضرت گئے کہاں۔ خدا کے لئے انہیں آواز دیجئے۔ مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔“ ”ہائے..... قیا ہوتا۔“ اُس نے رو دینے والی آواز میں بیوی سے پوچھا۔

خوف کے نام پر قاسم کو خیال آیا کہ وہ خود بھی شائد خوفزدہ ہے۔ کیا پڑے بھوت ہے کاہے کا کیا ہوتا۔ بیوی اُسے گھورنے لگی تھی۔ اُسے کیا پڑتے کہ حضرت باہر کیا کر آئے ہوں..... اُسے برف کے بھوت یاد آئے اور سوچا وہ تو آدمی ہی تھے..... لیکن ضروری نہیں کہ تھے اور اب ان پر کیا گذبری تھی۔ ہر حال قاسم وضاحت کرنے سے پہلے ہی ترے گرا تھا اور بھوٹ میں آدمیت پائی جائے۔

”تو پھر میں تمہیں اٹھاؤں۔“ اُس نے کاپنی ہوئی آواز میں تفضل سے پوچھا۔

بالکل اسی طرح اس وقت بھی بھوتوں کا خوف میدان صاف ہو جانے کے بعد ہی طاری ہوا۔ گھٹکی بندھ گئی اور اس خیال سے کہ اگر انہیں میں بھوت گردان دبوچ لیتا تو کیا ہوتا۔

”لٹاٹ کرو جا کر۔“ قاسم نے کہا۔

”لے..... نہیں ہرگز نہیں۔ میں کمرے سے باہر نہیں نکلوں گا۔“

”اچھا جی۔“ قاسم آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تو پھر قیا میں نکلوں گا..... کوئی میری پہاڑ میں جانب نہیں..... الوکا پٹھا ہوں۔ میں اب کھاموش رہو۔۔۔ ارے باپ رے۔۔۔

پہچان ہے یہاں کے بھوتوں سے۔ کوئی سالا نام پوچھ بیٹھا تو کیا کروں گا۔ سالا۔“

”ارے باپ رے۔۔۔ سالا نہیں پیارا۔۔۔ پیارے بھوت بھائی تمہیں نہیں کہا۔“

وہ بوکھلا ہٹ میں اپنا منہ پیٹنے لگا۔ قاسم کچھ اسی قسم کا آدمی تھا۔ آہستہ آہستہ ہی اُسے کہ خطرے کا احساس ہوتا تھا۔ یا پھر خطرے سے گذر جانے کے بعد خوفزدگی کی باری آتی تھی۔

دانت اور تیزی سے بجتے گلے۔۔۔ لیکن جیسے ہی آنے والے کمرے میں داخل ہوئے اس مثال کے طور پر۔۔۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ دارالحکومت کی ایک بارونق سڑک پر کسی پھر بیکنی اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبائے ہوئے سیدھا ہو گیا۔

حمد کے ساتھ چوکیدار بھی تھا۔ دونوں نے مل کر تفضل کو سیدھا کیا۔

تفضل اب تک ہانپے جارہا تھا۔

”آپ کہاں گئے تھے۔۔۔ کیا ہوا۔“ اُس نے حمید سے پوچھا۔

”ابھی تک کچھ بھی نہیں ہوا۔“

”کچھ فوجوں نے وہاں پہنچ کر اس کھیل کا خاتمه کیا تھا اور قاسم کی خوب پیٹھوں کی گئی تھی۔۔۔“

”کیوں کیا بات ہے۔۔۔ تفضل نے تو کا۔“

”ارے میں نے کہا..... کہیں یہاں والے بھوت بُرانہ مان جائیں۔“ قاسم نے ”بارہ باد آتی تو اُس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اس نے سوچا..... اگر سینگ چھڑا کر سالا پیٹ پھاڑ دیتا تو کیا ہوتا۔“

جلد نمبر 28

”نہیں۔“ حید نے جواب دیا اور پاپ میں تمبا کو بھرنے لگا۔
 ”آپ کو میں یہی مشورہ دیتا چاہتا ہوں کہ آپ اسی وقت یہاں سے چلے جائیں۔“ سالا پاپ بھی مجھے زہری لگتا ہے۔ کہیں کے نہیں اور پاپ میں تمبا کو بھرنے لگیں گے۔ وہ حضرت کہیں گے۔ ”نہیں۔“ اور منہ میں سگار گھسیر لیں گے۔ چلو کسہ ختم۔ ٹھیکنے پر

”اے..... اسکی..... وہ..... وہ..... وہ.....!“

غالباً وہ ”جاوسی“ کہنا چاہتا تھا لیکن دفعتاً حید کے آنکھیں دکھانے پر ہوش آگیا اور پھر

”بھائی تو سید ہے پرستان جائیں گے۔“ قاسم جھلا کر بولا اور ایسی نظر دول سے بہر زبان سے ”وہ..... وہ“ کے علاوہ اور کچھ نہ نکل سکا۔ دیکھنے لگا جیسے بھاڑی تو کھائے گا۔

پھر تقریباً تیس میٹر تک تفضل اسی مسئلے پر حید سے الجھا رہا۔ لیکن اسے وہاں سے بڑی بیکتی ہے تو پھر اسے ہوش نہیں رہتا کہ وہ کہاں ہے اور کیا بک رہا ہے۔ لیکن فی الحال کوئی ایسی تبدیر نہ سوچ سکی جس کے تحت اسے روکا جاسکتا۔ پر آمادہ نہ کر سکا۔

قاسم نے ٹھنڈی سانس لی اور بے بی سے بولا۔ ”خدا کا شکر ہے کہ میں عورت۔“ ”چلنے صاحب پھر آپ ہی چلنے۔“ تفضل کراہ کر امتحانا ہوا بولا۔ ”میں.....!“ قاسم نے آہستہ سے کہا۔ پھر پاگلوں کی طرح رانیں پیٹتا ہوا چینا۔ ہوں۔“

تفضل نے متیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ ”اے..... میں قہاں جاسکتا ہوں۔“ مجھے تو اسی افلاظوں کے ساتھ میں..... مرنا مژا ناگناہ ہے۔

”اے اور قیا..... عورت ہوتا..... اور ان حجرت کے ساتھ میرا نکاح ہو گیا ہوتا۔ تو ابھی سالے اباجان تم نے کہیں کانہ رکھا۔۔۔ دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔“

۔۔۔ پھوٹ گئی تھی تاقدیر۔“ اس نے کہا اور دانت پیس کر حید کو گھونسر دکھاتا ہوا بولا۔ ”اے..... یہ کیا کہہ رہے ہیں۔“ تفضل نے متیرانہ لمحے میں حید سے پوچھا۔

”آپ جا کر آرام تکچھے تفضل صاحب۔“ حید بولا۔ ”اس پر شام اثر ہو گیا ہے۔ پھوٹ مردی میں پر..... میں تو جا رہا ہوں۔“

”ضرور جاؤ.....!“ حید مسکرا کر بولا۔ ”میں خود بھی نہیں چاہتا کہ تم ان خطرات میں جھلک کے بغیر نہیں اترے گا۔ بس اب جائیے۔“

جس کی مجھے ذرہ برا بر بھی پرواد نہیں ہوتی۔“ تفضل صرف چوکیدار کے ساتھ جانے پر رضا مند نہیں ہوا کیونکہ چوکیدار بھی خائف نظر ہے کہ نہیں۔“

”جرا..... دیکھو جل بھائی۔ اب اگر میرا نکاح ہو گیا ہوتا تو یہیں حل جل کر مراجا ہا۔۔۔ آہا تھا۔۔۔ آخر حید اور قاسم بھی اسے دوسری عمارت کے برآمدے تک چھوڑنے آئے۔

برآمدے میں روشنی تھی۔ جیسے عی وہ قریب پہنچے مز تفضل چھٹتی ہوئی ایک کمرے سے نکلی۔

”کیا ہوا..... کیا ہوا..... میں نے شور سننا تھا۔“ اس نے کہا۔ تفضل بے ڈھنگے پن سے ہننے لگا۔ لیکن اس بھی میں خوف بھی شامل تھا اور وہ بارہ کر گھن کی طرف ضرور دیکھتا تھا۔۔۔ پچھے دری تک خاموشی رسی پھر قاسم آنکھیں نکال کر

”آسے تو پھر تم نہیں چلو گے۔“ ”اوہ..... یہاں تک آوازیں پہنچی تھیں۔“ حید نے حیرت ظاہر کی۔

”چوکیدار نے شور سن کر ہمیں جگایا تھا۔ میں نے پولیس کو فون کر دیا ہے۔“

”چلنے خدا کے لئے چلنے یہاں سے۔“

”آپ کو میں یہی مشورہ دیتا چاہتا ہوں کہ آپ اسی وقت یہاں سے چلے جائیں۔“ کہیں کے نہیں اور پاپ میں تمبا کو بھرنے لگیں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور آپ.....!“

”مجھے کہاں جانا ہے۔“

”بھائی تو سید ہے پرستان جائیں گے۔“ قاسم جھلا کر بولا اور ایسی نظر دول سے بہر زبان سے ”وہ..... وہ“ کے علاوہ اور کچھ نہ نکل سکا۔

”جس کی طرف دیکھنے لگا جیسے بھاڑی تو کھائے گا۔“

پھر تقریباً تیس میٹر تک تفضل اسی مسئلے پر حید سے الجھا رہا۔ لیکن اسے وہاں سے بڑی بیکتی ہے تو پھر اسے ہوش نہیں رہتا کہ وہ کہاں ہے اور کیا بک رہا ہے۔

لیکن فی الحال کوئی ایسی تبدیر نہ سوچ سکی جس کے تحت اسے روکا جاسکتا۔ پر آمادہ نہ کر سکا۔

قاسم نے ٹھنڈی سانس لی اور بے بی سے بولا۔ ”خدا کا شکر ہے کہ میں عورت۔“ ”چلنے صاحب پھر آپ ہی چلنے۔“ تفضل کراہ کر امتحانا ہوا بولا۔

”میں.....!“ قاسم نے آہستہ سے کہا۔ پھر پاگلوں کی طرح رانیں پیٹتا ہوا چینا۔ ہوں۔“

تفضل نے متیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

”اے..... میں قہاں جاسکتا ہوں۔“ مجھے تو اسی افلاظوں کے ساتھ میں..... مرنا مژا ناگناہ ہے۔

”اے اور قیا..... عورت ہوتا..... اور ان حجرت کے ساتھ میرا نکاح ہو گیا ہوتا۔ تو ابھی سالے اباجان تم نے کہیں کانہ رکھا۔۔۔ دھکے کھاتا پھر رہا ہوں۔“

۔۔۔ پھوٹ گئی تھی تاقدیر۔“ اس نے کہا اور دانت پیس کر حید کو گھونسر دکھاتا ہوا بولا۔ ”اے..... یہ کیا کہہ رہے ہیں۔“ تفضل نے متیرانہ لمحے میں حید سے پوچھا۔

”آپ جا کر آرام تکچھے تفضل صاحب۔“ حید بولا۔ ”اس پر شام اثر ہو گیا ہے۔ پھوٹ مردی میں پر..... میں تو جا رہا ہوں۔“

”ضرور جاؤ.....!“ حید مسکرا کر بولا۔ ”میں خود بھی نہیں چاہتا کہ تم ان خطرات میں جھلک کے بغیر نہیں اترے گا۔ بس اب جائیے۔“

جس کی مجھے ذرہ برا بر بھی پرواد نہیں ہوتی۔“ تفضل صرف چوکیدار کے ساتھ جانے پر رضا مند نہیں ہوا کیونکہ چوکیدار بھی خائف نظر ہے کہ نہیں۔“

”جرا..... دیکھو جل بھائی۔ اب اگر میرا نکاح ہو گیا ہوتا تو یہیں حل جل کر مراجا ہا۔۔۔ آہا تھا۔۔۔ آخر حید اور قاسم بھی اسے دوسری عمارت کے برآمدے تک چھوڑنے آئے۔

برآمدے میں روشنی تھی۔ جیسے عی وہ قریب پہنچے مز تفضل چھٹتی ہوئی ایک کمرے سے نکلی۔

”کیا ہوا..... کیا ہوا..... میں نے شور سننا تھا۔“ اس نے کہا۔ تفضل بے ڈھنگے پن سے ہننے لگا۔ لیکن اس بھی میں خوف بھی شامل تھا اور وہ بارہ کر گھن کی طرف ضرور دیکھتا تھا۔۔۔ پچھے دری تک خاموشی رسی پھر قاسم آنکھیں نکال کر

”آسے تو پھر تم نہیں چلو گے۔“

”کمال ہے..... پولیس بیچاری کیا کر سکے گی۔“ حمید نے سر ہلا کر کہا۔
”اور سنو۔“ تفضل بولا۔ ”یہ لوگ پھر وہیں جا رہے ہیں۔“

”ایت ہیں مکن اور دالان میں موجود تھے جب وہ دونوں تفضل کو پہنچانے کے لئے دوسری
مارت مکن گئے تھے۔“
”نہیں..... یہ ناممکن ہے..... قطعی ناممکن ہے۔“ بے بی نے جملائے ہوئے تھے۔ ”خواب دیکھا ہو گا آپ لوگوں نے۔“ سینئڈ آفیسر نے مسکرا کر کہا۔
”بھی میں بھی کہہ رہا تھا آپ سے تفضل صاحب۔“ حمید نے بڑی سادگی سے کہا۔
”قاسم اس کی طرف دیکھنے لگا۔“

”مگر ہوا کیا۔“ مز تفضل نے پوچھا۔
”تفضل نے ہاتھ پتے ہوئے پوری کہانی سنائی اور حمید کو یقین ہو گیا وہ واقعات رواں
کے وقت تک سوتا نہیں رہا تھا۔ تو پھر اسکے خزانے قطعی طور پر مصنوعی تھے۔ لیکن اس حرکت از
مقصد تو ابھی تک کسی بھی حرکت کا سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ تفضل ہی نے یہ مکان
اٹھایا تھا لیکن اس کی بیوی مخالفت کرتی تھی اور پھر کتنے کی موت جو قیمتی طور پر غیر
تحمی۔ کیا اُسے بھی کسی طرح ان واقعات سے نجیمی کیا جا سکتا تھا۔ پھر اس کا مقصد ہی ”آپ کوں چپ ہیں جناب۔“
کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

”مگر بنیادی بات تو تمہی اُس مکان کا کرایہ پر دیا جانا۔“ تفضل کیا چاہتا تھا۔ کیا مز
عی کہ اس مکان کی پبلیشی آسیب زدہ ہونے کی حیثیت سے ہو جائے یا اس میں کوئی اور غرض
پوشیدہ تھا۔

دوسروں کے بیان کے مطابق وہ مکان بہت عرصے کے بعد کسی کو کرایہ پر دیا جائے۔ ”جی نہیں بھلا میں کیوں کرتا۔ جیں سے سورہا تھا۔.... کہ یہک تفضل صاحب نے
دوسرے الفاظ میں کوئی کرایہ دار آئی دھرم کا تھا ورنہ گھروالے تو پہلے ہی کرایہ داروں کو۔“ پنج باراں جادی۔۔۔ پھر شاید یہ یگم صاحب نے ان کی آوازیں سن کر ہی فون کیا ہو گا۔“
”جیاہاں۔۔۔ م۔۔۔ میں نے ہی فون کیا تھا۔ سمجھی تھی شاکن کوئی گڑ بڑ ہوئی ہے۔“
”مگر یہ آپ کے کمرے میں یہاں کیوں سوئے تھے۔“ سینئڈ آفیسر نے حمید کو گھورتے
پھر بھائیک بھایا جانے لگا۔ غالباً پولیس آگئی تھی۔

قریبی تھانے کا سینئڈ آفیسر دکانشیلوں کے ساتھ آیا تھا۔ رات کے دونوں رکھیں دیا تھا۔ صبح جب ہم سماں لے کر یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مکان آسیب زدہ ہے۔ دونوں کر غل
پھر وہ ان کے ساتھ اس مکان میں گیا۔ لیکن خون کے دھبے اُسے کہیں نظر نہ آئے۔ کہ کروں میں دھوان اور خون پھیلا ہوا ہے۔ ٹھیک ہے۔۔۔

اُس وقت ہمیں بھی وہ چیزیں دکھائی دے گئی تھیں۔ لیکن ہم نے سوچا ممکن ہے کوئی ایسا طرح ہوتے سکوڑے جیسے حمید کی ٹھوڑی پر مکار سید کر دے گا۔ مل گیا ہو جو ہم سے زیادہ کراپیہ ادا کر سکے۔ جی ہاں..... پھر ہم ایسی صورت میں ہیں کہ لیکن حمید نے لاپرواٹی سے جہاں لیتے ہوئے کہا۔ ”اگر میں بھی اعتراف کر لیتا تو بات کر لیتے..... بہر حال تفضل صاحب مصر ہو گئے کہ ہم وہاں نہ رہیں۔ لیکن جب ہم اپنے ہدایت اور پھر نہ جانے کب سونا نصیب ہوتا۔“ دستیردار ہونے پر آمادہ نہ ہوئے تو انہوں نے تجویز پیش کی کہ ہمارے ہی ساتھ رہا۔ ”خدا کی پناہ..... ایسی حالت میں بھی نینڈ آپ کے لئے بہت اہم ہے۔“ مز تفضل گے۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ سوئے اور پھر یہک یک پتگھاڑ نے لگ۔“ فربا جی پڑی۔

”ارے اُو چوکیدار.....!“ تفضل پھر دہڑا۔ ”ابے تو نے بھی تو دیکھا تھا خون۔“ آہستہ بولئے۔ مختار مدد..... میں دل کا مریض ہوں۔“ حمید نے داہنے ہاتھ سے باہمیں نہ کل بغیر ٹوٹے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”نج..... جی ہاں..... سرکار!“

”بس صرف ہم دعی اندھے لیتے ہیں یہاں۔“ حمید نے جھلانے ہوئے چل۔ ”یو لوگ خود بھی بھوت ہیں۔ میں سمجھ گیا۔“ تفضل نے غصیلے لمحے میں کہا۔ اور قاسم بہ آواز بلند جہاں لے کر منہ چلانے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان معاملات قطعی بے تعلق ہو۔

سینڈ آفیسر نے تفضل کی بیوی سے کہا۔ ”بیگم صاحبہ آئندہ احتیاط رکھ۔“ بگیا بات سے بھی اُسے کوئی چیز نہ ہوتی۔ البتہ اگر میں یہاں مر جاؤں تو تلاش کا سڑاں ضرور ہو گا۔ اگر موت خون کی وجہ سے ثابت ہوگی تب کہیں جا کر وہ بھوتوں کے لامات پر گور کریں گے۔ ورنہ پھر انہیں پھانسی کے پھندے کیلئے کسی گردن کی تلاش ہوگی۔“

آفیسر اپنے ماتھوں سمیت رخصت ہو گیا اور تفضل پیشانی رکھتا ہوا بولا۔ ”میرفہمان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان واقعات کو ہماری حرکت قصور کر رہے ہیں۔“ بیویوں ہو جاؤں گا۔“

”اور پھر مجھے ہی بور کرو گے۔“ قاسم نے ہاتھ نچا کر کہا۔ ”کر آئے اب تم نہ۔“ تائیئے نہ..... وہ خون کے دھبے کہاں ہیں۔“ کہ میں بیویوں ہو گیا ہوں یا نہیں۔“

”کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ لوگوں نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔“ مز تفضل نے حمید کے ہاتھ کے ہونٹ آہستہ آہستہ مل رہے تھے اور آنکھیں اس انداز میں بند ہوتی جا رہی تھیں ”خون بھی دیکھا تھا اور آگ بھی دیکھی تھی۔“ حمید مسکرا۔

”حق اللہ.....!“ قاسم نے نفرہ لگایا اور دونوں ہاتھوں سے سر پینٹے لگا۔ پھر ”تمہارے تھاڑاں پر بجھک پڑا۔“ بولا۔ ”ابے تھجبل بھائی اب تم بالکل بیویوں ہو جاؤ۔ میں اپنے سر پر طبلہ بجاوں گا۔“ ”کیا ہوا..... کیا ہوا۔“ وہ سب چیز۔ تفضل کی بیوی نہیں پڑی۔ بس پھر کیا تھا۔ قاسم کی باخچیں کھل گئیں۔ بالکل تک

حمدی کی انگلیاں اس کی بخش پر تھیں..... پھر دوسرا نوکر بھی گرتا پڑتا وہیں آپنے
”بے بی۔“ تفضل چینا۔ ”بے بی کہاں ہے۔ بے بی کہاں ہے۔“

”بے بی کا ہے۔“ بیگم تفضل ہانپتی ہوئی بولی۔ ”یاددا یہ کیا ہو رہا ہے۔“
حمدی نے باہر نکل کر تاریچ روشن کی اور گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اس ملازم کی طرف
مزاج نے کسی خبیث کا حوالہ دیا تھا۔

”ہاں کیسا تھا وہ خبیث۔“

”بڑی ڈراؤنی شکل تھی جتاب۔۔۔ بڑے بڑے دو دانت ہاتھی کے دانتوں کی طرح لٹکے
اچھے تھے اور آنکھیں انگارہ۔“

دوسرا ملازم کو بمشکل سنبھالا جاسکا۔ ورنہ وہ بھی گرا ہوتا۔ تفضل بدستور ”بے بی۔“
اہلے کی قوم کے نشانات نہ مل سکے۔

پھر وہ ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔

”خاموش رہو۔ وہ بیہاں نہیں آئی تھی۔“ اس کی بیوی نے ڈانٹا۔

”بے بی۔“ دوسرا ملازم قام کے سہارے کھڑا ہاپتا ہوا بولا۔ ”یا آپ کہاں ہو چکے جا رہے ہیں۔“
”ٹھہریے۔“ دفعتاً تفضل ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کہیں نہیں۔“ ”حمدی مژا۔“ کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ بے بی کے غائب ہو جانے میں
سرکار۔۔۔ اور کھڑکی میں۔۔۔ خبیث۔۔۔ ہم دونوں برآمدے میں تھے۔“

”کیا بک رہا ہے۔“ تفضل چینا۔ ”جلدی سے کہہ چک۔“

”اُس وقت میں سب کچھ سوچ سکتا ہوں۔ مُرا لگا ہو تو معاف کر دیجئے۔ اُوہ بیگم فون۔۔۔
خاکے لئے پھر فون کرو۔“

”خبیث نے اندر نہیں جانے دیا۔“

”کون سالا ہے چلو میں دخنوں۔“ قاسم غرایا۔

”اُرے چلو۔۔۔ چلو۔۔۔ خدا کے لئے۔“ تفضل دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”اب کس منہ سے فون کروں گی۔ تم ہی کوشش کرو۔“
”مرا راست ایسی پی واصف کو فون کرو۔۔۔ میرا دوست ہے۔۔۔ خدا کے لئے جلدی
کرو۔۔۔ جب تک اس کی آواز نہ سنو برابر رنگ کرتی رہو۔۔۔ سورہا ہو گا۔۔۔ نمبر تھری فائیوایٹ
”اُسے بھی اٹھائے لیتے چلو۔۔۔ بیہوش نہیں۔“

”اوہ۔۔۔ خدا۔۔۔“ بیگم تفضل کیکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”ان لوگوں نے کیا ہے۔“ ”ان لوگوں نے کیا ہے۔“

”جاری ہوں۔ مگر ان لوگوں سے ہوشیار رہتا۔ اب تو مجھے بھی شبہ ہو رہا ہے۔“
”تیا تمہریں میں بختم صاحب۔“ قاسم نے دانت نکالے۔

ایک بار پھر یہ تاقدیر ہائی عمارت کی طرف آیا۔ ساری کوئی چھان ماری گئی۔
لیکن وہ کوئی جواب دیئے بغیر اندر چل گئی اور حمید جو کچھ دور چل کر واپس آگیا تھا ملازم
اور وہیں ایک سلپر بھی پر انظر آیا۔

”جنت کی کھڑکی۔“ قاسم جھلا کر ہاتھ پنجا ہوا بولا۔ ”اب ڈالی بجائے پھر کر رہا تھا۔“

انت میں تفضل کی بیوی بھی واپس آگئی اور قاسم یک بیک ساکت ہو گیا۔

تفضل جو کچھ بھی سمجھا ہو لیکن قاسم کی اس بکواس کا مطلب یہی تھا کہ اسے دلی پتلی اور

دھان پان قسم کی لاکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ البتہ اگر یہیم صاحب غائب ہوئی تو وہ ضرور

”کیا منع کر رہے تھے۔“ تفضل اسے گھورنے لگا۔

”صحح کرے میں خون دلکھ کر یہ بھی بوكھلا گئے تھے۔“ حمید نے کہا اور مجھے مخواہ سوچتا کہیں واقعی اسی نے نے غائب کر دیا ہو۔

”تفضل صاحب۔“ حمید نے کہا۔ ”اگر آپ کو ہم پر کسی قسم کا شہر ہے تو ہم کہیں بھاگے نہیں

کہ ہم یہاں سے واپس چلیں۔“ ”آے کھوپڑی استعمال کرو۔“ قاسم نے حمید سے قہاراً لوٹ لجھے میں کہا۔ ”ان کا تم جانتے۔ آپ نے ایس۔ پی کو بلوایا ہے۔ یہ بڑی اچھی بات ہے۔ مجھے حق مجھ صاحبزادی کے بارے

یہ ہے کہ ان کی بے بی کو ہم نے ہی گائب کر دیا ہے۔ اے میاں تجلی..... تم اپنی بے بی میں متلوش ہیں۔ کیونکہ بھوت کسی جیتے جا گئے آدمی کو غائب کر دینے کی قوت نہیں رکھتے۔“

”میں پوچھتا ہوں..... یہ حضرت کیا بک رہے ہیں۔“ تفضل وحشائش انداز میں بولا۔

”میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ یہ ہوش میں نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے۔“ قاسم بُرا سامنہ بنا کر بڑا بڑا اور دوسرا طرف مزگیا۔

حمد بدقت تمام پھوٹش پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکا اور پھر وہ سب اسی کمرے میں

آئے جہاں ایک کھڑکی میں ملازم کو خوفناک چڑھنے لگا۔

فرش پر قائم تھا اس لئے یہاں بھی حمید کو ناکاہی ہی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کم از کم قدموں کے

ثلاثت تو یہاں بھی نہ مل سکتے۔

یک بیک یہیم تفضل کر رہی اور حمید چونک کر اسکی طرف دیکھنے لگا۔ وہ کسی سوچ میں گم تھی۔

”اوہاں میں سمجھی۔“ اس نے تفضل کو مناطقہ کیا۔ یہ اس نک حرام کی حرکت بھی ہو سکتی ہے۔

”کس کی۔“

”اکی شاعر کے پیچے کی بجوبے بی کی طرف دیکھتا ہوا جھوم جھوم کر غزلیں سنایا کرتا تھا۔“

”غزلیں سنایا کرتا تھا۔“ تفضل گرجا۔ ”تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔“

”کیا فرہاد صاحب؟“ حمید نے پوچھا۔

”کرپہا تھر کر کروئے گا سالا۔“ قاسم بولا۔ ”ساری فرہادی دھری رہ جائے گی۔“

اکی طرف کسی نے بھی دھیان نہ دیا۔ لیکن حمید کو بھی اپنے سوال کا جواب نہیں ملا تھا۔

”آپ کے اس سوال کا مطلب۔“

”ایسی آنکھیں بنائے رکھتی ہیں۔“ قاسم نے اپنی آنکھیں نشانی بناتے ہوئے کہا۔

اب مریں اور تب مریں۔“

”کیا بکواس کر رہے ہیں آپ۔“ تفضل آپ سے باہر ہو گیا۔

”قاسم خاموش رہو۔“ حمید نے بھی ڈالنا۔

”آے تم چپ راؤ۔ میں دماغ درست قردوں کا ان کا۔“ یہیم صاحب گائب ہوئے۔

میں مان لیتا کہ چلوبھی ٹھیک ہی ہو گا..... مگر یہ بے بی جو آپ ہی آپ مری جارتی ہیں..... بلا کوت۔“

”اووو..... میں پاگل ہو جاؤں گا.....!“ تفضل اپنا سینہ پیٹتا ہوا بولا۔ ”یہ بیوہو کہا رہا ہے۔“

”لاو..... لاو..... میں کوٹ دوں سینے۔ پچی بات پر سب کو غصہ آتا ہے۔ آئے تمہارے بی تو میری گلہری خانم سے بھی جیادہ مریل ہیں۔“

”قاسم.....!“ حمید نے پھر اسے لکارا۔

”آے..... یہ الزام لگائے جائیں اور میں کھاموش رہوں تمہاری بھی ایسی کی نیسی۔“

اتنے میں باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی۔ تفضل دروازے کی طرف بڑھا۔

پھر گھوڑی عی دیر بعد حمید کو ایک نئے مسلے سے دو چار ہوتا پڑا۔ اس کے فرشتوں کو گل

نہیں تھا کہ آج کل رام گندھ میں ایسی پی کے فرائض کون انجماد دے رہا ہے۔ لہذا نیکم
واے ایسی پی واصف کو دیکھ کر وہ بوکھلا گیا۔ واصف بھی اُسے دیکھ کر پہلے تو چونکا اور پھر پر

پسرت انداز میں اس کی طرف بڑھا۔ ”اوہ آپ ہیں۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”چلے اچھا
ہوا بآپ تفضل صاحب کو مطمئن کر سکیں گے کہ میں ایک باعزت بڑیں میں ہوں۔“

اس جملے نے پھوٹن قابو سے باہر نہیں ہونے دی۔ واصف ٹھنکا اور پھر سنبھل گیا۔ ملے

وہ سمجھ گیا تھا کہ حمید یہاں اپنی اصلاحیت چھپانا چاہتا ہے۔

”اوہ ضرور ضرور۔“ واصف گرم جوشی سے مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ”کیا قصہ ہے۔“

”کہنے تفضل صاحب کیا بات ہے۔ بیگم صاحب آداب عرض کرتا ہوں کیوں؟ آپ
لوگ پریشان معلوم ہوتے ہیں۔“

”میں نے فون پر آپ کو حالات سے آگاہ نہیں کیا۔“ بیگم حمید کو گھوڑتی ہوئی بولی۔ ”گر اتنا دیا کہ بچکیاں لگ گئیں۔ اُس وقت اس کے پس میں تقریباً پانچ ہزار روپے موجود تھے جو
یہ لوگ۔“

”دوں میزرا اور شریف ہیں۔ میں بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ کیا آپ کوان سے کل
رات بھر شہر کی غرب بستیوں میں بانٹا پھرا۔ راہ پلتے لوگوں کے کام آتا ہے اکثر یہ
خانوں کے لئے چندہ بھی اکٹھا کرتا ہوا دیکھا گیا ہے۔ کہتا ہے کہ نیک کاموں کے لئے اگر آدمی
کو اپنی سطح سے گرانا پڑے تب بھی پرواہ نہ ہونی چاہئے۔“

”کوئی بے بی کو اٹھا لے گیا ہے۔“ اس نے کہا۔

”میرے خیال سے یہ کہانیاں دہرانے کا وقت نہیں ہے۔“ حمید بولا۔ ”واصف صاحب
کی حد تک۔“ واصف مسکرا یا۔ ”ایسے دلچسپ کردار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے
وہ آصف کو ساتھ لے کر پھر عقی دروازے کی طرف آیا۔ اس بار دوسروں نے ان
باہر گالا۔ اس نے آپ کو اپنے شکار کے قصے سنائے ہیں۔ صرف اسی معاملے میں احتکوں کی
گئے حمید نے ٹارچ روشن کر کی تھی۔

”دفتار وہ رک گیا..... روشنی کا دائرہ لاکی کے دوسرا سلپر پر قائم گیا تھا۔ یہاں سے کوئی
لیکن میر

فاسلفریا ایک فرائض ضرور رہا ہو گا۔

”یہ لوگی کا دوسرا سلپر ہے۔“ حمید نے کہا۔

واصف نے جھک کر اسے اٹھایا۔ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ ”یہاں اس زمن پر
اندازہ لگانا بہت مشکل ہے کیپتن۔“

”ایسی لمحے میں نے پہلے ہی آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ آپ کو اس طرف اس
لئے لایا ہوں کہ مسٹر اینڈ مسٹر تفضل کے بارے میں پکھ معلوم کر سکوں۔“

”یہ جوڑا..... میری سمجھ سے باہر ہے۔ حالانکہ بچھلے چھ ماہ سے انہیں جانتا ہوں۔ اکثر
زب سے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ تفضل حق اور سادہ لوح ہے۔ اتنا نیک ہے کہ اس کے
تعلق منی سنائی باتوں پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ لیکن حقائق سے کے انکار ہو گا۔ مثال
کے طور پر ایک بار راہ پلتے اسکی جگہ جا پہنچا جہاں نہیں وعظ ہو رہا تھا۔ بس بینچے گئے سننے کے
لئے واعظ غالباً غرباء کی امداد کے متعلق ادکام خداوندی کا تذکرہ کر رہے تھے۔ اس پر تفضل
لوگ۔“

”میں نے فون پر آپ کو حالات سے آگاہ نہیں کیا۔“ بیگم حمید کو گھوڑتی ہوئی بولی۔ ”گر اتنا دیا کہ بچکیاں لگ گئیں۔ اُس وقت اس کے پس میں تقریباً پانچ ہزار روپے موجود تھے جو
یہ لوگ۔“

”دوں میزرا اور شریف ہیں۔ میں بہت دنوں سے جانتا ہوں۔ کیا آپ کوان سے کل
رات بھر شہر کی غرب بستیوں میں بانٹا پھرا۔ راہ پلتے لوگوں کے کام آتا ہے اکثر یہ
شکاست ہے۔“

”کوئی بے بی کو اٹھا لے گیا ہے۔“ اس نے کہا۔

”میرے خیال سے یہ کہانیاں دہرانے کا وقت نہیں ہے۔“ حمید بولا۔ ”واصف صاحب
کی حد تک۔“ واصف مسکرا یا۔ ”ایسے دلچسپ کردار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے
کارائیت سائے ہوں آپ کو۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ وہ آپ کے دوست قائم سے کچھ ہی کم ہے۔

”باہر گالا۔ اس نے آپ کو اپنے شکار کے قصے سنائے ہیں۔ صرف اسی معاملے میں احتکوں کی
گئے حمید نے ٹارچ روشن کر کی تھی۔

”دفتار وہ رک گیا..... روشنی کا دائرہ لاکی کے دوسرا سلپر پر قائم گیا تھا۔ یہاں سے کوئی
لیکن میر

ادعویٰ ہے کہ شائد ہی بھی فائز کرنے کا اتفاق ہوا۔ بُو۔

”اس کا نام سپ تو میری سمجھ میں آ گیا ہے۔ بیگم تفضل کے متعلق کیا خیال ہے۔“
دفعتاً و اصف چونک کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ ہم وقت برداشت کر رہے ہیں۔ لڑکی کو
کچھ کرنا چاہئے۔ کیا انہیں کسی پرشبہ بھی ہے۔“

”پہلا شہر ہم پر ہے۔ پھر بیگم تفضل نے شاعر بحثیجے کا حوالہ دیا تھا۔ غالباً وہ تفضل کا نام
ہے۔ کیا نام ہے۔ جی ہاں۔۔۔ ارشاد۔“

”اچھا۔۔۔ وہ سمجھ گیا۔ ممکن ہے۔ یہاں اس لڑکی کے سینکڑوں امیدوار ہیں کیونکہ
فضل کی اکلوتی لڑکی ہے۔ تفضل کے بعد کروڑوں کی مالک۔“

”تب پھر بیگم تفضل کے امکانات پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی عدم موجودگی
میں وہ خود بھی کروڑوں کی مالک ہو سکتی ہے۔“

”تمہارا بیب ہوتا تو جانتے ہو کیا ہوتا؟“
گے۔ تفضل کے قریبی عزیز۔۔۔ نہیں اس کے امکانات نہیں ہیں۔ آئیے چلیں۔“

وہ اندر آئے۔ یہاں قاسم غالباً کسی بات پر الجھ کر آنکھیں نکالے کہہ رہا تھا۔ ”اگر میں
تمہارا بیب ہوتا تو جانتے ہو کیا ہوتا؟“

”کیا ہوتا۔۔۔؟“ تفضل نے بھی اسی کے سے انداز میں آنکھیں نکالیں۔
”میں تمہارا نام تخلیق کرے جائے فضول رکھتا۔“

”حد ہو گئی۔۔۔ حد ہو گئی۔“ تفضل دونوں ہاتھوں سے رانیں پینٹے گا۔
”قاسم!“ اس کے لئے ہوش میں آؤ۔۔۔ آدمی بنو۔“ حمید نے کہا۔

”تمہارے قہنسے تو ہرگز نہیں بنوں گا۔“ قاسم غرایا۔ ”ایسی پی صاحب کہہ کر دیکھیں۔“
”پایہز۔۔۔!“ واصف مسکرا یا۔

”اُبھی بات ہے۔“ قاسم نے کہا اور کھڑکی کے قریب کھٹک گیا۔ اب اس کا راستا
تاریک۔ لان کی طرف تھا۔

”کسی پرشبہ ہے آپ کو۔“ واصف نے مزتفضل سے پوچھا۔
”اگر آپ ان لوگوں کو قابلِ اطمینان سمجھتے ہیں تو پھر ہم اپنے بحثیجے ارشاد کی طرف سے
بے اطمینان ظاہر کریں گے۔“

”غمہریے۔۔۔ فون کہاں ہے۔ ہم اسے چیک کئے لیتے ہیں۔“ واصف نے کہا اور فضل
کے اشارے پر اس کے ساتھ باہر چلا گیا۔

پھر کچھ دیر کیلئے یہاں نتاں چھا گیا تھا۔ قاسم نے مزتفضل کی طرف نہیں دیکھا۔ اس کے
پیڑے پر بھی تھکر کے آثار تھے۔ لیکن اکثر یہی محسوس ہونے لگتا جیسے اندر کھول رہا ہو۔
دفعتاً مزتفضل نے حمید سے پوچھا۔ ”واصف صاحب آپ کو کب سے جانتے ہیں۔“
”ساہب اسال سے۔۔۔ سردیوں میں ہم دونوں لومڑیوں کا شکار کھیلا کرتے تھے۔ میکم گدھ میں۔“
”کچھ بھی ہو۔۔۔ یہ سب ہوا آپ ہی لوگوں کی بدولت۔“

”جی ہاں درست ہے۔ نہ ہم بھوتوں کو چھیڑتے اور نہ وہ ایک زندہ آدمی کو لے جھاگتے۔“
قاسم بے ذمکنگی پن سے نہ پڑا اور بولا۔ ”یار ہو بالکل چکد۔۔۔ عورت کو آدمی کہتے ہو۔“
”پھر بولے تم۔۔۔“ حمید جھخٹلا گیا۔

”نہیں۔۔۔ اب کی عورت کو مولوی صاحب بھی کہہ دینا۔ میں کھاموش ہی رہوں گا۔“
قاسم نے اپنی دانست میں طنزیہ لجہ اختیار کیا۔۔۔ اور مزتفضل بے اختیار مسکرا پڑی۔
قاسم نے پھر منہ پھیر لیا۔ ورنہ اس کے ہونتوں پر مسکرا ہٹ دیکھ کر اس کی توبائیں کھل
جائیں اور حمید اسے قابو میں نہ رکھ سکتا۔

مزتفضل نے کہا۔ ”جہاں تک مکان کے آسیب زدہ ہونے کا سوال ہے اب اس میں
شہبے کی گنجائش نہیں رہی۔ لیکن بے بی کے معاملے کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ یہ کوئی
اور تھا جس نے اس ہنگامے سے فائدہ اٹھایا۔“

”یعنی ارشاد کا نام یقین کے ساتھ نہیں لیا جا سکتا۔“
”وہ بھی ہو سکتا ہے۔۔۔ وہی ایسا ہے جس کی آمد و رفت یہاں زیادہ رہی ہے۔“

”قدیر صاحب کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”آپ بکواس کر رہے ہیں۔“ مرتضیٰ تفضل طلق پھاڑ کر چینی۔

”خدا کا شکر ہے کہ میں کاموں ہوں۔“ قاسم نے مسکی صورت بنانے کا کہا۔

”آپ کو قدیر کا نام لینے کی حرأت کیسے ہوئی..... آپ اسے کیا جائیں..... نفرز.....“

”ماموں کہتی ہے..... وہ سیرابھائی ہے۔“

”حمدید کچھ نہ بولا۔ وہ اچانک کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔

”کچھ دیر بعد واصف اور تفضل واپس آئے اور واصف نے مرتضیٰ تفضل کو بتایا کہ اس..... دیے چہرہ پر سکون ہی دکھائی دیتا تھا۔

”ارشاد کے لئے قریبی تھانے کے انچارج کو فون کر دیا ہے۔

”غصول ہے..... واصف صاحب۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مناسب ہی ہے کہ..... سفرش تک لگی ہوئی چادر اٹھادی۔

”ہمارے ہاتھوں میں چھکڑیاں ڈالیں اور زبردستی ہمیں یہاں سے گھیث لے جائیں۔“

”اوہ.....!“ واصف جھک کر دیکھنے لگا۔ نفرین مسہری کے نیچے فرش پر چلت پڑی ہوئی تھی۔

”کیا ہے..... کیا بات ہے۔“ تفضل نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ کیونکہ اس طرح

”بھوت تیکی چاہتے ہیں۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”اگر آپ ہمیں اس مکان میں قیام کرنے سے باز رکھیں تو نفرین صاحب بھی اس کا تھا۔ اللہ کی مریجی..... ہم دونوں اتنی جلدی جھک بھی تو نہیں سکتے۔“

”آجائیں گی۔ یعنی بھوت صاحبان انہیں ریلیز کر دیں گے۔“

”اوہ.....!“ مرتضیٰ تفضل نے دانت پیس کر باسیں ہیتلی پر مکا مارا۔ ”پھر وہی بالتم۔“

”ہم مکان خالی کرنے کے لئے خود ہی بھوت بن گئے ہیں۔“

”ارے نہیں بیغم صاحب۔“ قاسم نے دانت نکال دیئے۔ ”ہی ہی ہی..... آپ۔“

”بھوت..... لا حول بلا کوت.....!“

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔ صرف بھتوں کی خواہش ظاہر کی ہے۔ ورنہ نفرین صاحب نے پوچھا۔ ”یہ کب کی بات ہے؟“

”بھچلی اسی عمارت میں موجود ہیں۔“

”عمارت کا کوئا کوئا ہم نے دیکھے ڈالا ہے۔“ تفضل نے غصیلی آواز میں کہا۔

”خانہ میں انہیں ان کی خواب گاہ ہی سے برآمد کر سکوں۔“ حمید نے مرتضیٰ تفضل کے

”بھرپور نظر جائے ہوئے کہا۔ لیکن وہاں حرمت کے انتہا کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

”بڑی عجیب باتیں کر رہے ہیں آپ۔“ واصف مسکرا کر بولا۔ ”خیر آئے دیکھیں۔“

”یہ حضرت پتہ نہیں کس چکر میں ہیں۔“ تیگ تفضل بڑی بڑی ہوئی اُنکے پیچھے چل رہی تھی۔

”وہ بے بی۔“ کی خواب گاہ میں آئے۔ واصف چاروں طرف دیکھ کر حمید کی جانب مرا۔

”اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔ حمید مرتضیٰ تفضل کو گھوڑہ رہا تھا۔ لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

”پچھے دیر بعد واصف اور تفضل واپس آئے اور واصف نے مرتضیٰ تفضل کو بتایا کہ اس..... دیے چہرہ پر سکون ہی دکھائی دیتا تھا۔

”بے بی کی مسہری خالی پڑی تھی۔ بستر میں آلو دھا۔“ دفعنا حمید نے آگے بڑھ کر مسہری

”غصول ہے..... واصف صاحب۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مناسب ہی ہے کہ..... سفرش تک لگی ہوئی چادر اٹھادی۔

”ہمارے ہاتھوں میں چھکڑیاں ڈالیں اور زبردستی ہمیں یہاں سے گھیث لے جائیں۔“

”اوہ.....!“ واصف جھک کر دیکھنے لگا۔ نفرین مسہری کے نیچے فرش پر چلت پڑی ہوئی تھی۔

”کیا ہے..... کیا بات ہے۔“ تفضل نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ کیونکہ اس طرح

”اپاک جھک پڑنا اس کے بس کاروگ تو نہیں تھا۔

”تیگ تفضل بھی جھکی تھی اور قاسم نے تفضل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بھرائی ہوئی آواز میں

”اگر آپ ہمیں اس مکان میں قیام کرنے سے باز رکھیں تو نفرین صاحب بھی اس کا تھا۔ اللہ کی مریجی..... ہم دونوں اتنی جلدی جھک بھی تو نہیں سکتے۔“

قاسم کی جاسوسی

”فرہاد اپنا نام سن کر آپ سے باہر ہو گیا۔ پہلے اپنی پیچی اور بچا کو بُرا بھلا کہتا رہا پھر

”میں نے یہ تو نہیں کہا۔ صرف بھتوں کی خواہش ظاہر کی ہے۔ ورنہ نفرین صاحب نے پوچھا۔ ”یہ کب کی بات ہے؟“

”بھچلی اسی عمارت میں موجود ہیں۔“

”الس سے بڑی بیہودگی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری۔ آخر مجھ پر کیوں شہر کیا گیا۔“

”یگم تفضل کا خیال ہے کہ آپ بھی محترم نسرين کے امیدواروں میں سے ہیں۔“ فرمائے ہوئے پیغم تفضل اس پر بہت مہربان ہو گئی تھیں اور وہ وہیں رہ گیا تھا۔
بلندبر 28
”مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کو ان معاملات سے کیا سروکار۔“ فرماداں پر الیکٹرونی میڈیا نے اس سے باز رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ البتہ یاد دہانی ضرور کرائی تھی
”مطمین رہئے۔“ حیدر مسکرا یا۔ ”امیدواروں کی فہرست میں اضافہ نہیں ہوا۔ چونکہ وہ اُنے است کر رہا ہے..... خود بھی جاسوس ہے۔
سارا الزام ہم ہی دونوں پر ہے۔ اس لئے اصلیت معلوم کرنے کی فکر ہونی ہی چاہئے۔ اس پر قائم نے سر پیٹھے ہوئے کہا تھا۔ ”قیامتاں اس سالے دماگ کا بس بات کرتے
اپنے ہی پلٹنگ کے نیچے سے برآمد ہوئیں تو دونوں نے بر ملا ہمیں ہی الزام دینا شروع کر لئا کہاں سے آؤٹ ہو جاتا ہے۔ اچھا بیٹھا تم میری گروں میں گھنٹہ لٹکا دو۔ وہ بچتا رہے غا
اتفاق سے دریافت بھی میری ہی تھی۔“
اور میں یاد کرنا رہوں گا کہ میں بھی سالا جاسوس ہوں۔“

”میں نے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ مکان کے حصول سے باز رہئے۔“ ”میں تھیں مرغ یا بھی بنا سکتا ہوں کہ گلڑوں کوں کے علاوہ اور کچھ بول ہی نہ سکو۔“ مگر تم
”درست ہے۔ میں نے آپ کی بات نہیں مانی تھی۔ اس لئے.....؟“ ”خوبی ہوش میں رہنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔“

”ٹھہریے! کسی غلط نتیجے پر پہنچنے سے پہلے یہ بھی سوچ لیجئے کہ آپ کے وہاں نہ۔“ ”اب قروں گا۔“ قائم نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ
بات کی طرح ختم ہو اور حیدر دفعہ ہو جائے۔ ورنہ وہ تو اسی پر بحث شروع کر دیتا کہ آخر مرغ
”گلڑوں کوں“ کے علاوہ اور کچھ بول ہی کیوں نہیں سکتے۔ کس نے متع کیا ہے انہیں کروہ
”گلڑی کیں“ نہ بولیں۔ یا پھر بات مرغ سے مرغ مسلم تک جا پہنچن۔
”کیا اس خاندان میں کوئی مجھے فرماد کے نام سے یاد کرتا ہے۔“

”آپ بھول رہے ہیں۔ پرسوں رات ہوٹل میں کسی نے آپ کو اسی نام سے آواز دی۔“ بہر حال حیدر تھا واصف کے آفس کے نئے روانہ ہو گیا تھا اور اب سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ
”ہاں تو مجھے یہاں کیوں طلب کیا گیا ہے جتاب۔“ فرمادے۔ ”کام کیا کوں فرمادا پر مسلط کر دیا جائے۔“

”ظاہر ہے کہ نسرين گھر سے برآمد ہو گئی تھی۔“

”آپ بہت اچھا پڑھتے ہیں۔“ حیدر نے کہا۔ ”کل میں نے سننا تھا۔“
”دراصل مجھے بھی ان بھتوں سے کچھ لچکی سی ہو گئی ہے۔“ ”واصف مسکرا یا۔“
”شکریہ۔“ فرمادا لہجہ ناخوشگوار تھا۔
”تو آپ کو مایوسی ہی ہو گئی۔ آپ کے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ میں نہیں جانتا کہ اسے
”لیکن کتنا بیچارہ مفت میں مارا گیا۔“ ”کیا مطلب.....؟“
کیا ہے۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں انہیں صورت حال سے آگاہ کر دوں اور اگر یہ تیار ہو۔

”اوہ..... ایک بات مسٹر..... ذرا یہ تو بتائیے..... کیا کل آپ سے سنانے کی فرمائش کی گئی
تھی۔“ حیدر نے پوچھا۔
”تو ادا کیا ہوا کرایہ انہیں واپس کر دوں۔“

”آپ کو کس نے بھجا تھا۔“
”چچی صاحب نے۔“
”یہ لفٹگلو دوسری صبح واصف کے دفتر میں ہو رہی تھی۔ لیکن قائم یہاں موجود نہیں تھا۔“
”لیکن.....!“ واصف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ یہ سوال اہم بھی ہو۔ اگر یہ نہ
یہ لفٹگلو دوسری صبح واصف کے دفتر میں ہو رہی تھی۔ لیکن قائم یہاں موجود نہیں تھا۔“

پوچھتے تو میں بھی یقینی طور پر بھی سوال اٹھاتا۔

”جی ہاں! مجھ سے فرمائش کی گئی تھی اور یہ فرمائش چھپی صاحب کی تھی..... پھر،“
”اللہ کی چوت کے نیچے اشعا، انا پے جائیں۔ مقصد یہ رہا ہو کہ تفضل کو غصہ آجائے اور یہوی اپنا
”پھر کیا! آپ کے چلے آنے پر تفضل صاحب بہت گرم ہوئے تھے“ پھر، غصہ نے پڑا۔ لیکن یہ بھی اس کے لئے کاروگ نہیں تھا کہ محض ڈنٹے کی ضربات سے
”اور میگم صاحب کے ڈنٹا لے کر کتے پر بیل پڑی تھیں اور اسے ختم ہی کر دیا تھا۔“
”ڈنٹے سے“ فرہاد کے لجھ میں تحریر تھا۔

”جی ہاں۔“

”آپ مذاق کر رہے ہیں۔ ناممکن۔ وہ بڑا جاندے ارتکتا ہے..... ڈنٹوں سے نہیں،“
”مگر مقصد.....؟“

”تصدیق کر لیجئے۔“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔

”مگر آپ پچھلی رات کہاں تھے۔“ واصف نے پوچھا۔ ”میں نے تین بیجے آپ
”بھوتوں کا ڈرامہ گھر کے افراد نے اٹھنے کیا ہوا۔“ اس کیلئے ایسے ہی آدمی رہے ہوں
”راہب قائم کرنا چاہا تھا۔“

”دیکھنے جاتا۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کرنو بچے سے سازھے تین بیجے تک میلانے پر کتابچہ دوڑتا۔ یعنی وہ اس کے لئے ابھی ہوتے۔“

”ذریم نائنٹ کلب سے باہر نہیں نکلا تھا۔ میرے ساتھ پانچ آدمی اور بھی تھے۔“

”قرین قیاس ہے۔“ واصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن پھر تفضل تو نکلا جاتا ہے۔“

”میں تفضل کی بیوی کی بات کر رہا ہوں۔ وہی نہیں چاہتی تھی کہ مکان کرایہ پر دیا جائے۔“

”بھائی اور اس کا اشیونا نہ رہا۔“ اس نے فرہاد کے بتائے ہوئے نام اور پتے نوٹ کے

”فرہاد کے چلے جانے پر واصف نے حمید سے کہا۔ ”آخر آپ کتنے والے میں“

”اہمیت کیوں دے رہے ہیں۔“

”بھر حال الجھاد یا محاٹے کو۔“ واصف مسکرا یا۔ ”کرٹل کی صحبت نے آپ کو بھی.....“

”مجھے یقین ہے کہ وہ ڈنٹے کی ضربات سے نہیں مر۔ اسے زہر دیا گیا تھا۔“

”انہر شریک ہوا تھا یا عالمی میں آل کار بن گیا تھا۔“

”اوہ.....!“

”تفضل نے وہ کتار کھوائی کے لئے پالا تھا۔ حالانکہ ان کے یہاں چوکیدار بھی۔“

”لیکن ایک رات تفضل نے کچھ نامعلوم آدمیوں کو کپاڈ ڈنٹ میں داخل ہوتے دیکھا اور دوسرا“

”دن کتاب خرید لایا۔ بیوی کتار کھنے کی مخالفت کرتی رہی تھی۔ لہذا جب بھی اسے تفضل“

”ڈنٹا سنjalati اور کتے کی مرمت شروع کر دیتی۔ کیا ممکن نہیں ہے کہ کل اس نے دیا“

”فرہاد کی فرمائش کی ہو جکہ تفضل شاعری سے سخت بیزار ہے اور اسے پسند نہیں کرتا کہ
”فرہاد کے نیچے اشعا، انا پے جائیں۔ مقصد یہ رہا ہو کہ تفضل کو غصہ آجائے اور یہوی اپنا
”پھر کیا! آپ کے چلے آنے پر تفضل صاحب بہت گرم ہوئے تھے“ پھر، غصہ نے پڑا۔ لیکن یہ بھی اس کے لئے کاروگ نہیں تھا کہ محض ڈنٹے کی ضربات سے
”اور میگم صاحب کے ڈنٹا لے کر کتے پر بیل پڑی تھیں اور اسے ختم ہی کر دیا تھا۔“
”ڈنٹے سے“ فرہاد کے لجھ میں تحریر تھا۔

”تفضل بھی سمجھا کہ ڈنٹا ہی موت کا باعث بنا تھا۔“

”آپ مذاق کر رہے ہیں۔ ناممکن۔ وہ بڑا جاندے ارتکتا ہے..... ڈنٹوں سے نہیں،“
”کتنے کی موجودگی میں بھوت نہ پیدا کئے جاسکتے۔“
”میں نہیں سمجھا۔“

”بھوتوں کا ڈرامہ گھر کے افراد نے اٹھنے کیا ہوا۔“ اس کیلئے ایسے ہی آدمی رہے ہوں
”ڈنکھنے جاتا۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کرنو بچے سے سازھے تین بیجے تک میلانے پر کتابچہ دوڑتا۔ یعنی وہ اس کے لئے ابھی ہوتے۔“

”ذریم نائنٹ کلب سے باہر نہیں نکلا تھا۔ میرے ساتھ پانچ آدمی اور بھی تھے۔“
”قرین قیاس ہے۔“ واصف کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”لیکن پھر تفضل تو نکلا جاتا ہے۔“

”میں تفضل کی بیوی کی بات کر رہا ہوں۔ وہی نہیں چاہتی تھی کہ مکان کرایہ پر دیا جائے۔“

”بھر جھنی مقصود دریافت طلب ہی رہے گا۔“
”سکن تو دیکھنا ہے کہ وہ مکان کرایہ پر نہ دینے کے لئے اس حد تک کیوں بڑھ گئی تھی۔“
”بھر جھنی مقصود دریافت طلب ہی رہے گا۔“ واصف مسکرا یا۔ ”کرٹل کی صحبت نے آپ کو بھی.....“

”اب ذکھنا ہے کہ فرہاد کس قسم کا رول ادا کر رہا ہے۔ کیا وہ کتے والی سازش میں دیدہ
”بھر جھنی مقصود دریافت طلب ہی رہے گا۔“ واصف مسکرا یا۔ ”کرٹل کی صحبت نے آپ کو بھی.....“

”لیکاں گھنٹہ گردن میں۔“
”اوہ..... ہو !“ قام یک بیک چوک کر سنبھالا۔ چند لمحے خاموشی سے پلکس جھکاٹا

”امکنات ہیں۔ اتنے لبے چوڑے اور خطرناک ڈرامے کی ذرا سی بات کے اشیع کے جاتے۔“

واعضو نیز اکر جملہ کا، وضاحت حاصل۔ لیکن، جس نے کہ کہا ہے، اب مردہ کی آواز میں بولا۔ ”چلو۔“

مزید غور کرنا چاہتا ہے۔

”بس قیا بتاؤں بغیر صاحب..... بات نہیں موت ہوئی ہے۔“ قائم گھکھیا۔ ”اور یہ سالے ابا جان کی وجہ سے ہورتا ہے۔“ پھر گرج کر بولا۔ ”میں کہتا ہوں ایسا نالاک باپ لپیدا ہوتا ہے۔“



”میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ اپنے ابا جان پر کیوں خفا ہوتے رہتے ہیں۔“

”بُس قیامتاًوں..... جل بھائی کے ابا جان بڑے اکمند آدمی رہے ہوں غے۔“

حمد و اپس آیا تو برآمدے میں قدم رکھتے ہی شور سنائی دیا۔ آوازیں اندر سے ”میں کچھ بھی نہیں سمجھی۔“ تھیں۔ اس نے گھنٹی کا بٹن دبایا۔ یہاں آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی پہلے وہ آبیر ”ارے..... وہ ہی ہی ہی جانے دیجئے۔ مطلب یہ کہ تھجھل بھائی جتنے گذرے عمارت کی طرف گیا تھا۔ مگر پھر اسے مغل دیکھ کر اوہر چلا آیا۔ مقدم اس کے علاوہ اور کہیں“ تھا کہ قاسم کو ساتھ لے جائے۔

ایک ملازم نے دروازہ کھولا اور پھر چھپے ہتا ہوا بولا۔ ”تشریف لائے جتاب۔“ | ”اچھا بیٹا۔“ قاسم اُسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ”تم سالے دل کا بکھار بھی نہیں نکالنے را بہاری میں داخل ہوتے وقت اُس نے قاسم کی آواز سنی وہ غالباً کسی پرنس رانجمنٹ تھاڑے تو باب دادا کی بھی کبھی کبھی شادی نہیں ہوئی تھی تم قیاجانو۔“ پھر اس نے مخفی ذرا سُنگ روم میں فرہاد بھی دکھائی دیا۔ اس کے چرے پر وحشت طاری تھی کیونکہ اس لیل ”اللہ.....!“

اسی سے مخاطب تھا۔ حیدر کو دیکھتے ہی وہ اس کی طرف مڑا۔
”بھگی..... خدا کے لئے انہیں لے جائیے۔“ تفضل بھرا جی ہوئی آواز میں بولا۔

"آؤ..... آؤ..... بی جمالو۔" وہ دھاڑا۔ سالے بھس میں چکاری ڈال کر اگ بیٹھا۔ قائم نے تھہراً لوٹنے والوں سے اس کی طرف دیکھا۔ مگر پکھ بولا نہیں۔ حید کے مرتے ہی ملائی کھا رہے ہو۔ تم نے اس شاعر کے بچے سے کیا کہہ دیا ہے..... کھوا کھواہ بختم صاب و مل کچپ چاپ دروازے کی طرف ٹریکیا۔

”مت بکواس کرو۔“ حمید نے اسمانہ بننا کر بولا۔ ”یہاں کیا کر رہے ہو جلو۔“ ”تمہاری ناک کا شاتا رہتا تھا۔“ قام اکٹھ کر بولا۔ ”تمہارے باپ نے بھی کبھی اسی میں سینہ رہوں گا۔“ قام آنکھیں نکال کر بولا۔ ”تم کو آجاد کر دیا ہے یہاں تکی ہو گی۔ میٹا۔۔۔ اسی ایسی باتیں معلوم کی ہیں جو کسی کو بھی نہ معلوم ہوں گی۔“

”ہوں..... اور خود بھی دوسروں کو معلومات بھیں پہنچائی ہوں گی۔“

تھاڑے سے وہیں گریں اور مر گئیں.....اب بتاؤ پیٹا۔“

مطلع ابر آ لو دھا۔ کسی قدر خلکی بھی تھی اور وہ لالن کے وسط میں گھاس پر جائیٹھے۔ ”غم صاحب اس سے کتنی بھی ہیں۔ جبھی تو سالے نے کہا تھا۔ ان کو یہاں سے لے جائیے۔“
”یہ جاسوسی کرتے رہے ہوتم حرام خور۔“ تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔

”ہاں تو بتاؤ نا.....!“ قاسم بولا۔
”یہ جاسوسی کی ہے تم نے۔“

”کرو..... بحث شروع کرو..... ابھی نقل آئے گی جاسوی بھی تم اور قرآن صاحبِ ایمان کے بامیاں بہت خوش ہوئے تھے اور سینئر یونیورسٹی میں کی شادی ان پکڑ محمد علی سے ہو گئی تھی۔“
بحث مارتے ہو اور نقلنے لگتی ہے..... جاسوی۔ میں تھا ہوں شتر کند۔ کھاتے دلکھ کر گفتا۔ ”خیر۔ خیر۔ میں دیکھوں گا۔ کسی سے سناؤ تو ہو گا کہ نسرین نے کیا بتا چا۔“

”نیل پہلے تم وعدہ کرو کہ کچھ کرو گے۔ اس بار محمد بھائی۔“ وہ خندی سانس لے کر کی کیا جو درت تھی.....اب تم کچھ قہو۔“

کند کی فصل نہیں ہوتی تھی تو کپے بینگن..... اور ارے باپ رے۔ اب کیسے کھائے؟ اس نے خاموش ہو کر بڑی معتمکہ خیز صورت بنائی..... پلکش جھکی پڑ رہی تھیں۔ ہونٹ پر کیا انداز میں پھیل رہے تھے اور گال پھر کنے لگے تھے۔

”اچھا میں کچھ کروں گا..... بتاؤ۔“
”کی بتاؤں..... میں یہ جانتا ہوں کہ تلاخ ہو جائے۔“

”نمرن نے کہا بتا میں سے..... بچپل رات وہ بہوش کسے ہوئی تھی۔“
اُسے پھر اد بکائی آگئی اور وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ پینٹنے لگا۔

"بس کھاموش۔" قائم ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کا تو نام ہی مت لو..... ڈیباں۔"
اک، کا صورت دکھ کر اک، آنکھوں سا گر کھٹ، جرس ہو کر، دو توڑ جائے گا۔

میں تو قہا ہوں کہ رات ہی کیوں نہیں مر گئی۔ ”

”وہ کیسے بہوش ہوئی تھی۔“

”بس کھاموش کھڑی تھی کہ کھوپڑی کے چاروں طرف دھواں ناپنے لگا۔ اس نے ماریں اور بہوشی ہو گئی۔“

”کوئی دلھائی نہیں دیا تھا۔“

”توئی نہیں..... مرنہ جاتی آگر دلھائی دیا ہوتا۔“

”اچھا خاموش رہو۔ فرباد آرہا ہے۔“ حمید نے کہا اور جیب سے پاسپ نکال کر اس تباکو بھرنے لگا۔ فرباد برآمدے سے اتر کر انہیں کی طرف آرہا تھا۔

اس نے کچھ کہے بغیر ان کے قریب ہی پیٹھ کر ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ”محظے ملٹری کریم ارڈیا تھا..... لیکن شام ہوتے ہی نیند نے چکر دینے شروع کر دیے اور وہ اسی آسیب زدہ ہے کہ اسی۔ پی واصف سے آپ لوگوں کے گھرے مراسم ہیں۔“

”آپ نے غلط نہیں سن۔“

”اور آپ شاید تمہیر کچھے ہیں کہ اس سازش سے پردہ اٹھا دیں۔“

”سازش! کمال ہے آپ بھی اسے سازش قرار دے رہے ہیں۔“

بہر حال حمید قام کی طرف سے مطمئن ہو کر فرباد کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا۔ وہ فربیز اس سے پہلے کبھی مجھے بھوتوں کا تجربہ نہیں ہوا۔ یقین بھجے میں نے صرف ایک پڑی میں لاؤ رہا۔ حمید اس کی میز سے اتنے ہی فاصلے پر تھا کہ اس کی آواز بہ آسانی سن سکتا آپ تک پہنچا ہوا۔ لیکن اب میں اس کا مقصد بھجنے سے قاصر ہوں۔ نہیں کہ سکتا کہ مجھے لین فرباد کے فرشتے بھی اُسے نہ پہچان سکتے۔

کار بنانے کی کوشش کیوں کی گئی ہے۔

”بھوت! بھوت ہی تھی۔ آپ خواہ جوہا گھروالوں سے بدگمان ہو رہے ہیں۔“ تھوں میں فربیزی کے ایجاد کردہ اپر لگ تھے جن کے دباؤ سے ناک کی نوک اوپر اٹھ جاتی تھی ”بھی نہیں۔“ اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”میں سب سمجھتا ہوں۔ لیکن بارہ اور اپری ہونٹ بھی اس کے ساتھ ہی کسی مدرسکر اس طرح اوپر اٹھ جاتا تھا کہ دانت نظر کہ میں صرف شاعر ہی نہیں ہوں میری انگلیاں ٹریگر پر بھی بہت اچھی چلتی ہیں، خون کا۔ آئے لگتے تھے بہادروں گا۔“

”کس کے خلاف.....!“

فرہاد اپنی میز پر تھا نہیں تھا۔ ایک خوش پوش آدمی اور بھی تھا لیکن لب و لہجہ کے اعتبار سے اُفرہاد عوکے طبقے سے متعلق نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”اوو..... بیارے۔“ وہ فرباد سے کہہ رہا تھا۔ ”بھی کچھ کہہ کر بھی تو دیکھو۔ بڑے بڑے ٹرم نالا دیکھے ہیں میں نے..... لیکن کسی کی بھی آنتیں پیٹ کے اندر نہیں رہی تھیں۔“

لیکن فرباد جواب دینے کی بجائے اٹھا اور تیزی سے چھانک کی طرف بڑھ گیا۔

”ابھی نہیں۔“ فرہاد بولا۔ ”پانی سر سے ڈنچا ہونے کا انتظار تو کرتا ہی پڑے گا۔“

”آئے جاؤ۔۔۔ میرا معاملہ ہوتا تو اب تک کوئی خون ہو پکے ہوتے۔“

اسنے میں دشکشتی میں یوں تیس اور گلاس لے آیا۔ پیتے وقت بھی دونوں باطن کرتے لیکن صاف طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا کہ موضوع گفگلو کیا ہے اور دوسرے آدمی نے کس طراز میں ماری تھیں۔

سازھے دل بجے کے قریب فرہاد اٹھ گیا۔ اس کے قدموں میں بلکل سی لڑکہ رہتا ہے طور پر اس کا ساتھ دینے لگا۔
لیکن حقیقتاً زیادہ نئے میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

دوسرा آدمی بیٹھا ہی رہا۔ جب فرہاد نکسی کے دروازے کے قریب پہنچا تو حیدر بھی اُہ کپاؤٹ میں چھاٹک کے قریب اندر ہرا تھا۔ فرہاد پیدل ہی چھاٹک کی طرف بڑھتا یک بیک حیدر کو ایک آدمی اور بھی نظر آیا جو بائیں جانب سے روشنی میں آ کر فرہاد پر چھپا۔ ایک پل کے لئے کوئی چیز چمکی اور ساتھ ہی فرہاد کی چیخ بھی سنائے میں تیرتی چل گئی۔ آدمی چھلانگ مار کر ڈونیا کی باڑھ پار کر گیا۔



”آنے بارے۔“ قاسم طلق چھاڑ کر دہڑا۔ آنکھیں تو اسی وقت کھل گئی تھیں کوئی وزنی چیز اس پر گردی تھی اور پھر وہ اندر ہرے میں آنکھیں چھاڑنے لگا تھا۔ جسم پر وزن کا اب بھی پڑ رہا تھا۔ کامپتا ہوا وزن۔۔۔ پھر کوئی چیز اس کی ناک کے بائیں نہ تنہ میں گھستی چلی۔

”آق چھیں۔۔۔!“ وہ چھینک مار کر چینا۔ ”آبے آبے۔۔۔ کون ہے۔“

”لک۔۔۔ کاشیل۔۔۔!“ کاپتے ہوئے بوجھ سے آواز آئی۔

”آبے تو میری ناک میں کیوں گھے جا رہے ہو۔“ اس نے ناک میں گھنسے والی چیز پر چھپا۔

”اُر۔۔۔ اُر۔۔۔ او۔۔۔ او۔۔۔ مو۔۔۔ مو۔۔۔ مو۔۔۔ مو۔۔۔“ اسے موچھے۔۔۔ اسے جھوڑ۔۔۔“

ساتھ ہی قاسم کے سینے پر دھم سے ایک گھونسہ بھی پڑا اور کاشیل کی نوکیلی موچھے ہاتھ پر چھوٹ گئی۔ اس نے جلا کر کاشیل کو جھٹک دیا اور وہ پہنچیں کتنے فاصلے پر گر کر رہا۔ اچاک صحن میں روشنی کا جھما کا ہوا۔

”ہو۔۔۔ ہو۔۔۔“ کاشیل کے طلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں اور قاسم غیر شعوری

سازھے دل بجے کے قریب فرہاد اٹھ گیا۔ اس کے قدموں میں بلکل سی لڑکہ رہتا ہے طور پر اس کا ساتھ دینے لگا۔

پوری عمارت پر اندر ہر اصل طلاق تھا۔

”خبردار۔۔۔ خبردار۔۔۔!“ غالباً کسی می دار کا کاشیل نے ہاک کی گئی۔۔۔ آواز دور کی تھی۔۔۔ ہو تکا ہے یہ وہ کاشیل رہا ہو جو صدر دروازے کی گمراہی کر رہا تھا۔

روشنی کا جھما کا پھر ہوا۔۔۔ لیکن اس بار قاسم کی ”ہو۔۔۔ ہو۔۔۔“ رک گئی۔۔۔ اس کی عجیب سی کیفیت غم۔۔۔ نہ وہ خائف تھا اور نہ کسی قسم کی کمزوری ہی محسوس کر رہا تھا۔۔۔ ہن بالکل سپاٹ تھا۔

پھر اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔۔۔ اچاک سارے بلب روشن ہو گئے تھے۔۔۔ وہ بوکھلانے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھا۔۔۔ کاشیل فرش پر آندھا پڑا ہوا تھا۔ غالباً اس پر غشی طاری تھی۔۔۔

”کیا بات ہے۔“ کسی نے لالکار کر پوچھا اور وزنی قدموں کی آوازیں نزدیک آتی گئی۔۔۔

پھر باہر والا کاشیل نکرے میں داخل ہوا۔

”اُر۔۔۔ یہ کیا ہوا۔۔۔ وہاں۔۔۔ باہر خون۔۔۔“ اس نے خوفزدہ سی آواز میں کہا۔

”ٹھیکے پر گیا خون دون۔۔۔ یہ مجھ پر کیوں چڑھ بیٹھے تھے۔“

”آپ پر۔۔۔!“

”قریں مصیبت میں جان پڑ گئی ہے۔“

”وہ دونوں کہاں ہیں۔“

”ہوں گے قہیں۔۔۔ میں کیا جانوں۔“

”اُر۔۔۔ او۔۔۔ وہ دونوں تو اس کی کوشی میں ہوں گے۔۔۔“ کاشیل یہوش کاشیل پر

جھلک ہوا بڑا یا۔

”ہم نہیں جانتے۔“ کاشیل نے جھلانے ہوئے لبھ میں کہا اور پھر اس کی نظر گھن میں
اندھیرا کیسے ہو گیا تھا۔ شاندار اس نے روشنی کے جھماکے نہیں دیکھے تھے۔
پہلے ہوئے خون پر پڑ گئی۔ غالباً پہلے نہیں دکھائی دیا تھا۔

”ارے یہ خون۔“

”بہوت.....!“ قاسم کا مختصر سارا جواب تھا۔ کاشیل سنائے میں آگیا۔

پہلے کاشیل نے اس سے کہا۔ ”تم یہیں ٹھہرو! میں دیکھتا ہوں۔ سجادہ کہاں ہے۔“
”وہیں۔“ دوسرا رے کاشیل نے جواب دیا اور اب اُسے گھورنے لگا جو وہیں بیہوش پڑا تھا۔
”ان دونوں نے کچھ دیکھا ہے۔ میں باہر تھا۔“ پہلا بولا۔

”اے تو پھر میں یہاں نہیں ٹھہروں گا۔“ دوسرا بولا۔ ”اے بھی اٹھائے لیتے چلو۔“
”کائدے کی بات ہے۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔



”دوسری صبح حمید و اصف کے آفس میں نظر آیا۔“ واصف گھری سوچ میں تھا۔
”آپ کو یقین ہے کہ وہ قدر یعنی تھا۔“ واصف نے پوچھا۔
”بلیں ایک جھلک نظر آئی تھی لیکن مجھے یقین ہے کہ قدر یعنی تھا۔ مگر میں تعاقب نہ کر سکا۔
مال ارشاد نے کوئی بیان دیا۔“

”اتھ بہک گیا تھا حملہ آور کا۔“ ورنہ بیان دینے کے قابل ہی نہ رہتا۔ معنوی زخم ہے۔
”بلیں تھیک ہو جائے گا۔“ واصف بولا۔ ”اے حملہ آور کو دیکھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ لیکن
اک نے بھی قدر یعنی کے خلاف شہر ظاہر کیا ہے کیونکہ اس کی دانست میں قدر بھی نہیں کے
امیدواروں میں سے ہے اور بھی وہ تو کہتا ہے کہ اس کا اور نرسین کا رومان بہت دنوں سے چل
رہا تھا۔ لیکن مز تفضل اس کی شادی قدر سے کرنا چاہتی ہے اور اسی مقصد کے تحت وہ بھتوں

اس نے اسے سیدھا کیا اور اٹھا کر مسہری پر ڈال دیا۔ پھر قاسم سے پوچھنے لگا کہ
”اے..... مجھ سے کچھ نہ پوچھو۔ میں بے کھر سو رہا تھا۔ پیارے بھوتوں بھائی
کچھ کر سکتے ہیں۔ ارے باپ رے..... قہاں ہے خون۔“

”کئی جگہ۔“

انتہے میں کسی نے دونوں کاشیلوں کو باہر سے آواز دی۔

”اندر آ جاؤ۔ خال صاحب۔“ کاشیل نے چلا کر جواب دیا۔

”بایہر آ جاؤ۔ کوئی میں گڑ بڑ ہے۔“ باہر سے پھر آواز آئی۔

”ارے تو یہیں کون سے لڑو بٹ رہے ہیں۔“ قاسم نے ہاک لگائی۔

کاشیل دروازے کی طرف بڑھا اور قاسم اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”اے میں بھی چل رہا ہوں۔“

”آپ بھیں ٹھہریے۔ یہ بیچارا بیہوش ہے۔“

”میں بے چارہ بھی کسی سالے سے کم نہیں ہوں۔ بیہوش ہو گیا تو کیا ہو گا۔“

انتہے میں آواز دینے والا خود ہی اندر آ گیا۔ یہ بھی انہیں کاشیلوں میں سے تھا۔ اسے
بیٹا کہ تفضل کی رہائی کوئی سے گولی چلنے کی آواز آئی تھی اور عورتیں جیخنے لگی تھیں۔

”چلو ٹھیک ہے۔“ قاسم سر ہلا کر بولا۔ ”شروع ہو گئی خائیں ٹھوئیں بھی۔ مگر وہ قہاں ہیں لارا
کر زن کے بھتیجے۔“

”کون.....؟“

”ارے وہی۔ جا۔ ار رہ پ۔“ اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ دبایا۔

”آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”چھ نہیں۔ وہ میرے ساتھی۔“

والا ذرا مدد اشیع کر رہی ہے کہ اسے یعنی ارشاد کو کسی چکر میں پھنسا دے۔ لیکن جب ”وہ اپنی خواب گاہ میں سو رہا تھا۔ کسی نے روشنداں سے اس پر فائر کیا۔ بس مقدر تھی تھا رات والے واقعے کے بعد بھی پولیس نے اس کے خلاف کوئی خاص کارروائی نہ کی تو پہلے کسی کیا ورنہ وہ تو بے خبر تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کھراہٹ میں حملہ آور کا ہاتھ بہک گیا ہو۔ ثمیک راست اس پر قاتلانہ حملہ ہی ہو گیا۔ مقصد اسے کسی نہ کسی طرح راستے سے ہٹانا ہے۔ اب اسی وقت آسیب زدہ مکان میں بھوتوں والا ہنگامہ بھی برپا تھا۔ لیکن ارشاد پر اس سے پہلے ہی کی بات کچھ کچھ میری بھجھ میں آ رہی ہے۔ مز تفضل نے بھوتوں والا معاملہ ارشاد ہی کے حملہ ہو چکا تھا۔ اگر ان سب حرکتوں کا الزام اسی پر رکھنا تھا تو اس پر حملہ ہرگز نہ ہونا چاہئے تھا۔“ منذ ہنے لی کوش کی ہے۔ کتے کی موت سے بھی اسی سمت اشارہ ہوتا ہے۔ غالباً وہ میں ”بھجھ دیکھتے یہ دونوں ہی حملے میری بھجھ میں تو نہیں آئے۔“ واصف بولا۔ ”نہ ارشاد کرنا چاہتی تھی کہ کتے کو ارشاد ہی نے زہر دیا تھا اور پھر خود ہی غزل چھیڑی تھی تاکہ تفضل اور کا اور نہ تفضل۔ چلنے اب تو بساط ہیں الٹ گئی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کو نظر کا دھوکہ ہوا ہو۔ پر خفا ہونا شروع کر دے اور ارشاد کہے کہ اس نے چیز کی فرمائش پر غزل شروع کی تھی۔“ نہ ارشاد ہے کہ تفضل بیوی پر بیٹھتا اور وہ کتے پر غصہ اتنا تھی لیکن کتابخانہ کا شکار ہو کر مرتا۔“ ”غیر میں فرض کئے لیتا ہوں پھر.....!“ حمید نے کہا۔

”مگر یہ کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ کتے کو زہر ہی دیا گیا تھا۔“ حمید نے کہا۔ ”غیر!“ پہلے مز تفضل نے ارشاد کو پھانسی کی کوش کی۔ اب ارشاد اسے پھنسوانا چاہتا ہے۔ خیال تھا۔“

”جی نہیں۔ قطعی طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ اسے زہر دیا گیا ہے۔ مز تفضل نے خون پاہتا ہے کہ نرین اس سے محبت کرتی ہے اس نے پرسوں رات والی ایکیم فلی ہو جانے کی بنا۔ اس کے منہ سے گرے ہوئے خون کے لختے کیمیاوی تجویز کے لئے پرسوں ہی سر کاری لیا۔“ پر تفضل یا قریر نے یہی مناسب سمجھا کہ اب اسے قتل کر دیا جائے۔ ورنہ کھلی بگڑ جائے گا۔“ اُنرین اب کھل کر کہہ دے گی کہ وہ ارشاد نے علاوہ اور کسی سے شادی نہیں کرے گی۔“

”گلڈ..... جب تو معاملہ صاف ہے کہ ارشاد کو الجھانے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے بعد“ ارشاد کے مکان میں پہنچا دی جاتی۔ وہ تھا ہی رہتا ہے اور اس رات تو میدان صاف عالم کیونکہ اس نے وہ رات فیریز ڈریم میں گزاری تھی۔ لڑکی وہاں پہنچا دی جاتی۔ اور پھر اس سے برآمد بھی کرالی جاتی۔ خیال رکھا جاتا کہ وہ وہاں بھی بیویوں ہی رہے۔ اس طرح اسے بیٹھا ہوا بولا۔

”غیر اس پر پھر غور کروں گا۔ یہ بتائیے کہ پرسوں رات آپ نے لڑکی کو اچانک مسہری کے پیچے کیے برآمد کر لیا تھا۔“ پتہ نہ چلتا کہ اسے وہاں کون لے گیا تھا اور وہ خود بھی ارشاد کے متعلق شہہات میں بیٹھا ہوا اور پھر جیل ہوتی اور میاں فرباد ہوتے۔ قدری کے لئے راست صاف ہو جاتا۔“

”بہت پہلے کی دریافت تھی۔ مصلحت خاموش رہا تھا۔ مقصد تھا کہ ان لوگوں کے حرکات و رات تفضل پر جو فائر کیا گیا تھا اسے کس خانے میں فٹ کریں گے۔“ لیکن کائنات کا جائزہ الوں لیکن پھر مجھ سے جلد بازی ہی سرزد ہوئی۔ اس مسئلے پر قطعی طور پر خاموش اہماً اور چھپ کر دیکھتا کہ اب کیا ہوتا ہے۔ اگر وہ ارشاد کے گھر لے جائی جاتی تو کھلیل پرسوں ”یہ مسئلہ ضرور غور طلب ہے۔“ واصف سر ہلا کر بولا۔

عن ختم ہو جاتا۔ رنگے ہاتھوں کپڑا جاتا وہ آدمی جو اسے وہاں سے لے جاتا اور پرانے بدنبر 28
لے جائیے ورنہ وہ قتل کر دیجے جائیں گے۔“
”میرا خیال ہے کہ دو کاشیل کوشی میں موجود ہیں۔“
سامنے آ جاتی۔“

”مگر آپ تو اس طرح چونکے تھے جیسے اسی وقت آپ کو خیال ہو کہ آپ سہمی کی
الٹ کر دیکھنا بھول گئے تھے۔“

”سو فصدی ایکنگ تھی۔“ حمید مسکرا یا۔

”اگر ایکنگ تھی تو شروع سے آخر تک شاندار رہی تھی۔“

”اب قادر کے متعلق کیا خیال ہے۔ اسے حرast میں لے رہے ہیں یا نہیں۔“ ”اوہ آپ سب سمجھتے ہیں۔ سننے۔۔۔ وہ کہتی ہیں کہ ارشاد نے پہلے کہ کو زہر دیا تھا پھر
نے پوچھا۔

”اوہ اکر خواہ خواہ غزل سنانے لگا تھا۔ ڈیڈی آئے اور اس پر برس پڑے۔ وہ کہتی ہیں مجھے غصہ
”فی الحال مشکل ہے۔ اگر آپ نے اسے کپڑا لیا ہوتا تو خیر کوئی بات نہ تھی۔ بھی ”آب اور میں نے عادت کے مطابق کتنے کو پیشنا شروع کر دیا۔ اگر کتاب نہ مرتا تو کوئی احاطہ میں
پہنچ کا آدمی ہے۔ حملے کے وقت کہیں اور اپنی موجودگی ثابت کر دینا اس کیلئے مشکل نہ ہو۔ زندگی نہ کھسکتا۔ کتابی لئے مارڈا لایا کہ ارشاد بھوتوں کا کھیل پیش کر سکے۔“

”خیر دیکھا جائے گا۔“ حمید انتہا ہوا بولا۔

”ممکن ہے تبی درست ہو محترم۔“

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ مجھے اور ڈیڈی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتیں۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”تھاری دولت۔۔۔ تھا قابض ہونا چاہتی ہیں۔“



”مگر میں نے تو سنا ہے کہ ان کے علاوہ بھی کئی اور حصہ دار ہیں۔“

آسیب زدہ مکان کے بائیں بازو میں کمپاؤٹر وال کے قریب مالتی کی بے ز
”جنی نہیں۔۔۔ اگر ہم مر جائیں اور ارشاد چھانپی پر چڑھا دیا جائے تو وہ تھاہی مالک ہوں گی
جھاڑیاں تھیں۔۔۔ جیسے ہی حمید ان کے قریب سے گذرایک بیک ان میں سرسرابہت ہوئی۔“
”اوہ۔۔۔ شکریہ۔۔۔ یعنی اطلاع ہے۔۔۔ لیکن سننے تو کی۔۔۔ وہ پولیس کو کیسے باور کر سکتی ہیں
کہ مر تھفل پر ارشاد نہیں نے حملہ کیا تھا۔“

”دوسراے علی لمحے میں نہیں اس کے سامنے کھڑی تھی۔“

”خدا کے لئے بچائیے۔۔۔ ڈیڈی کو بچائیے۔۔۔ اس نے حیر قسم کی سرگوشی میں کہا۔
”کہیں کہیں کہ ارشاد نے ڈیڈی کو راستے سے ہٹا دیا ہی مناسب سمجھا۔“
”کیا ہوا۔۔۔؟“

”آپ ایس پی واصف کے دوست ہیں۔۔۔ ڈیڈی خطرے میں ہیں۔۔۔ نہیں زبردست۔“

”ارشاد ایسا ہرگز نہیں کر سکتا..... ہرگز نہیں..... ڈیڑی بھی اسے تسلیم کرنے پر“

ہیں۔ جب انہوں نے اس سلسلے میں ارشاد کا نام لیا تھا تو ڈیڑی کو غصہ آگیا تھا۔ وہ کہا۔ ”دنوں میں بڑی دیر سے دانتا کلکل ہو رہی ہے۔ بس تم جرا سازور لگا وہ کھٹاک سے ارشاد تمہیں قتل کر کے قتل کا الزام مجھ پر رکھنا چاہتا ہے۔ اسی لئے پچھلی رات بے بیان ہو چکی گی۔ اے حید بھائی جندگی بھر احسان مانوں گا..... میرے بھائی تو..... لغادے کر کے یہیں ڈال گیا تھا۔ کیا پتہ لے جانے کا موقعہ نہ ملا ہو۔ اس تک میں رہا ہو۔ اب اپنے استثنت کے لئے اتنا بھی نہیں قرستے۔“

بیہو شی کی حالت میں میرے کسی عزیز کے یہاں ڈال آئے۔ ”تم نے اس کیس میں رتی برابر بھی کام نہیں بنتت.....!“ حید نے مرام منہ بیٹایا۔ ”تم نے اس کیس میں رتی برابر بھی کام نہیں بنتت.....!“

”بات لگتی ہے دل کو....!“ حید سر ہلا کر بولا۔

”ہے نا! میں بھر کر ہیں ہوں کہ یہ ارشاد کے خلاف ایک بڑی گھنٹاؤ نی سازش ہے۔“ ”اے جاؤ بکرا بادیا ہے سالے تغلی کو..... دور سے میری صورت دیکھتا ہے اور ہاتھ جوڑ حمید کچھ نہ بولا۔ یہ اچھا ہی ہوا تھا کہ اس نے ارشاد پر حملے کی خبر چھینے نہیں دی فر پر چھڑا ہے خدا کے لئے مجھ سے دور رہئے ورنہ میں تیز کی بولی بولنا شروع کر دوں گا۔ مگر واصف کو تاکید کردی تھی کہ وہ ہپتال کے باہر قدم نہ رکھنے پائے۔“ ”ارشاد تو کل رات سے غائب ہے۔“ اس نے کہا۔

”کیا.....!“ وہ اس طرح آنکھیں چھڑا کر بولی جیسے اسے اس کے قتل کر دیے جائیں گے۔ اس نے کہا۔

خدا شر ہا ہو۔

”نہیں ہے تھا ری یوی بذببان۔“

”جی ہاں! کل آٹھ بجے رات سے ان کا سراغ نہیں مل سکا۔“ ”خدا خیر کرے۔ اب کیا ہو گا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسے ہی ان لوگوں نے مارا گی نہ دیکھوں گا اگر اس سے ہو گئی۔ ہے حید بھائی رات بھر میرے خواب میں چنگتائی لاش غائب کر دی تاکہ پولیس یہی سمجھے کہ ڈیڑی پر حملہ کر کے روپوش ہو گیا ہے۔“

”آپ شائد جاسوی ناول کثرت سے پڑھتی ہیں۔“ حید مسکرایا۔

”اوہ..... اب میں کیا کروں!“ اس نے کہا اور بے تھا شہ کوئی کی طرف بھاگتی جلائی۔ ”کس ولایات کا نام لیا ہے تم نے۔“ قاسم آنکھیں نکال کر تیز لمحے میں جلدی جلدی حید وہیں کھڑا اسے دیکھتا ہا۔

”سلام اے قم..... بھائی ساب۔“ پشت سے قاسم کی چیختی ہوئی سی آواز آئی۔ ”مل کہا..... سب ٹھیک ٹھاکھ ہے نا۔“

وہ دانت نکالے برآمدے میں کھڑا تھا۔ جیسے ہی حید اس کی طرف مڑا۔ اس نے آسیب زدہ عمارت کی گھنٹی کا بیٹن دبایا ہی تھا کہ آنکھیں ماریں اور ہنسنا ہوئے اتر آیا۔ پھر رازدارانہ لمحے میں بولا۔ ”بڑا فس کلاس موئی؟“ اس کا بیٹل نے دروازہ کھول کر اسے سلوٹ کیا۔



”دونوں موجود ہیں۔“ واصف نے پوچھا۔

”جی حضور.....!“ کاشیل نے کہا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

”نہیں..... میں اندر نہیں جاؤں گا۔ حمید صاحب سے کہہ دو کہ میں ہوں۔“

کاشیل ایڑیاں بجا کرواب پس چلا گیا۔ حمید نے برآمد ہونے میں درینہیں لگائے۔

واصف اس کا اتھ پکڑ کر کوئی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”پڑھیں..... یہ محترم رام یہی صیحت میں پھنس گیا۔“

چاہتی ہیں۔ مجھے فون کیا تھا شائد کوئی ہم بات بتانے کا ارادہ ہے۔“

”کیا میری موجودگی میں بتائے گی۔“ حمید نے پوچھا۔

”آخراً پ کب تک اپنی اصلیت چھپائیں گے۔“

”میری دانست میں بھی اب اس اٹھ پ اصلیت چھپانا سودمند نہ ثابت ہو گا۔“

”بھی ایک زبردست غلطی ہوئی ہے مجھ سے..... قدر کی عمر انہیں کراں گی۔“

غائب ہے۔ پچھلی رات سے اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ اب میرا خیال ہے کہ ارشاد،

حملہ کیا تھا۔ ہو سکتا ہے بعد میں دہشت زدہ ہو کر روپوش ہو گیا ہو۔ یا اُسے ارشاد کے قاء

ضرور ضرور..... آئیے۔“ وہ پھر دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی اور قاسم ٹھنڈی

علم ہونے کے ساتھ ہی شبہ بھی ہو گیا ہو کہ کہیں ارشاد نے اسے پیچان نہ لیا ہو۔“

”نالوں میں سالے ماں باپ حمید پکھنہ بولا۔ دفل پشت سے آواز آئی۔“ اے..... اے..... میں چاہا کہا کہ دیتے تین اور یہاں یہ بھوت۔ کہیں جھن نہیں ہے۔“

کیا..... نہہرو..... اقیلے اقیلے۔“

”عذاب جان بن گیا ہے۔“ حمید رک کر بڑیا۔

”آنے دیجئے..... خاصی ترقی ہو جاتی ہے ان حضرت کے ساتھ۔“ واصف نہیں

قاسم جھشتا ہوا قریب پہنچا اور وہ کوئی کے برآمدے میں آئے۔ کال مل کا بننا،“

پھر ایک ملازم نے ڈرانگ روم تک ان کی رہنمائی کی۔

دو منٹ گزر گئے۔ یک بیک حید کی نظر ایک گوشے میں نہہرنگی جہاں قائم ہے،

سرخ دھبہ نظر آرہا تھا۔ وہ اپنی بجلے سے اٹھ کر تیزی سے آگے بڑھا۔

تازہ خون کا دھبہ تھا جس سے ایک ٹکلی سی سرخ لکیر پھوٹ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

واصف اور قاسم بھی اٹھ آئے۔

”تین پچھا نہیں چھوڑنی گی سالے۔“ قاسم بھرا کی ہوئی آواز میں بولا۔ اتنے میں تفضل

رتشن ہی ڈرانگ روم میں داخل ہے۔

”یا ہے۔“ تفضل پلتے چلتے لڑا ٹرایا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ ”یادا کب ختم ہو گا یہ سلمہ۔“

”یہی صیحت میں پھنس گیا۔“

”پلکر آگے ہی بڑھتی چل گئی ہے۔ وہ دیکھئے..... اس دروازے سے گذر کر نہ جانے

گئی ہو۔ حمید نے ایک بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ جس کے نیچے سے خون کی لکر

بطرف نکل گئی تھی۔

”رتفعل تیزی سے آگے بڑھی اور دروازے سے نکل گئی۔ پھر جلدی سے پلٹ آئی۔“

”بھی ایک زبردست غلطی ہوئی ہے مجھ سے..... قدر کی عمر انہیں کراں گی۔“

”کیا ہم دیکھ سکتے ہیں۔“ واصف نے پوچھا۔

”کیا ہم دیکھ سکتے ہیں۔“ اب میرا خیال ہے کہ ارشاد،

”فرور ضرور..... آئیے۔“ وہ پھر دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی اور قاسم ٹھنڈی

اسے کر کچھ بڑھا نہ لگا۔ حمید کی سمجھ میں صرف اتنا آسکا۔ ”نالوں میں سالے ماں باپ

حید پکھنہ بولا۔ دفل پشت سے آواز آئی۔“ اے..... اے..... میں چاہا کہ دیتے تین اور یہاں یہ بھوت۔ کہیں جھن نہیں ہے۔“

”اور اپاری میں داخل ہوئے۔“ تفضل تو گویا جھشتا ہوا چل رہا تھا۔ لکر آگے ہی بڑھتی رعنی

اُس کا انتقام ایک مقلع کرے کے دروازے پر ہوا۔

”نکاواہ بند دروازے کے نیچے سے اندر ریگ گئی تھی۔“

”اُمک..... یہاں۔“ تفضل نے ہانپتے ہوئے کہا۔ ”یہ تو میرا کتب خانہ ہے۔“

”یگہ خدا کے لئے بخی لا او۔“ یا اللہ رحم کر میرے حال پر..... یہاں کیا ہوگا۔“

اُس کی یوں مخالف سست میں دوڑ گئی۔

”کبھر ایسے نہیں۔ دیکھتے ہیں۔“

”اُسے یہاں اس عمارت میں بھی آسیب کا شہر بھی نہیں ہوا۔ بیگم نے آپ کو اس وقت

اسی لئے بلوایا تھا کہ ہمیں بحفاظت ریلوے اسٹشن بھوادیجئے۔ وہاں سے ہم فرمی جائیں گے۔“

”جگر..... جگر.....!“ قاسم بولا۔ ”وہاں میری کوئی ہے خالی کر دوں گا۔“

”جی میری بھی ایک کوئی ہے وہاں۔“

”کھیر کھیر.....!“

”قدیر صاحب آئے تھے..... آج۔“ واصف نے پوچھا۔

”جی نہیں..... پتہ نہیں۔ مجھے ہوش کہاں ہے آئے گئے کا۔“ تفضل نے کہا خاموش ہو کر ہائپنے لگا۔ وہ برسوں کا یہ زمانہ معلوم ہوتا تھا۔ چیرہ زرد ہو گیا تھا۔ ہونٹ خلک پر بار بار زبان پھیرنے لگتا تھا۔

”نیگم جلد ہی واپس آگئی اور اسی نے قفل کھولا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ الملا..... قریب ایک سیاہ رنگ کی بلی کی لاش پڑی نظر آئی۔“

”آف فوہ..... میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ تفضل لڑکھرا کر دیوار سے نکلا ہوا بولا۔“ صاحب خدا کے لئے ہمیں نکالے جلدی یہاں سے۔“

”خہریے..... میں انتظام کرتا ہوں۔“ واصف نے کہا اور نیگم سے پوچھا۔ ”آہ..... کیوں یاد فرمایا تھا مجھے۔“

”براہ کرم ہمیں نصیر آباد پہنچا دیجئے۔ نصیر آباد تو ہم خود ہی چلے جائیں گے۔“ اسٹشن تک بحفاظت بھجوادیجئے۔ میں بہت خوف محوس کر رہی ہوں۔ پچھلی رات انہیں ہوا تھا اسے میں بھتوں کا کارنامہ سمجھنے پر تیار تھیں اور جو کچھ بے بی کو پیش آیا۔“

پھر یک بیک اس کے حلق سے ایک بیساختم قسم کی جیخ نکلی اور وہ فرش پر گر کر رکھا۔ وہ تفضل ہی کے قریب کھڑی تھی۔

”کیا ہوا.....!“ تفضل چینا اور خود بھی لڑکھرا کر ڈھیر ہو گیا۔ نیگم کی پیشانی فوارہ چھوٹ رہا تھا۔

”روشنداں سے“ دھطا حمید چینا اور پھر دروازے کی طرف بھچنا۔

پھر اسی ہی آواز باہر سے آئی تھی جیسے کوئی بلندی سے کوہا ہو۔ ساتھ ہی ایک جیخ بھی لادی۔ واصف بھی دروازے کی طرف لپکا۔ حمید عقبی دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا۔

”سے تو..... خہریے تو سکی۔“ واصف نے اسے آواز دی۔

”سائیکلسٹ لگے ہوئے ریو الور کا فائز تھا۔“ حمید نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

پل کر چینا..... تارچ..... تارچ.....!“

واصف پھر اندر بھاگا۔ بدھواں ملازم تھے ایک تارچ لی اور حمید کو آوازیں دینے لگا۔

”چلے آئیے..... چلے آئیے۔“ حمید کی آواز کا پر رہی تھی۔

واصف نے تارچ روشن کی اور آواز کی جانب بڑھتا چلا گیا۔ دیوار کے انتظام کے قریب اسے پوش آدمی اونڈھا پر انظر آیا۔ حمید اس پر جھکا ہوا تھا۔

اسے پوش آدمی اونڈھا پر انظر آیا۔ حمید اس پر جھکا ہوا تھا۔

”کیا ہے..... کون ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”قریب آئیے۔“

تارچ کی روشنی کا دائرہ زمین پر پڑتے ہی سیاہ پوش پر ٹھم گیا۔ اس کے قریب ہی ایک نمر لگا۔ ہوا ریو الور بھی پر انظر آیا۔

حمد نے اسے سیدھا کیا۔ پورا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا اور نقاب خون سے تر ہو چکی تھی۔ پھر روشنی کا دائرہ دیوار کے اوپر ریشتگاں چلا گیا۔

”روشنداں.....!“ حمید بڑھا یا۔ ”ہم اسی کمرے میں تھے..... اور..... اب کیا اس کم

جنت نے بھی رونا شروع کر دیا۔“

روشنдан سے دو آدمیوں کے دہائیں مار مار کر رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ اور جو موجود تھی۔ ایک جیسے بھی خالی نظر آیا۔

”نقاب تو ہٹائیے۔“ واصف نے مختار باتہ انداز میں کہا اور پھر میساختہ اچھل پڑا۔ پھر ایوب لنس گاڑی پہنچ گئی۔ قدری زندہ تھا لیکن بیہوش۔ پتہ نہیں کہاں کہاں چوٹیں آئیں۔ ویسے پیشانی کی چوٹ تو ظاہری تھی۔

”قدیر.....!“ حمید نے اس کے چہرے سے نقاب ہٹا دی تھی۔

بیگم کی لاش اٹھوادی گئی اور قدری کو ہسپتال روائے کر دیا گیا۔ لیکن تفضل ابھی تک روئے ہا تھا اور قاسم تو اس وقت پتہ نہیں کیا بن کر رہ گیا تھا۔ تفضل کو روئے دیکھ کر خود بھی بوس رہا۔

حالانکہ اس کا چہرہ خون سے تر تھا لیکن پہلی ہی نظر میں پیچاں لیا گیا۔ یہ بیگم تفضل کا۔

”قدیر یا کیک دہائیں مارتا ہوا اس سے لپٹ جاتا۔ تفضل کی آواز کچھ اور بلند ہو جاتی۔ قاسم چھپ کر الگ ہٹ جاتا۔ خود اس کی آواز بتدریج کم ہوتے ہوئے بالکل ہی ختم ہو جاتی۔“

”کھوڑ کر بعد وہی حرکت کرتا۔ یعنی یک بیک دہائیں مارتا اور پھر تفضل سے لپٹ جاتا۔ نسیں تو روئے روئے بیہوش ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں یہ صدمہ تھا یا شخص ڈھنکا۔“

”میرے خدا..... اوہ..... اوہ..... اپنے کھودے ہوئے کنوئیں میں خود ہی غرق ہو گئی۔“

”حمید کچھ نہ بولا۔“ قدری گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

”انتنے میں وہ دونوں کا نشیل بھی پہنچ گئے جو اس عمارت کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔“

”یہ کیسے ہوا.....!“ واصف دہائیں۔

”چلو اٹھاؤ اسے۔“ حمید نے کہا اور واصف کا بازو دبا کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ دو۔ اسے اٹھا کر اندر لائے اور واصف فون والے کمرے کی طرف دوڑا۔ نوکر معلوم ہوا کہ تفضل کی گاڑی کئی دونوں سے بیکار پڑی ہے۔ اس لئے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں رہ گیا تھا کہ ایوب لنس کے لئے فون کر کے وہیں انتظار کیا جاتا۔ واصف اپنی گانہ نہیں لایا تھا۔

”بیگم ٹھنڈی ہو چکی تھی۔“ قاسم اور تفضل ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے دہائیں مار رہے۔

”منظر متاثر کن تھا لیکن قاسم کی طرف خیال مختل ہوتے ہی حمید کو خوف محسوس ہوا۔“

”جھنون کی دیز تھیں چیرتا ہوا کوئی قہقہہ ہوتوں تک آئی نہ جائے۔“ اس لئے وہ کمرے۔

”خاموش رہو۔“ حمید کو غصہ آ گیا۔

”آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ تفضل اس بار جینا تھا۔

”بچھلی رات بیگم پر نہیں آپ پر فائز ہوا تھا۔“ حید نے کہا۔

”اوہ..... تو آخر قدر یہ نہیں..... وہ میرا دشمن کیوں ہو گیا۔ میں اس سے ہمیشہ سے بیش آیا ہوں۔“

”ڈیٹی.....!“ نرین کی آواز آئی۔ وہ شاند خود ہوش میں آگئی تھی۔

”میری بیگی..... میری بیگی۔“ تفضل چھتا ہوا اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

اب رہ گئے میاں قاسم جو ابھی تک سکیاں لئے جا رہے تھے۔ حید کے گھور پھونے بھی تو یہ کہ ”بھیگنے پر گئی اسی جاسوی..... میری تو جندگی بر باد ہو گئی۔“

”تم ہوش میں ہو یا نہیں..... تفضل کو ہوش آ گیا تو تمہاری گردن ہی اڑا دے گا۔“ کی بیوی کے لئے رور ہے ہو۔“ حید نے مکاہلا کر کہا۔

”جب اپنی نہ رونے دے تو دوسرے ہی کی سکی..... جاؤ جاؤ..... اپنا بھلفہ اپنے ہی رکھو۔ میں تو آج رو رکھو کر جان دے دوں غار..... دیکھتا ہوں کوئی سالا کیا کر لیتا ہے۔“



203
اُن نے ذہنی توازن کھو بیٹھے کی ایکٹنگ شروع کر دی ہے۔“
”چھی بات ہے..... میں آدھے گھٹنے کے اندر اندر بیٹھ رہا ہوں۔“
سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اس حادثے کے بعد واحد نسرين اور تفضل کو اپنے گھر لا یا تھا اور وہ فی الحال اس کے ساتھ مقام تھے۔ تاوقتیکہ روپورٹ مکمل نہ ہو جاتی اور کیس عدالت میں نہ پیش ہو جاتا وہ نصیر آباد کیے جائے۔ حید نے بھی واحد کو بھی مشورہ دیا تھا کہ ضابطے کی کارروائی مکمل ہو جانے تک ”اوہ نہیں اپنے ساتھ ہی رکھے۔“
حرب وعدہ وہ تفضل سمیت آدھے گھٹنے کے اندر ہی اندر کوئی بیٹھنے لگی۔ یہاں حید کے راتھ مقامی ہی آئی ڈی آفس کا ایک سب انسپکٹر بھی موجود تھا۔

”مجھے افسوس ہے مسٹر تفضل کہ آپ کے آرام میں خلل انداز ہوا۔“ حید نے کہا۔

”اُرے میں تو خود ہی آپ سے ملتا چاہتا تھا جناب..... مجھ سے بڑی گستاخیاں ہوئی ہیں۔ آپ کی شان میں..... مگر مجھے کیا علم تھا کہ آپ کون ہیں۔ بہر حال میں تو آپ کو فرشتہ رہت ہی سمجھتا ہوں۔“

”ایک طبقے میں ہم لوگ جہنم کے فرشتوں کے نام سے بھی یاد کے جاتے ہیں۔“ حید مکر کرایا۔ ”خیر ہاں تشریف رکھئے۔ بعض بہت اہم مسائل در پیش ہیں۔ ان کے سلسلے میں آپ کی مدد در کار ہو گی۔“

”میں کوش کروں گا کہ آپ کی مدد کر سکوں۔ ویسے میرا دماغ بالکل کسی کام کا نہیں رہا جناب۔“

”قدرتی بات ہے۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ ایسے موقع پر آپ کی انجمنوں میں مزید اضافہ کر رہا ہوں لیکن اس کے بغیر کام بھی تو نہیں چلتا۔“

”خیر..... پوچھئے جو کچھ پوچھتا ہے۔“

”کیا آپ کو علم ہے کہ بیگم صاحب نے کتے کے منہ سے گرے ہوئے خون کے لخت کی کاہی تجویز کے لئے سرکاری لیبارٹری میں بھگوانے تھے۔“

دوسری شام ایسی پی واحد اپنے دفتر سے اٹھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بھی۔ کال جب تھی) اور وہ تفضل کی کوئی سے بول رہا تھا۔

”ہاں..... میں نے یہاں تھوڑا سا کام کیا ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”اپ کچھ دیر کے لئے تفضل سمیت آجائیے..... مسئلہ ذرا کچھ الچھ گیا ہے۔“

”کیا بات ہے۔“ واحد نے پوچھا۔

”بھی..... قدیر ہوش میں آجائے کے باوجود بھی ہوش میں نہیں ہے۔ میرا خیال ہے۔“

”جی.....!“ تفضل کا لہجہ تھی راتھا۔ ”نہیں۔ مجھے اس کا علم نہیں۔ مگر کیوں بھجوائے چیز۔“
”کون سی۔“

”اس نے ارشاد پر اسی جگہ حملہ کیا تھا کہ اس کے فرستے بھی وہاں سے اس کی لاش نہ اٹھائی۔ یہ حملہ فیرین ڈریم کی کمپاؤنٹ میں ہوا تھا۔ وہ بھی عین پھانک کے سامنے۔ اس حملے کا شہد بھی ہوتا چاہئے تا کہ ارشاد لاپتہ ہو جائے تب ہی تو اس پر قتل کا الزام آتا اور پولیس اس کے لئے جگہ مارٹی پھرتی۔“

”ہاں یہ بات تو ہے..... مگر سننے تو کسی۔ ہو سکتا ہے اس نے ارشاد پر حملہ نہ کیا ہو۔۔۔ حملہ آور کوئی اور رہا ہو۔“

”میری آنکھیں مشکل سے دھوکا کھاتی ہیں۔ میں نے خود اسے ارشاد پر حملہ کرتے دیکھا تھا۔“
”تب تو بھی تھیک ہی ہو گا۔“ تفضل پکھ سوچتا ہوا بولا۔ ”مگر اس طرح تو آپ کا خیال ملا۔ انہوں نے زہر کی دیا تھا اور انہیں یہ شبہ بھی تھا کہ کتنے زہر دیا ہے۔“

”یہ خیال تو غلط ہو جاتا ہے۔۔۔ لیکن یہیں پر صحیح خیال کی بنیاد پڑتی ہے۔“
”میں نہیں سمجھا۔“

”میں سمجھاتا ہوں۔۔۔ دیکھئے مثال کے طور پر آپ کا ایک ہاتھ چھوٹا ہے اور ایک بڑا۔“
”یہ کیسے ممکن ہے۔“

”تاپ کر دیکھ لیجئے۔“

”تفضل احتفاظ انداز میں اپنی دونوں ہتھیاریاں میز پر ایک دوسری کے برابر کرنا پتا ہے۔“
”دیکھئے ان پکڑ۔۔۔“ حید نے سب ان پکڑ سے کہا۔ ”اب یہ کتنا آسان ہو گیا۔ آپ نہیں اطمینان سے ان کے ہاتھوں میں ہٹکڑیاں ڈال سکتے ہیں۔ کتنے سلیقے سے میز پر کھے کوئے ہیں۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“ تفضل اچھل کر کرٹا ہو گیا۔

”یہ جائے مرٹر تفضل۔۔۔ میں آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ اگر آپ نے جدو جہد کی تو

”جی.....!“ تفضل کا لہجہ تھی راتھا۔ ”نہیں۔ مجھے اس کا علم نہیں۔ مگر کیوں بھجوائے چیز۔“
”خدا کی پناہ۔۔۔ مگر کس نے زہر دیا تھا۔ یہی تو میں کہوں کہ آخر وہ ڈنڈوں کی نیبار سے کیسے ہلاک ہو گیا۔“

”یہی سوال حل طلب ہے کہ زہر کس نے دیا تھا۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا۔“ تفضل پیشانی رکھتا ہوا بولا۔ ”میں پاگل ہو جاؤں گا۔“

”آپ کو یہ کریم ہو گی کہ حرکت خود بیگم صاحبہ عی کی تھی۔“

”بھی خدا کے لئے مجھے اور پریشان نہ کہجئے۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ انہوں نے زہر کی دیا تھا اور انہیں یہ شبہ بھی تھا کہ کتنے زہر دیا ہے۔“

”جی ہاں۔۔۔ ان کے اس فعل سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ انہوں نے زہر نہیں دیا تھا حالانکہ زہر دینے والی وعی تھیں۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا ذمہ دار کی اور اس کو سماں چاہتی تھیں۔۔۔!“

”مگر کیسے۔۔۔!“

”وہی جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ یا جس کے سر آپ کے قتل کا الزام آنے والا تھا؟“

”مجھے ارشاد کے متعلق معلوم ہو چکا ہے۔ غالباً آپ کا اشارہ اسی کی طرف ہے۔“

”جی ہاں۔۔۔ آپ کے قتل کے بعد جب ارشاد نہ ملتا تو خیال اسی کی طرف جاتا۔ اسے قدیر نے پہلے ہی ٹھکانے لگانے کی کوشش کی تھی۔ اس طرح نرین صاحبہ بھی اس سے تنہ ہو جاتیں اور قدیر کے لئے بھی راستہ صاف ہو جاتا۔۔۔ اور آپ کے بعد آپ کی دولت کی مالک نرین اور بیگم صاحبہ ہوتیں۔ بیگم صاحبہ قدیر سے کوئی ایسا معاهدہ کر لیتیں کہ وہ ہمیشہ ان کے قبضے میں رہتا۔ یعنی نرین کی شادی اس سے اسی معاملہ کے تحت کرتیں۔ اس طرح پوری دولت کا مالک صحیح معنوں میں کون ہوتا۔۔۔ بیگم صاحبہ۔“

”اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔!“ تفضل دردناک آواز میں کراہا۔

خواہ نجواہ ہائپنے لگیں گے۔"

”اے..... اے.....“ واصف بوكھلا گیا اور اسی بوكھلاہٹ کے عالم میں تیزی سے اتنے میں قاسم کی آواز پھر آئی۔ ”ہائیں..... ہائیں..... یہ قیا ہو رہا ہے۔“ جمل بھائی.....

کپتان صاحب کو قیوں مار رہے ہو۔ ارے وہ میں سمجھ غیر۔ مغرب پارے بھائی..... ان کو ماف جانے والی میز کی زد میں آگیا۔

”خیر دار.....!“ حید نے اچل کر پیچھے بٹتے ہوئے ریوالور نکال لیا۔ تفضل تھوڑے کروڑ..... یہ بالکل چکد ہیں۔ قیوں پیٹا پہلے ہی نہیں سمجھایا تھا کہ پانی مانگنے والی آنکھیں فوج فاضے پڑھا۔ اس نے اکڑ کر کہا۔ ”کر دو فائز..... میری الاشیٰ کے ہاتھوں میں ہھکریاں ڈالیں ہیں..... ہاہاہا۔ اب بھٹکا کرو۔“ مٹھنے سے۔“

سکو گے۔ میں نے نکلت تسلیم کرنا سیکھا ہی نہیں۔“ تفضل خاموش کھڑا قاسم کو گھورتا رہا۔ غالباً سوچ رہا تھا کہ اس سے کس طرح نپتا جائے۔

”اگر تم جیسے اٹھائیں میں کے بجو کو چھانی کے تختے تک نہ گھینٹا تو کچھ کیا ہی نہیں ہے۔“ ”ہائیں..... پیارے تم تو مجھ سے بھی کھفا معلوم ہوتے ہو۔“ قاسم اس کی طرف بڑھتا تفضل۔ حید نے ریوالور جیب میں رکھتے ہوئے کہا اور آہستہ آہستہ تفضل کی طرف بڑھا۔ حید پیچے سے اس کے پیچھے کھسک آیا تھا۔ یک بیک اس نے قاسم کی کمر پلکر ماری اور لگا۔ تفضل کی ایسے پہلوان کے پوز میں آگیا تھا جو ہاتھ ملا تے ہی چپر اس مار دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ”ابے ابے۔“ کہتا ہوا تفضل پر ڈھیر ہو گیا۔ تفضل نیچے تھا اور قاسم اوپر۔ قریب تھا کہ ہوا در حید بھی ایسے ہی انداز میں آگے بڑھ رہا تھا جیسے زور آزمائی ہی کا ارادہ رکھتا ہے۔ نہیں نہیں کا تصادم انہیں الگ کر دیتا۔ حید نے جھپٹ کر تفضل کی گردن دبوچ لی اور قاسم دوسرا اچانک غیر متوقع طور پر جھپٹ کر اس کی توند میں نکل ماری۔ مقصدم غالباً بھی تھا کہ وہ اچانک گردن لان بڑھکتا چلا گیا۔ تفضل اکیلے حید کے بس کا روگ اب بھی نہیں تھا۔ اگر واصف اور انپکٹر پڑے۔ پھر گرجانے کے بعد کہاں اٹھ سکتا۔ اس کا تجربہ تو حید کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ لیکن مددوڑ پڑتے تو وہ پھر اٹھ کھڑا ہوتا۔

دوسرے ہی لمحے میں اس کا سر چکرا گیا۔ کیونکہ وہ تو اسی رہبر کی گڑی کی طرح اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس طرح تفضل کے ہاتھوں میں ہھکریاں ڈالی جائیں اور قاسم کو حیرت کی زیادتی کی کے پیروں میں وزنی سیسہ بھرا ہوتا ہے اور جوز میں پر لیٹ ہی نہیں سکتی۔ اور ہر گراو اور ادھر ادا۔ اسے یہ بھی یاد نہ آ رکتا کہ اسے حید کو کم از کم پانچ ہزار گالیاں دینی چاہئیں اور کوشش کرنی کھڑی ہوئی۔

یہ دیکھتے ہی واصف اور سب انپکٹر بھی اس پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن ان کا دل ہی جان ہو گا جس نہی طرح وہ دونوں ادھر ادھر کی دیواروں سے جانکڑائے تھے۔

وہ تو ہاتھی تھا ہاتھی۔ حید سوچ میں پڑ گیا۔ ٹھیک اسی وقت اسے قاسم کی آواز سنائی دی۔“ غالباً برآمدے میں دہاڑ رہا تھا۔ ”اے قدر ہو۔۔۔ کپتان صاحب کے ذمے۔“

”آ جاؤ.....!“ حید نے جواباً آواز دی اور پھر تفضل پر ٹوٹ پڑا۔ لیکن اب تفضل چہرے پر کسی قدر سراسیگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ وہ غالباً قاسم سے نہیں بھڑنا چاہتا۔ حید نے دو چار ہاتھ جھاڑے اور اس نے چپ چاپ کھالنے لیکن پھر جیسے ہی ہاتھ پکنے تو یہ سے زیاد استفسار کرتا۔ لیکن حید اس وقت تک خاموش رہا جب تک کہ قتل والے کرے



میں نہیں پہنچ گیا۔

ص 28

”اس سوچ بورڈ کو دیکھئے۔“ اس نے دیوار سے لگے ہوئے سوچ بورڈ کی طرف ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دہائیں مار مار کر رونے لگا۔ اُسے بیگم کیا۔ ”اس پر سے ایک سوچ غائب ہے۔ جو کل قتل کے وقت موجود تھا۔ یہ پش بٹن والا سوچ بورڈ تھا۔ میرے ساتھ وہ عمارت میں آیا۔ سکیاں لیتا جا رہا تھا اور بیگم ہی کے اور اسے سوچ بورڈ پر دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔ یہ لا بیری ہے اور پش بٹن والے سوچ بورڈ کو کہا تو اسے سوچ بورڈ کھو لئے گا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ نہ چاہتا ہو بزرگانگتی کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن کسی بھی لا بیری ہی میں گھنٹی کا پش بٹن موجود نہیں تھی کسی ایسے آدمی کی جس سے میں مزید پوچھ گھنٹہ کر سکتا۔ سب سے پہلے میری نظر سوچ پر مشکل ہی سے ملے گا۔ یہاں سوچ عموماً پڑھنے والی میزوں کے پاپوں سے لگائے جاتے ہیں۔ اُس سوچ غائب تھا۔ البتہ دونوں تار بورڈ کے سوراخوں سے باہر نکلے ہوئے تاکہ بیٹھنے والی بیٹھنی کا بٹن دبا کر ملازموں کو بدلایا جاسکے۔ یہ دیکھنے اس سوچ بورڈ کا انداز ہے۔ اب بھی آپ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے اس سے سوچ کے متعلق پوچھا اور وہ چونک کر پڑھنے کی میز سے کتنا زیادہ ہے۔ اگر ملازم بلانا ہو تو اٹھ کر یہاں تک آئے۔ ہے تابک یہ کوئے لگا۔ پھر فوراً سفیل کر لاعلی ظاہر کی۔ میں نے آگے بڑھ کر دونوں تاروں کو ملا کر بات۔ اس سوچ کو لکھنے والی میز کے پائے ہی پر ہوتا چاہئے تھا۔ اس اسی وجہ سے سوچ کا بڑا بیکا پہا اور وہ بڑے وحشیانہ انداز میں مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ میں چونکہ یہاں داخل ہوتے ہی اس ذہن میں محفوظ رہا تھا۔ لیکن اس وقت میں نے اسے اہمیت نہیں دی تھی۔ سوچا ضرور تھا اس کی طرف سے غیر مطمئن ہو گیا تھا اس لئے غافل بھی نہیں تھا ورنہ شائد دوبارہ آسمان دیکھنا متعلق..... پھر تفضل بظاہر سکی تو تھا ان..... اسلئے اسے اہمیت دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوا تھا اسی نسبت میں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے خود مر جائے گا یا مجھے مار ڈالے گا۔ میں نے پانچ یا چھ پھر وہ لمحہ بھی آیا جب وہ سوچ ذہن سے بالکل ہی محوج ہو گیا۔ اور وہ لمحہ وہی تھا جب ذہن کے اندر میں اندر اسے بے بس کر دیا۔ تب یہ کہانی میرے سامنے آئی جو بچپنی رات والے اس حال میں تھا۔ سیاہ پوش اور نقاب میں چیرہ چھپائے ہوئے۔ سائنسر لگا ہوا یو اور لوگ اپنی انحرافات سے بالکل مختلف تھی۔ ٹھہریے..... دیکھنے آپ لوگ ادھر..... اس گوشے میں آجائیے کے قریب ہی موجود تھا اور ہم نے کسی کے کوئے نہیں اور چیختنے کی آوازیں بھی سن تھیں۔ بالکل ظہرا کے ہے۔“

صف حالات میں قدری ہی کے ہاتھوں میں ہٹکڑیاں ہوئی چاہئے تھیں۔ لہذا قاتل گئا۔ حمید نے سوچ بورڈ کے قریب پہنچ کر کہا۔ ”اب روشنداں کے فرم۔ پر با میں جا بہ دیکھئے واحد میں ہمارے ہاتھ آگئی۔ پھر ہم سب یہاں سے رخصت ہو گئے۔ میں بھی اپنا سالانہ بھاں سیاہ دارہ سا نظر آ رہا ہے۔ آپ اسے زیادہ لکڑی کی گانٹھ سمجھیں گے۔ لیکن وقت لیتا گیا تھا کیونکہ کھلی تو بظاہر ختم ہی ہو چکا تھا اس لئے یہاں کیوں ٹھہرتے۔ پھر ہول کیجھ۔ جیسے ہی حمید نے سوچ بورڈ کے تار ملائے سیاہ دارہ برق جمندہ کی طرح چھوٹے سے راہ لی۔ یہاں چار سلیٹ کا نیشنل بدستور موجود ہے اور پھر بیچارہ فرہاد..... اس کا مسئلہ پورا ہے، میں تبدیل ہوا اور پھر اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ ادھر سامنے والی دیوار سے کھٹا کے کی آواز ذہن میں چھینے لگا۔ اگر اسے ہی بیشیت قاتل مشہور کرنا تھا تو اسی غلط جگہ اس پر جملہ کیا۔ اور بہت سا پلاسٹر ادھر گیا۔ حمید نے آگے بڑھ کر فرش سے گولی انھائی اور بولا..... یہ گولی اس الجھن کے ساتھ ہی لا بیری ہی والا پش سوچ بھی میرے ذہن میں ابھرنا اور بھری طرح تبر کے یو اور میں پائی جانے والی گولیوں سے مختلف نہیں ہے..... بچپنی رات تفضل اسی جگہ رہا۔ صبح اٹھ کر میں نے سب سے پہلے کوئی بھی کارخ کیا۔ چاروں سلیٹ پاہی پرستور یا رار سے لٹکھ رہا تھا۔ دھنعتا وہ لڑکھڑایا تھا اور اس کی بیوی اسے سہارا دینے کے لئے کچھ اور م Laz میں بھی شاگرد پیشہ ہی میں ملے۔ ایک نوکر کی حالت بہت ابتر تھی۔ آنکھیں لکھ کر آئی تھیں اس طرح جب رہ نشانے پر آگئی تھی تو تفضل نے اپنے سر کے پچھلے حصے سے

سوچ کا مٹن دیا دیا تھا۔ چونکہ گولی بے آواز تھی اس لئے ہم دیر میں سمجھے تھے کہ کیا ہوا، ہوں کی آمد و رفت ملتوی کرنی چاہی۔ اس کے لئے اس نے ایک کتاب پال لیا۔ نتیجہ خاطر خواہ بھی تو یہی تھے کہ کسی نے بے آواز ریو اور روشنداں سے چلایا ہے۔ پھر قدرتی بات ہے۔ آمد و رفت بند ہو گئی اور نیکم بور ہونے لگیں۔ لہذا انہوں نے بھی کہتے کہ لئے ایک ایکم باہر دوڑے جاتے۔ باہر قاتل تیار تھا۔ چونکہ اس سے پہلے والی رات کو تفضل پر فائز ہاں۔ یعنی جب بھی انہیں غصہ آتا کہتے ہی کو پیٹ کر رکھ دیتیں۔ انہوں نے بھی سوچ رکھا تھا اس نے ہم نے فوری طور پر یہی نتیجہ اخذ کیا کہ اس بار بھی قاتل کا ہاتھ بہک گیا اور تمہیں دیں گی اور پھر کریں گی ڈھنے سے پٹائی اور بجائے بیگم تفضل ہی ٹھکانے لگ گئی۔

”مگر یہ قدر یہ!...“ واصف نے ٹوکا۔

”اب شروع ہی سے کہانی سننے۔ تفضل نے بہت پہلے سے اس قتل کا پروگرام بنا رکھا۔ یعنی ایک بار بھوتوں کا ہنگامہ برپا کریں اور اسی ہنگامے کے دوران پولیس آفسروں کی لیکن اسے آج کل پر ٹالتا رہا۔ بنائے مختصات تھیں بیگم کی آوارگی۔ تفضل اس کی حرکتوں ہو گئی ہی میں اسے ٹھکانے لگادیں۔ بیگم صاحبہ نے دیکھا کہ ایک کرایہ دار آہنی مراء ہے تو اچھی طرح و اقتضایا مگر اس نے کبھی اس پر یہ بات ظاہر نہیں ہونے دی۔ بلکہ اس وقت ہی نے بھی سوچا کہ کتنا تو خیر مردی جائے گا لیکن یہ کرایہ دار کیسے کھکھے گا۔ لہذا شائد انہوں قتل کا پروگرام بھی نہیں بنایا جب تک کہ اسی نوکرنے اُسے غیرت نہیں دلائی جس کا تذکرہ یہی ”بھوتیت“ کے مظاہروں کا پروگرام بنایا تھا۔ لیکن دوپھر کو جب ہمارا سامان رکھا جانے کر چکا ہوں۔ یہ نوکر بھی کوئی معمولی آدمی نہیں، وہام مگر ڈیکٹی کیس وائل نای بدمعاشرہ زبان کے کچھ کر گزرنے سے پہلے ہی بھوتوں نے حرکتی شروع کر دیں اور وہ چکرا گئیں۔ یاد ہوں گے یہ بھی انہیں میں سے تھا۔ دس سال کا سزا یافت اور ایک ماہ ملکیت۔ تفضل کی طرف خیال ہی نہ گیا ہو گا کیونکہ اُسے تو وہ ڈھنچھی تھیں۔ پس نظر ارشاد ہی پر روشنداں والا خطرناک میکنزیم اسی نے ترتیب دیا تھا۔ ہاں تو جب اس نے تفضل کو غیرت مانی۔ اور تفضل نے کہتے کا خون کیسا وی خبری یہ کے لئے بھیج دیا تھا۔ اپنی بیوی کے نام سے تو اس کا خون بھی کھول گیا اور وہ پہلے تو وہ یہ سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا تھا کہ جب اس کے لیے بیانی کو ہدایت کر دی تھی کہ نتیجہ اُسے ایسی پی واصف کے توسط سے بتایا جائے۔ واصف کوئی اس کے کرتوت سے واقع نہیں ہے تو خواہ مخواہ بات بڑھا کر اپنی گپتوی بھی کیوں؟ اسے اطلاع دی تو وہ ایک بار پھر چکر اگئی اور غالباً یہی سوچا کہ یہ بھی ارشاد ہی کی حرکت جائے۔ بیوی کی حرکت یہ تھی کہ اس نے براہ راست کو آسیب زدہ مشہور کر رکھا تھا۔ لیکن ہے۔ کیونکہ وہ بھی نسرین کا نہ صرف امیدوار تھا بلکہ دعویٰ رکھتا تھا کہ نسرین بھی اُسے ہے کہ آسیب زدگی کے اظہار نے سلسلے میں پہلا واقعہ اس کی جدت طبع کا نتیجہ رہا۔ ہم اسی ہے۔ ادھر وہ خود اس کی شادی قدر یہ سے کرنا چاہتی تھی۔ پھر بھوتوں کے ہنگامے کی پہلی اس کے بعد سے اس نے کسی کرایہ دار کو وہاں نکلنے ہی نہیں دیا۔ اگر تفضل کسی کو کرایہ پر شروع ہوئی۔ یہ ہنگامے سو فیصد تفضل ہی کی طرف سے برپا کرائے گئے تھے اور ان کی تھا تو وہ وہی طریقے اختیار کر کے معابده ختم کر دیتی تھی جو اس نے میرے ساتھ اختیار کیا تھا۔

”مگر یاد وہ روشنی کے جھما کے..... وہ خون۔“ واصف نے ٹوکا۔

بہر حال مکان خالی رکھنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ رات کی تاریکی میں وہیں اپنے دستول رہے۔ تفضل نے اس پر کبھی ظاہر ہی نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ اس کی حرکتوں سے واقع۔ اس اُسے تو میں پہلے ہی مسخرہ پن سمجھا تھا۔ کیا بڑی بات ہے..... اندھیری رات میں لیکن جب قتل کا پروگرام بن گیا تو ایکم کے مطابق تفضل نے کچھ دونوں کے لئے اس مکان پر پہنچنے لیجئے اور کسی سے صرف دس گز کے فاصلے پر جو چاہئے کرتے پھرے اُسے

کافوں کا نہیں بلکہ آنکھوں آنکھ مخبر نہ ہوگی۔ دو شی کے جھمپا کے بجلی عائب ہو جائے۔ قتل ہے آج تک آپ سب ڈیوٹی سمجھتے رہے۔ بلا کا ذہین ہے جتاب۔ لیکن ان لوگوں میں ہوتے تھے۔ میں سوچ آف کیا اور حرکتیں شروع کر دیں۔ پوشاشیم سلفیٹ کی ڈیمیری پر ایک دن مندی میں اس کی، ہی نظرت کو غل ہو۔ اس نوکر کے نام اس نے پیک میں ایک لاکھ سلفیور ک ایسڈ پکا دیجئے بھک سے اڑ جائے گا۔ ارے یہ شعبدہ تو بمال چورن والے نیل کیا تھا اور وعدہ کیا ہا کہ اپنی، یہت میں بھی اس کا خیال رکھے گا۔ یہ بڑی عجیب بات کو چون میں دکھاتے پھرتے ہیں۔ چورن پر ایک چکلی پوشاشیم سلفیٹ ڈالی اور ایسڈ کی ٹیکر تھل کیتا ہوا دعہ کیا ہا کہ اپنی، یہت میں بھی اس کا خیال رکھے گا۔ یہ بڑی عجیب بات سلاںی ڈبو کر پوشاشیم پر لگائی۔ شعلہ نکلا پچھے خوش ہوئے اور اکی پڑیا خرید کر لے گی۔ مید خاموش ہو گیا۔ بھی کچھ نہ کچھ سوچ رہے تھے۔

چالاکی یہ ہوتی تھی کہ اسی جگہ تازہ تازہ خون بھی ڈال دیا جاتا تھا تاکہ فرش پر پوشاشیم پر، "اللہ تعالیٰ کو لمبی اور لمبے کو الی عورت سے چھائے۔" قاسم جماں لے کر بربڑایا۔ "اور پڑنے والا حصہ چھپ جائے۔ اس نتیجے پر تو میں پہلے ہی پہنچا تھا اسی لئے تو جمارہ گیا۔ ہرگز گروپ بالکل گارت ہی کر دے۔"

عائب کر دی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ پولیس کو نوری طور پر متوجہ کیا جائے تاکہ آئندہ پر کی موجودگی میں بھی قتل کیا جائے۔ بے بی کے عائب ہونے کا قدر قدر یہ کو گرا ہو گا۔ اس نے سوچا ہو گا کہ وہ بیہوئی ہی کی حالت میں اس کے گھر پہنچا دی جائی اور اسی حالت میں وہاں سے برآمد بھی کر لی جاتی۔ اس طرح امیدواروں کی فہرست سے اس خارج کر دیا جاتا۔ یہ حرکت اس کی واثنت میں ارشاد کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو گئی اسے تاؤ آگیا اور اس نے ارشاد پر ایک ناکام حملہ بھی کر دا اور ہم خواہ مخواہ اس کے تھیوریاں بناتے رہے۔ حالانکہ وہ قطعی غیر متعلق چیز تھی۔ ارشاد بیچارہ تو ان معاملات سے ہی دور رہا تھا۔ اس نے صرف اتنا کیا تھا کہ بیگم کے کہنے پر اس کا پیغام مجھے تک پہنچا دیا اور بیگم کا یہی خیال تھا کہ ہنگامہ اسی نے برپا کیا تھا تاکہ قدر یہ کو بدنام کیا جائے۔ ادھر تھا پچھلی رات قدر یہ کو پکڑ دیا اور بیہوں کر رکھا۔ ایکم کے مطابق بیہوئی ہی کی حالت میں اس پوش بنایا گیا اور وہی نوکر چھت پر اس سمیت موجود رہا ادھر بیگم کی چیخ نکلی تھی اور ادھر اس بیہوں قدر یہ کو پستول سمیت عین روشنداں کے نیچے پھینک دیا تھا۔ ہم سمجھئے کہ اس نے فائز نیچے چلا گئے لگائی تھی اور ہاتھ پر توڑ بیٹھا تھا۔ نوکر کا بیان ہے کہ اب وہ بھی صحیح اللہ ہو سکے گا کیونکہ اس کے جسم میں ایک ایسا زہر یا مادہ الجذب کیا گیا تھا جو ہمیشہ کے لئے ماوف کر دیتا ہے۔ لیکن میڈیکل ثبت سے اس کا سراغ نہیں مل سکتا۔ یہ ہے کہاں۔

ختم شد

جاسوی دنیا نمبر 87

پیش رس

لیجے بہت دنوں بعد پھر ایک اسکی کہانی دے رہا ہوں جسے آپ عرصہ
مکی یاد رکھیں۔

اس کہانی کا مجرم جنسی کجر وی (یا شاید گمراہی) کا شاہکار ہے۔ لیکن
بھی نہ تو یہ امریکن فلمیں دیکھ کر مجرم بتا ہے اور نہ جاسوی ناول پڑھ کر۔
جنیت کے معاملہ میں اسے مجرمانہ ذہنیت درشت میں ملی تھی۔ وہ خود بھی اس کا
اعتراف کرتا ہے لیکن اس کے جرائم کی ابتداء جنسی گمراہی سے نہیں ہوتی۔ جو
کچھ بھی ہوا تھا غلط فہمی کی بناء پر ہوا تھا۔ اسے اس کی پاداش میں جو سزا ملی وہ
بڑی گھناؤنی اور انسانیت سوز تھی۔۔۔ پھر کیا ہوا....؟

اس کہانی میں تو وہ اس منزل پر ملے گا جہاں چھانی پانے کا تصور بھی
اُن کیلئے جنسی استلذاذ کا ذریعہ بن گیا تھا کہ یہ اذیت طبی (Masochism)
کی انہائیں ہے۔ اس نے دوسروں کو مارڈالنے کے لئے ایک ایسا طریقہ
اجداد کیا تھا کہ خود کو اژدواہ تصور کر سکے۔ میری دانست میں اسے بھی
(Sadist) رجھات کی انہتائی سمجھنا چاہئے۔

اذیت پسندی کے علاوہ ”استلذاذ“ (Incest) بالا قارب کا بھی
شاہکار تھا۔

کاش اس کی ایک غلطی فہمی اتنی بڑی سزا کا باعث نہ بنتی۔ کاش پہلی
غلطی پر وہ کسی ”اصلاح خانے“ کے پروردگار دیا گیا ہوتا۔
بچوں کو سزا دینے کے سلسلے میں بہت متاثر رہنے کی ضرورت ہے۔
پیش یاد رکھئے۔

”بیکردوں کی ایک پرانی خواہش کے مطابق اس کہانی میں انور اور
بریش، بھی پیش کئے جا رہے ہیں۔“

زہریلا آدمی

(مکمل ناول)

ابن صفحہ

اور پھر ان شیلوفوں کو خالی کرنے کے لئے آگے بڑھا ہی تھا کہ رشیدہ کرے میں داخل

دلیں کاموڈ کچھ خراب معلوم ہوتا تھا۔

”کیا میں تمہارے باپ کی توکر ہوں۔“ اس نے خواہ خواہ چھاڑ کھانے والے انداز میں

چاہا۔

”باپ علی سے پوچھو۔“ انور نے لاپرواں سے شانوں کو جنتش دی اور شیلوف کے خانے

میں بھڑاں کر رساں کی ایک تہبے نیچے فرش پر گراہی۔

”نہیں تمہارے ملا قاتی یعنی بحثتے ہیں۔“

”میں ان کا لے حد شکر گزار ہوں۔“

”کیا...؟“

انور نے خاموشی سے رسائل کی دوسرا تہبے بھی فرش پر گراہی۔ وہ رشیدہ کی طرف متوجہ نہیں تھا لیکن رشیدہ اسے بدستور گھورے جا رہی تھی۔

انور نے جماعتی اور کراہ کر بولا۔ ”یہ کام بھی جلد ہی ہونا چاہیے۔ غالباً اس وقت تھیں

کرام رپورٹ انور نے اپنی جیسین مٹولیں اور مختدی سالس لے کر رہ گیا۔ گالوں پر ہی ہاتھ پھیر کر بڑھے ہوئے خوبی چیجنگ محسوس کر چکا تھا۔ خیر خیو تو اتنا بھی بڑھ سکتا تو اک ڈاہجی کہتے اور انور کچھ دنوں تک پھرندے والی قدیم رومن کیپ چینے پھرتا اور لوگ یہ کہ شاید خدا نے اسے نیک توفیق عطا کر ہی دی آئے خیار کر لیں۔ سگریت کا مسلک پیسوں کے بغیر کیسے حل ہوتا۔ ادھر بہت دنوں سے لفٹنے کے اہم پرائیوریت کیس بھی نہیں ملا تھا جس میں تین ہنی ہندے سے والی کسی رقم سے مدد بھیڑ ہوئی۔ لے دے کر اس تھواہ سے کام تھا جو اس اس کے دفتر سے ملتی تھی۔ لیکن وہ تو شاید پورے ایک سگرٹوں کی بھی کفالت نہ کر سکتی۔

اس نے آج تک فاتحہ تھیں کے تھے البتہ اکثر سگرٹوں کو ضرور ترس گیا تھا۔ ہو۔ اس نے سوچا آج تھیں طور پر روی فروشی کرنی چاہئے گی۔ رشیدہ سے بھی کچھ مل جا۔ تو قعہ تھی جب انور نے اس کے سامنے سگرٹوں کا خالی قبہ بجاانا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر ان شیلوفوں پر نظر ڈالی جن میں انجارات اور رسائل بھرے تھے۔ ان کا وزن ڈیڑھ یادومن سے کسی طرح کم نہ رہا ہو گا۔

”اوی خدمت... آٹھ آئے سیر۔“ اس نے خاچی داؤں کے بے انداز میں آہن آواز لگائی۔

آغاز

”میں نہیں جانتی۔“

”کہاں ہے۔“

”اپنے قلیٹ میں بٹھا آئی ہوں۔“

”کیوں؟ میں تم سے کئی بار کہہ چکا ہوں کہ...!“

”پوری بات سنو۔“ رشیدہ کی جملہ بھت بڑھ گئی۔ ”وہ کہہ رہا تھا کہ اگر آج تصفیہ نہ ہوا



تو....ایک آدھل بھی ہو سکتا ہے۔"

"اوہ....!" انور نے سنجیدگی اختیار کرنے میں جلدی کی۔ "غندہ ہے کوئی۔"

"ہوش کی دوا کرو۔ غندہ ہوتا تو میں اسے اپنے فلیٹ میں بھائی۔"

"کیا اس نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔"

"تم سنتے کیوں نہیں۔ میں کہہ رہی ہوں کہ اس سے گفتگو کر کے جلد از جلد بیال۔ لیکن کیوں نہیں بھائی۔"

کھکانے کی کوشش کرو۔"

"سوال یہ ہے کہ تم نے اسے اپنے فلیٹ میں بھایا کیوں؟ برادر۔ لیکن کیوں نہ بھایا؟"

"اوہ.... انور کے بچے... میں اسے ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی.... شق بے نیام ہو رہا تھا۔"

"اچھی بات ہے۔ اس کا... کارڈ...!"

"اس نے اپنے متعلق کچھ نہیں بتایا۔ لیکن گفتگو سے میں نے اندازہ لکایا ہے کہ ثابت

تمہیں بلیک میل سمجھتا ہے۔"

"تمہاری کیا رائے ہے میرے متعلق۔"

"انور....!" رشیدہ دانت پیس کر بولی۔ "کیا یہ ضروری ہے کہ تم اسی وقت میری را۔

بھی جانا چاہو۔ میں کہتی ہوں سے جلد از جلد رخصت کرنے کی کوشش کرو۔"

"یہ کام تم بھی کر سکتی ہو۔" انور نے لاپرواں سے کہا اور پھر ٹیلیف کی طرف مر گیا۔

"تو تم یہ بھی نہیں معلوم کرنا چاہتے کہ وہ ہے کون۔" رشیدہ نے اپنا دماغ ٹھنڈا رکھ کر کوشش کی کرتے ہوئے کہا۔

"اس وقت تو میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ردی کتنے دام دے سکے گی۔"

"اچھی بات ہے۔" رشیدہ دروازے کی طرف مرتی ہوئی بولی۔ "مگر ہوشیار رہنا۔"

تری طرح اور ہر یہ آئے گا۔"

انور نے اس کی طرف مڑے بغیر بے لاپرواں سے شانوں کو جینش دی۔

ابھی دراز قد صحت مند اور وجہہ تھا۔ عمر تقریباً چالیس سال تھی ہو گی۔ نیلے رنگ کے

ہٹ میں تھا۔ سر پر مخصوص وضع کی سفید گپڑی تھی... چپکی ہوئی سی یعنی اتنی مدور نہیں تھی کہ گالوں

لیٹھے ابھری ہوئی معلوم ہوتی۔

رشیدہ کی آمد پر وہ اٹھا نہیں تھا بلکہ اس انداز میں اسے گھورتا رہا تھا جیسے وہ دنیا کی کوئی

بزرگ نہ تھوڑا ہو۔

رشیدہ کو اس کی اس حرکت پر بے حد تاؤ آیا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہی۔

"کیوں....؟" ابھی کا لیجہ بھی غصہ پڑھانے کے لئے کافی تھا۔

"وہ اتنے سوریے کسی سے بھی ملتا پسند نہیں کرتا۔" رشیدہ نے کہا۔

"مگر مجھ سے تو ملتا ہی پڑے گا۔" ابھی پر سکون لجھے میں بولا۔ طرز گفتگو میں خود اعتمادی

کی جھلکیاں تھیں۔ وہ چند لمحے خاموشی سے خلاء میں گھورتا رہا پھر بولا۔ "تمہارا اس سے کیا رشتہ

ہے... مگر تم تو بہت شریف لڑکی معلوم ہوتی ہو۔"

"مشکر یہ...!" رشیدہ نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ "میں اس کی دلکھے بھال کرتی ہوں اور ہم

"نوں ایک دوسرے کے سب کچھ ہیں۔"

"اوہ.... میز انور....!"

"بھی نہیں۔"

"خیر... خیر...!" ابھی کا لیجہ خلک تھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے لجھ کی اچانک تبدیلی کا

باعث کوئی فوری خیال بنا ہو۔

"وہ چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔" کیا تم لوگوں کی حالت بہتر نہیں ہے۔"

"میں سوال کا مطلب نہیں بھی۔" رشیدہ کو پھر تاؤ آگیا۔

"ضرورت بھی نہیں ہے۔" ابھی کے لجھ کی خلکی بدستور قائم رہی۔ "بھوکنے والے کے

پر پھر چلا د تو وہ اور زیادہ شور مچائے گا۔۔۔ پھر کیوں نہ پھر کی بجائے کوئی ایسی چیز بھی جانے اس کے حق سے اتر سکے۔

”تبروں پر بھی قوالیاں ہوتی ہیں لیکن یہ زندہ شہید سناتا پسندی کے مرغ میں جلا ہے۔

”بھی خاموش ہو کر اپنا بریف کیس کھولنے کا۔۔۔ رشیدہ کی بھوکی شرفی کا طریقہ نہ ملے۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔

نوكر چپ چاپ کرے سے نکل گیا اور حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔

بریف کیس سے دل دل سکے فونوں کی دو گذیاں نکلیں اور ابھی نے رشیدہ کی طرز

ایک بخت سے گھر میں سناتا تھا۔ قبرستان کا سانسنا۔ صرف کبھی کبھی کتنے بھوننے لگتے

دیکھے بغیر کہا۔ ”بہتر سی ہے کہ بھوننے والے منہ چلانے میں مشغول ہو جا میں اور راہیں رخ۔ ان کے متعلق حمید کا خیال تھا کہ وہ بھی سیکی پوچھتے ہیں آخر سناتا کیوں؟

ایک بخت سے اس نے فریڈی کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ لیکن وہ اس وقت بھی اوپری منزل

بانی تجربہ گاہ میں موجود تھا۔ ہو سکتا ہے وہ باہر بھی جاتا رہا ہو اس دوران میں۔ لیکن حمید کو علم

”میرا کوئی نام نہیں ہے۔۔۔ ابھی مسکرا کیا اور نوٹ کی گذیوں کو میز پر رذاالت ہوا اٹھ گیا۔۔۔ پڑ

تھے رشیدہ کی آنکھوں میں دیکھا رہا پھر سفا کا نہ لججے میں بولا۔ ”اگر وہ منہ چلانے میں مشغول رک کی کوئر نہ ہوتی۔

”حید کو علم تھا کہ سپر شنڈٹ مارش اسٹھنے کوئی کیس اس کے پرد کیا ہے۔۔۔ لیکن ابھی

پھر وہ آتی تیزی سے کرے سے نکل گیا کہ رشیدہ فونوں کی گذیاں اس کے منہ بھی نہیں معلوم ہو سکی تھی۔

بہر حال وہ کوئی ایسا یعنی کیس تھا جس کے لئے تجربہ گاہ میں بھی وقت گزارنا ضروری ہوتا۔

”زندگی!“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ چند لمحے کلاک پر نظر جانے رہا پھر ماؤنٹھ آر گن

لوبی میں ڈالتا ہوا اٹھ گیا۔

فریڈی کی خواب گاہ میں فون کی گھنٹی نج رعنی تھی۔ وہ تیزی سے باہر نکلا۔ گھنٹی بند ہو گئی۔

ماں افریدی نے تجربہ گاہ والے فون کا رسیور انٹھایا تھا۔

”صاحب... یہاں سناتا جاتے ہیں۔۔۔ تو کر گھنٹا یا۔۔۔“ میری شامت آجائے گی سر کار۔

”اچھا...!“ حمید اور پری ہونٹ بچھ کر بولا۔ ”تیری یہ جمال...!“

”سر کار... سر کار۔“ تو کر اور شدت سے گڑا گز ایسا۔

”بھر فریڈی کی آواز آئی۔۔۔“ حمید رسیور رکھ دو۔۔۔ نکل جاؤ کرے سے۔۔۔ نکلو۔۔۔

”بھر فریڈی کی آواز آئی۔۔۔“ حمید رسیور رکھ دیا۔۔۔ لیکن کرے عی میں کھڑا رہا۔ پتہ نہیں

”سری طرف کون تھا۔۔۔ فریڈی کی یہ جھڑکی اس نے بھی سنی ہو گی۔۔۔ حمید نے سوچا اور اسے تاؤ

”تم رکھو گے انہیں۔“ رشیدہ نے آنکھیں نکالیں۔
 ”نیں ایسا۔“ وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر چونک کرمکرا یا۔ ”رشود ارنگ...!“ لبجد بڑا رسیلا تھا۔
 ”پہلے میری بات کا جواب دو۔“
 ”ختم کرو... میری بات سنو۔“
 ”میں ان گذیلیں کا...!“
 ”مت بور کرو۔“ انور کا نوں میں انگلیاں ٹھوٹنٹا ہوا بولا۔ ”جاو اُسے تلاش کرو اور واپس
 راؤ۔ مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“
 ”میں کہاں تلاش کروں۔“
 ”پھر انہیں اٹھا کر سڑک پر پھینک دو۔“
 رشیدہ کچھ نہ بولی۔

”تو رشود ارنگ... یہ بینک ہی میں محفوظ رہ سکیں گے۔“
 ”چو خر... لیکن تم نے بلیک میلنگ...!“

”خدا غارت کرے۔“ انور نے دانت پیس کر میز پر مکار سید کیا۔ ”ختم کرو میری بات سنو۔“
 ”بکو...!“

”فرہاد نے شیریں کے لئے پہاڑ کھو دا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ چوبی نہ نکلا ہو۔ شاہ
 بنانے علاؤ الدین خلجی کے لئے تاج محل بنوایا تھا۔ علاؤ الدین نے قطب میnar کے لئے
 نیم سلطان تعمیر کر دیا تھا لیکن تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ صرف ایک پیکٹ...!“

”یلو... زبر مار کرو۔“ رشیدہ نے بلا ذکر کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر سکنؤں کا پیکٹ
 اور اسے اس کی طرف اچھالتی ہوئی بولی۔ ”آدم حار لائی ہوں۔“

”ٹکری یہ تم اسی وقت بہت اچھی ہو۔ اب جاؤ... ذرہ براہ بھی دلچسپی تم میں نہیں رہ گئی۔“
 ”اور نے پیکٹ سنjalat ہوئے غسلخانہ کی راہ میں۔

رشیدہ پہلے تو رہا سامنہ بنائے کھڑی رہی پھر بیٹھ کر غالباً اس کی واپسی کا انتظار کرنے
 باقی بچے ہیں۔ اب غالباً دو ہزار ساڑھے سات ہو جائیں گے۔“

آگیا۔

”وراہی گھنٹی پھر بجی۔ بجتی ہی رہی.... اس بار شاید یہ فریدی ہی کی کال تھی حمید کے
 ”فرمایے۔“ حمید نے رسیور اٹھا کر ماٹھ پیس میں کہا۔

”مگھنی بند ہو جانے پر تم نے رسیور کیوں اٹھایا تھا۔“ فریدی کے لمحے کی تھی حمید کو کمل
 ”میں سمجھا تھا شاید میری ہی طرح وہ بھی بے حیا ہے۔“

”بکواس مت کرو۔ سنو ٹھیک سائز ہے دل بجے پر تیخ بار میں سار جنت ہنزہ سے ملے
 ”وہ ڈیوٹی کے اوقات میں بھی پیتا ہے۔ اگر مجھے پلا دی تو کیا ہو گا۔“

”جاو...!“ فریدی کی غراہت کے ساتھ ہی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔



رشیدہ نے نوٹوں کی گذیاں انور کے منہ پر کھینچ ماریں۔ لیکن وہ اس کے سر پر سے گذا
 ہوئی پچھلی دیوار سے جا لکر ای تھیں۔

”تھپٹر سید کر دوں گا۔“ انور سید ہا ہوتا ہوا بولا۔ ”آدمیوں کی طرح بات کرو۔ من۔
 اب تک سگریٹ کا ایک کش بھی نصیب نہیں ہوا۔“

”تم نے بلیک میلنگ شروع کر دی ہے۔“ وہ دانت پیس کر بولی۔
 ”بکواس مت کرو۔ یہ بتاؤ وہ کون تھا۔“

”اس نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ لیکن رانا پر مود کا حوالہ دیا تھا۔“
 ”گذ...!“ انور کے ہونٹوں پر تیخ سی مسکراہت نظر آئی اور اس نے اٹھ کر دنوں گھر
 اٹھا کیں۔ تھوڑی دیر سک سوچتا ہا پھر بولا۔ ”میرے اکاؤنٹ میں صرف سائز ہے سات“

”آجی پہنچے ہیں۔ اب غالباً دو ہزار ساڑھے سات ہو جائیں گے۔“

نمبر 28
”مجھے تمہارے کاموں میں کبھی کوئی خاص بات نہیں ملتی۔“
”اگر ملے لگے تو مجھے چڑی مار کہیں گے۔“

”میں بتاؤ گے۔ آخودہ کس مسئلے پر تمہارا منہ بند کرنا چاہتا ہے۔“
اور شوکر رہا تھا۔ رشیدہ اس کی خاموشی پر پھر جھنجھلا گئی۔ بات ہی غصہ دلانے والی تھی۔
بیکٹ سگریٹ کے لئے رشوڈ ارلنگ شیریں فراہاد بھی اکھڑا ہے۔ اور اب....!
”اوکینے... اچھا ب میں دیکھوں گی۔“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ”تم مجھے نہ بتاؤ لیکن!—!
”پچھیں!...“ انور نے بات کاٹ دی۔ ”اس آدمی کے متعلق کچھ اور بھی بتاؤ۔“
”و تمہیں قتل کر دے گا۔“

”کفن تیار کرنا۔ میں تو مفلس ہو رہا ہوں۔“
”تم نہیں بتاؤ گے۔“ رشیدہ چھپی۔

”شايد رانا پر مود کے سیکریٹری کو ہم ہو گیا ہے کہ میں اسے بلیک میل کر رہا ہوں۔“
”کس بنا پر... شہنے کی وجہ۔ وہ خواہ خواہ کیوں سوچنے لگا ہے بلیک میلک کے متعلق۔“
”ہر آدمی کے ساتھ کچھ کمزوریاں ہیں جو اسے زندگی بھر خود کو چور محسوس کرنے پر مجبور
کرتی ہیں۔“

رشیدہ کی سوچ میں پڑگئی پھر بولی۔ ”کتنے دنوں کا فائیل دیکھنا پڑے گا مجھے۔“
”وقت مر بادنہ کرو۔ تمہیں اخبار میں کچھ بھی نہ ملے گا۔“
”جنم میں جاؤ۔“ رشیدہ نے کہا اور پیر پختی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔



سارجنٹ ہمید بار میں داخل ہوا۔ سارجنٹ ہنری فریدی کے خیال کے مطابق وہیں

گلی پندرہ منٹ بعد انور پھر کمرے میں داخل ہوا۔ مگر انداز ایسا ہی تھا جیسے رشیدہ کی
سے بے خبر ہو۔

”اوہر دیکھو....!“ رشیدہ دھماڑی۔

”دیکھے بغیر بھی تو کام چل سکتا ہے بکے جاؤ۔“ انور ذریںکش بیبل پر جھکا ہوا بولا

”رانا پر مود کا کیا قصہ ہے۔“

”پہلے تم اس نامعلوم آدمی کا حیلہ بتاؤ جو مجھے دھکیاں دے گیا ہے۔“

”وہ....!“ رشیدہ کی سوچ میں پڑگئی پھر بولی۔ ”کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“

”کیا کچھ میں نہیں آتا۔“

”اس کی شخصیت.... پتا نہیں کیا خاص بات تھی۔“

”مگر تھی ضرور.... مطلب یہ کہ خاص بات۔“

”میں نے ایسی گپڑیاں آج تک نہیں دیکھیں۔ لیکن وہ اس کی شخصیت سے ہم ازا

مولوم ہو رہی تھی۔ نیلے سوٹ میں تھا چیلکی ہوئی سی گپڑی جو کپٹیوں سے اتر کر آدمی کا نا
ڈھانکتی تھی۔“

”عمر!...!“

”شايد چالیس تک رہی ہو۔ میرا خیال ہے کہ کافی طاقتور آدمی تھا۔ بے حد اسارت۔“

”مروع ہو گئی تھی تم....!“

”میں کہتی ہوں کہ وہ بند کرو۔ رانا پر مود کے متعلق بتاؤ۔“

”رانا پر مود.... ریاست درگوری کا راجہ ہے۔ لیکن زیادہ تر یورپ میں رہتا ہے۔“

اس کا سیکریٹری دیکھ بھال کرتا ہے اور کچھ.... لیکن اسے دس سال سے کسی نے بھی نہیں دیکھا۔

”تو تم اسے بلیک میل کر رہے تھے۔“

”تم اپنا اخبار بہت عرصے سے روزانہ دیکھ رہی ہو۔ کوشش کرو کہ میرے کامیلوں نے

بلیک میلک کا کچھ مواد بھی دریافت ہو جائے۔“ انور کا لہجہ تلنگ تھا۔

موجود تھا۔ اس نے حمید کو دیکھ کر سر کو خفیف سی جبنت دی اور اس انداز میں مکرایا۔ میراد میں ہو۔

ان نے گلاں اٹھا کر ہونتوں سے لگایا اور ایک عین سانس میں صاف کر گیا۔

"اب بتاو۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"اب بتاو۔" حمید اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

"وایک ایک لڑکی ہے جس پر شعلی ضرور عاشق ہو جاتا۔"

"شعلی کے بچے میں کیا پوچھ رہا ہوں۔"

کہ سب سے بخوبی اور پر رعوب معلوم ہو۔ اس لئے کبھی کبھی مصکلہ خیز بھی بن جاتا تھا۔ پوری تحریک "میں سن رہا ہوں جو کچھ پوچھ رہے ہو۔ لیکن مجھ سے اس کی توقع نہ رکھو کہ قادر کے حکم پر خرچ کر دینے کے باوجود بھی وہ "بہت کم" پیتا تھا۔ نئے میں عموماً اسے چیزیاں آتے تو جیسیں کچھ بتا بھی دوں گا۔"

یہیں پہنچ کر ایک انگریز نے توڑ دیئے تھے۔

"ہالو.... ڈارلنگ۔" وہ ڈکرا کر بولا۔ "آو.... آو.... آج میں بہت اوس ہوں۔ میں "بو" کا نفرہ لگایا تھا۔"

ابھی.... وہ بھی نہیں آئی۔ ضرور آئے گی۔"

پھر اس نے بڑی بے تکلفی سے کری کھنچی اور بیٹھ گئی۔ غالباً یہ وہی لڑکی تھی جس کا تذکرہ

حمدی نے بیٹھ کر چاروں طرف اچھتی سی نظر ڈالی پھر یہ سر کی اس بوتل کو گھونٹ نے لاگو۔ زی کے کیا تھا۔ لیکن اس کی شکل دیکھتے ہی حمید کو بخار چڑھ آیا۔ سیاہ فام اور جیک رو تھی کھوئی نہیں گئی تھی۔

لی اسکرت میں اور نامیوں کے سے لجھ میں فراٹے سے انگریزی بھی بول سکتی تھی۔

"تم یہاں کب سے بیٹھ رہے ہو۔" حمید نے اس سے پوچھا۔

"جب سے آئے لینڈ نیجوں میں جکڑا گیا ہے۔" ہنری نے مختندی سانس لی۔ بیات ہو رہا ہے۔"

"او.... ڈفر۔ میں اس وقت سیاست سننے کے موڑ میں نہیں ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ کہنا۔" ہنری نے جھپٹے ہوئے انداز میں کچھ کہا تھا جس پر حمید دھیان نہ دے سکا کیونکہ وہ بھی

کب سے اور کیوں بیٹھ رہے ہو۔"

"تم کیوں آئے ہو اور کس نے بھیجا ہے۔" ہنری نے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالنے لگائے۔ "او.... یہ کون ہے۔" وہ تیزی سے حمید کی طرف مڑی۔

حمدی نے پیر کی بوتل اٹھائی اور کاگ اڑا کر گلاں میں انڈیا ہوا بولا۔ "لو.... پلے۔" "میں افغان ہاؤٹہ ہوں اور زیر ولینڈ سے آیا ہوں۔" حمید نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

لڑکی نے زور دار قہقهہ لگایا اور ہنری سے بولی۔ "اوہ ڈیز۔ تھہارے دوست بھی تھا ری شہنڈا کرو پھر دیکھیں گے۔"

"فادر کا خیال نہ ہوتا تو دیکھتا تھا میں۔" ہنری بڑ بڑا یا۔ وہ فریدی کو قادر ہی کہتا تھا کہ

شراب کے علاوہ دوسرے اخراجات بھی تو تھیں وہ فریدی کی جیب سے پورے ہوتے تھے۔

"بہت زیادہ۔" حمید کا لہجہ اب بھی تلتھ تھا۔ "اگر یہ سر کے مل کھڑا ہو سکتا ہے تو اس کے

کی دانست میں ہنری بہت کام کا آدمی تھا۔ لیکن یہ بات حمید کی سمجھ میں تو ابھی تک نہیں۔

"ست م کے مل ضرور کھڑے ہو سکیں گے۔"

"خوب خوب۔" لڑکی نے پھوہڑپن سے قہقہہ لگایا۔

”اچھا اب تم خاموش رہو۔“ ہنری نے آہتہ سے کہا۔ ”میں اس وقت بہرہوں۔ اس وقت مجھے انکل ہوپ یاد آ رہا ہے جن کی ٹانگیں سرڈگم بگم نے توڑ دی تھیں۔“ پھر تم نے اپنے چپا کا تذکرہ کیا۔ ”لوکی سنجیدہ ہو گئی۔“ کتنی بار کہہ دیا ہے کہ مجھے اور چپاؤں کے تذکرے سے وحشت ہوتی ہے۔“

”مگر ڈارلنگ تمہارے باپ تو بہت اچھے ہیں۔“

”میں نذرت چاہتا ہوں محترم۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ”جاؤ۔ جاؤ۔ دفع ہو جاؤ۔ کبھی کبھی تکلیف دہ ہو جاتے ہو۔“ ہنری نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”اس کی پرواہ نہیں۔“ ہنری نے گردن جھنک کر کہا پھر حمید سے بولا۔ ”ان گے بڑھ گیا۔ پوری بات سننے کی بھی زحمت نہیں گوارا کی۔“ ڈاکٹر ڈف بڑے شاندار آدمی ہیں۔ میری ان سے جان پیچان نہیں ہے۔ لیکن میں انہیں باہر سارجنٹ ریش ایک پرچہ اس کے حوالے کر کے دوسرا سڑک پر مر گیا۔ رائلنگ طرح جانتا ہوں۔۔۔ ریگی ڈارلنگ بھی ملا وٹا ان سے۔“

”کمال ہے۔۔۔!“ ریگی نے آنکھیں نکالیں۔ ”مجھے گولی نہ مار دیں گے تمہارے دیکھ کر۔ تم سفید فام ہو۔“ ”کہو تو ابھی سیاہ فام بنا کر رکھ دوں۔“ حمید ہنری کو گھوڑتا ہوا بولا۔ ہنری بیڑ کا دوسرا گلاس ختم کر کے رو مال سے ہونٹ خلک کر رہا تھا۔ ”ہائے میرے مظلوم چپا۔“ اس نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”یہ اگر یہ واقعی بڑے نور نام سے پہلے گھر نہیں بیٹھ گئے گا۔ یہ کام تم اطمینان سے کر سکو گے۔ میک اپ میں جاؤ تو ہیں مگر میں تو آرٹش ہوں ڈارلنگ۔۔۔!“

ریگی پھر نہیں دیریکٹ نہیں رہی اور بولی۔ ”وہ ہر سفید فام کو اگر یہ سمجھتے ہیں۔“ ”تب تو میری نظر سے آج تک کوئی ایسا اگر یہ نہیں گزرا جسے نُور کہا جائے۔“ جس کا تذکرہ فریدی کے خط میں ہے۔ ہنری غالباً یہاں اس بار میں اس لوکی کے لئے سمجھی صورت بنا کر بولا اور ریگی کی نہیں پھر اس اسارت ہو گئی۔۔۔ وہ نہنے بغیر ایک جملہ بھی ادا نہیں کر سکتی تھی۔ بات نہیں کی ہو یا نہ ہو۔ بعض اوقات تو نہیں کی وجہ سے بات۔۔۔ حمید نے آج سے پہلے کبھی کسی ڈاکٹر ڈف کا نام نہیں سنا تھا۔ بہر حال ڈاکٹر ڈف اس تا پہنچنے میں موجود نہیں ہے اور اس کی لوکی یہاں بار میں ہنری کے ساتھ اونہہ۔۔۔ حمید سمجھنے دیتی تھی۔

”ہنری ڈارلنگ۔“ دفتار حمید بولا۔ ”امید ہے کہ تم بالکل بخیر و عافیت ہو گے۔“ ”میر کو خیف کی جنیش دی اور قریب سے گزرنے والی ایک ٹانگی کے لئے ہاتھ اٹھا دیا۔“ عرصہ نک رہو۔۔۔ مگر عنقریب میرا ہارت فل ہونے والا ہے۔“



”وہ کون ہو سکتا ہے۔“

”مچھری کی وضع سے تو رانا پر مود کا سیکریٹری ہی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اس کی گمراہی تو آپ بھی باقاعدہ طور پر کر سکتے ہیں۔“

”رانا پر مود ہی کی طرح وہ بھی پُر اسرار ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کب اور کہاں قیام کرتا

ہے۔ دنوں میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ رانا پر مود کو کسی نے نہیں دیکھا اور سیکریٹری اکثر

مالی دینا ہے۔“

”کیس کی نوعیت کیا ہے جتاب۔“ انور نے پوچھا۔

”نی الحال اس پر روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔“ فریدی نے کہا اور دوسرا طرف سے سلسلہ

ٹھنڈھنے کی آواز آئی۔ انور نے طویل سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔

کرام رپورٹر انور نے فون پر انپکٹر فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔ ”دوسرا طرف ریسیور اٹھایا گیا۔

”اٹ از انور....!“

”میں....!“

انور نے صحیح کا واقعہ دھراتے ہوئے رانا پر مود کا حوالہ دیا اور پھر بولا۔ ”اب کیا کرنا۔“

”نی الحال خاموش رہو۔“ دوسرا طرف سے فریدی کی آواز آئی۔ ”اب کچھ ضرورت نہیں۔ ہاں اس کا حلیر۔“

”رشیدہ کا بیان کیا ہوا حلیر دھرا سکتا ہوں۔ میں اس سے نہیں ملا۔“

”غلطی کی تھی انور.... خیر.... بتاؤ۔“

انور اس اجنبی کا حلیر دھرا کر ایک پل کے لئے رکا اور پھر بولا۔ ”ان دو ہزار کا کیا۔“

”مجھے یقین ہے کہ عادت کے مطابق تم آج کل بھی مغلس ہی ہو گے۔“ فریدی کی آواز

”ظاہر ہے جتاب۔“

”بس تو پھر.... تم خود ہی ان دو ہزار کا مصرف دریافت کرلو گے۔“

”یعنی مطلب یہ کہ اجازت ہے نا۔“

”قطعاً....!“

”شکریہ۔“ انور نے طویل سانس لی۔

”مگر دیکھو۔ تمہیں اب خود کو بیک میلر ہی پوز کرنا ہے۔“ فریدی بولا۔

”قانون کی اجازت ہے۔“ انور کے لمحے میں جرحت تھی۔

”اس کیس میں قانون کا تھنڈا اسی طرح ہو سکے گا۔ ہاں رشیدہ سے کہو کہ اگر وہ اتنا بھائی ہی نہ آ دھملکے گا۔“

”روز روشن کی بات تھی۔ رات ہوتی تو گیٹ ہی کی طرف سے سی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا

پکھ سوچتا رہا پھر بائیں جانب چل پڑا کیونکہ اس جانب کے سرے پر دیوار میں کچھ ابھری ہوئی نظر آئی تھیں۔

پونکہ و اپسی کا سفر تھا اس لئے کسی قسم کی احتیاط کی بھی ضرورت نہیں محسوس ہوئی تھی۔ حتیٰ کا اہر ازہر دیکھنے کی زحمت بھی نہ گوارا کی گئی۔

پھر جیسے ہی پایاں پیر زمین پر ٹکا پشت سے آواز آئی۔ ”بہت اچھے۔“

جید بوکھلا کر مڑا۔ ایک مضبوط جسم کا سیاہ فام آدمی جھپٹ پڑنے کے سے انداز میں کھڑا ہے گورہ رہا تھا۔ صورت جانی پچانی سی معلوم ہو رہی تھی کہاں اور کب دیکھا تھا فوری طور پر یاد دیوار کی اوپرچاری کم از کم نہیں فٹ ضرور ہو گی۔ اس نے سوچا ممکن ہے بلندی پر ڈالا۔

دکھائی عیادے جائے۔ پھر کیا ہو گا۔

”اوہ نہ بکواس۔“ وہ گردن جھٹک کر بڑا ہوا۔ ”دیکھا جائے گا۔ میک اپ تو ہے چور چور کا شور ہی سکی۔“

پھر تین منٹ کے اندر ہی اندر وہ دیوار کے اوپر تھا۔ جھٹکتے دیوار سے تقریباً چار ذخیرے تھی۔ اس لئے یہاں بھی کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

چھت سے وہ ان زیوں تک پہنچا جن کا اختتام نخلی منزل کے ایک سلامانہ دروازے پر ہوا تھا۔

جید بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹا۔ پھر قبل اس کے وہ دوسرے ہملے کے لئے سنبھالتے ہو گئے۔ بھاگ نکلنے کے موقع اسی صورت میں ہاتھ آتے۔

جید بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹا۔ یہ ایسا ہی بچا تلاہات تھا کہ سیاہ فام آدمی لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔ سلاخوں دار دروازے میں ہاتھ لگانے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی۔ پھر ایک گوریلے پر نظر کیوں نہ پڑتی جو لگڑا تاہا ہوا اسی طرف چلا آ رہا تھا۔

سلاخیں پکڑ کر اس نے کھوپڑی میڑھی کی اور جید کو اس طرح گھورنے لگا جیسے کچھ کوشش کر رہا ہو۔

”سلاما لیکم۔“ جید اٹھے پاؤں چوتھے زینے پر کھلکھلتا ہوا بولا اور پھر اسے اپنا عاذ میں نظر آئی کہ یہاں سے لو دگیا رہا ہو جائے۔ پہنچیں اور کتنی بلاسیں عمارت میں اس کی نکتم۔

سلاخوں دار دروازہ مغلل نہ ہوتا تو شاید اس وقت اچھی خاصی درگت نہیں ہوئی۔

چھت پر پہنچا اور نہایت اطمینان سے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

پکھ سوچتا رہا پھر بائیں جانب چل پڑا کیونکہ اس جانب کے سرے پر دیوار میں کچھ آدمی آدمی اینٹیں باہر نکلی رہ گئی تھیں۔

اس جوڑ سے دوسری کوئی دیوار اٹھانے کا پروگرام شاملاً آئندہ پر ملتی کر دیا گیا۔

حید نے ایک بار پھر گردوپیش کا جائزہ لیا۔ دور دور تک کسی کا پتہ نہیں تھا۔

دیوار کی اوپرچاری کم از کم نہیں فٹ ضرور ہو گی۔ اس نے سوچا ممکن ہے بلندی پر ڈالا۔

دکھائی عیادے جائے۔ پھر کیا ہو گا۔

”اوہ نہ بکواس۔“ وہ گردن جھٹک کر بڑا ہوا۔ ”دیکھا جائے گا۔ میک اپ تو ہے چور چور کا شور ہی سکی۔“

پھر تین منٹ کے اندر ہی اندر وہ دیوار کے اوپر تھا۔ جھٹکتے دیوار سے تقریباً چار ذخیرے تھی۔ اس لئے یہاں بھی کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

چھت سے وہ ان زیوں تک پہنچا جن کا اختتام نخلی منزل کے ایک سلامانہ دروازے پر ہوا تھا۔

یک بیک اس نے ایک خوفناک قسم کی غراہست سنی اور اچھل کر دو تین زینے اور گیا۔ سلاخوں دار دروازے میں ہاتھ لگانے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی۔ پھر ایک گوریلے پر نظر کیوں نہ پڑتی جو لگڑا تاہا ہوا اسی طرف چلا آ رہا تھا۔

سلاخیں پکڑ کر اس نے کھوپڑی میڑھی کی اور جید کو اس طرح گھورنے لگا جیسے کچھ کوشش کر رہا ہو۔

”سلاما لیکم۔“ جید اٹھے پاؤں چوتھے زینے پر کھلکھلتا ہوا بولا اور پھر اسے اپنا عاذ میں نظر آئی کہ یہاں سے لو دگیا رہا ہو جائے۔ پہنچیں اور کتنی بلاسیں عمارت میں اس کی نکتم۔

سلاخوں دار دروازہ مغلل نہ ہوتا تو شاید اس وقت اچھی خاصی درگت نہیں ہوئی۔

چھت پر پہنچا اور نہایت اطمینان سے واپسی کا سفر شروع کر دیا۔

پھر مودل کالونی کی راہ لی۔ لیکن ڈاکٹر ڈف کے بیگلے سے دور ہی دور رہا۔ کالونی کے پوسٹ آفس کے قریب پہنچ کر رکا۔ وہ یہیں سے فریدی کو اطلاع اور بقیہ وقت کے لئے غائب ہو جانا چاہتا تھا کیونکہ ان دونوں وہ ایک انتہائی غصہ دار اور نکل لڑکی سے دوستی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پبلک کال بوقت خالی نظر آیا۔ حمید نے اندر داخل ہو کر چشمی بھی چڑھادی تاکہ باہر دروازہ کو لا نہ جاسکے۔ بوتحہ ساؤنڈ پروف فلم کا تھا۔ اس نے اس کا بھی خدش نہیں تھا کہ باہر سے آن لی جائے گی۔

فریدی کے نمبر ڈائیل کئے۔ دوسری طرف سے فوری طور پر جواب ملا۔ ”لیں سر....!“ حمید اور پری ہونٹ بھینچ کر بولا۔ ”پہلے پچا جان سے ملاقات ہوئی تھیں کی آؤ بھگلت کی تاب نہ لا کر بجا گناہ پڑا۔ چھت پر پہنچا۔ ٹھیریے سنئے جائیے۔ آخر آپ زندگی کے خواہاں کیوں ہو گئے ہیں۔ ایک بار جی کڑا کہہ دیجئے لگا دونوں کسی اندرھ کا میں چھلانگ۔ آگے اللہ مالک ہے۔ جی جی وہ پچا جان.... ہو سکتا ہے ان کا کوئی نام بھی ہو؟ میں صرف گوریلا کہہ سکتا ہوں۔ کم از کم چھٹ ضرور اونچا رہا ہو گا۔ رنگت بھوری تھی۔ جو سے زینے جس کرے میں ختم ہوئے میں وہیں تھا۔ زینوں کا دروازہ لو ہے کا ہے۔ سلاوا دار۔ خیریت یہی ہوئی کہ مقلع تھا درونہ یا تو میں ٹارزن کی شکل میں واپس ہوتا یا اس چیز صورت میں بنے تازہ گوشت کا لوہڑا کہتے ہیں۔“

”تو پھر تم نے عمارت کے دوسرے حصوں میں پہنچنے کی کوشش نہیں کی۔“ دوسری طرف سے، ”وازا آئی۔“

”اب کے لیتا ہوں۔“ حمید غرایا۔

”پچھے بھی نہ ہوا۔“

”لیکن ڈاکٹر ڈف سے ملاقات ہوئی تھی۔“

”گد! تب تو میرا خیال ہے کہ بہت کچھ ہوا ہے۔ صاحبزادے ذرا سمجھ گی۔“

”پورٹ دہراوے۔“

”دہرانی ہی پڑی۔ فریدی پوری رو داد سن لینے کے بعد بولا۔“ ”تمہارا خیال صحیح ہے۔ حلیہ کے مطابق وہ ڈاکٹر ڈف ہی ہو سکتا ہے۔ کام ختم... عیش کرو۔“

”شکریہ۔ مگر آپ سے اندازے کی غلطی کیسے ہوئی۔ آپ نے تو لکھا تھا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے۔“

”میں بھی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ موجود نہ ہونے کے باوجود بھی گھر ہی پر ہوتا ہے۔“ ”کیا بات ہوئی۔“

”جب وہ گھر پر تھاںی چاہتا ہے تو لڑکی سے کہہ دیتا ہے کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک گھر سے باہر رہے گا۔ اسی کے سامنے رخصت بھی ہو جاتا ہے۔ قتل کی دہری کنجیاں ہیں۔ ایک لڑکی کے پاس رہتی ہے اور دوسری ڈاکٹر کے پاس۔ لڑکی پابندیوں میں رکھی جاتی ہے۔ لہذا میدان صاف دیکھ کر اس کا بھاگ نکالتا تھیں ہو جاتا ہے۔ لیکن جس وقت ڈاکٹر اپنی واپسی کا تھیں کرتا ہے اس سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی وہ گھر پہنچ جاتی ہے۔“

”ڈاکٹر مقتول مکارا، میں کیسے داخل ہوں گا۔“ حمید نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ یہاں کوئی چور دروازہ بھی ہے جس کا علم ڈاکٹر کے علاوہ اور کسی کو نہیں۔“

”اچھا تو یہ ہری آپ ہی کی ہدایت پر اپنی مٹی پلید کر رہا ہے۔“

”بھی بھجو لو۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سلسلہ مقتضع

ہونے کی آواز آئی۔ حمید صرف منہ بنا کر رہ گیا۔ کیونکہ اب یہ قصہ اس کیلئے بھی دلچسپ ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ پھر رنگ کرے۔ لیکن خیال آیا ممکن ہے فریدی اس بار جھنگلا کر کوئی ایسی بات کہہ دے جو اس کا اپنا موز خراب کرنے کیلئے کافی ہو۔ دیے وہ دراصل ان انسانی اعضاء کے جعلیں معلوم کرنا چاہتا تھا جن کے رکھنے کی جگہ اسے ڈاکٹر ڈف کے بیگلے میں تلاش کرنی تھی۔

”لاحوال ولاقوة۔“ وہ برا سامنہ بنا کر بڑا بڑا اور دروازہ کھول کر بوتحہ سے باہر آ گیا۔

”بھلا کیا بات ہوئی۔ جناب والا یہ کیسے لکھ دیتے کہ خواہ خواہ کسی کے مکان میں گھنے کی

کوش کرو اور حاضری دے کر واپس چلے جاؤ۔ کوئی معقول وجہ بھی تو ہونی چاہئے اور یہ یہ جیرت اگئی تھی۔ انسانی اعضاء.... ہونہے.... یوں آلو بنا کر کام نکالتے ہیں۔

”میرے کوٹ میں تو دھکا لگا تھا۔ اب قہودہ ہوا سے اڑ کیوں رہا تھا۔ میں قہوں غا.... حمید نے ایک بار پھر نہ اس سامنہ بنایا اور وہاں سے چل پڑا۔ کچھ بھی ہو۔ ازانی اعین۔ ہلاہوا کیوں چل رہی تھی۔ نہیں بتاؤ۔“

والی بات بہانہ ہی سکی۔ لیکن معاملہ اہم ہی معلوم ہوتا تھا۔ ورنہ فریدی نے پچھلا ایک بڑا موڑ سائیکل سوار نے بے بیس سے چاروں طرف دپکھا اور پھر دیوزاد کی طرف منہ اٹھا لیبارڈی میں کیوں گزارا تھا۔

”اب میں کیا بولوں.... اچھا چلنے معاف کرو جیجے۔ غلطی ہوئی تھی۔“

پچھلے ماہ ہائی سرکل نائٹ کلب میں دیکھا تھا اور اس کے ایک دوست نے بتایا تھا کہ وہ پرہیز ”بعد میں معاف کر دوں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ میرے کوٹ میں دھکا کیوں لگا تھا۔“

ہاؤز میں رہتی ہے۔ غالباً راتا پر مود کی کوئی رشتہ دار ہے۔ بے حد غصہ در ہے۔ کسی کو منہلہ حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ دیوزاد بے چارا سائیکل سوار بڑی مصیبت میں پھنس گیا لگاتی۔ ہر قسم کی تفریحات میں تنہائی نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی کوئی عورت بھی ساتھ ہوتی ہے۔ میر دعٹا اس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”مسٹر آپ ہی سمجھائیے۔“

کسی مرد کے ساتھ کبھی نہیں دیکھی گئی۔ لڑکی حالانکہ دلی لباس میں رہتی تھی لیکن اس کے ”ابے کھڑا دار۔“ دیوزاد پھر گیا۔ ”کسی دوسرے کو بچ میں نہ ڈالو۔ چاہے وہ مسٹر ہو یو ریشن ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ زیادہ تر اردو میں گفتگو کرتی تھی اور گفتگو کے دوران کوشش ابھی نہیں۔

کرتی تھی کہ زبان سے انگریزی کا آدھا حافظہ بھی نہ نکلنے پائے۔ بڑے دلکش خدو خال والی تھی۔ ”ہاں..... یہ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ حمید نے سرہلا کہا اور نظر پچا کہ سائیکل سوار کو کھو ماری۔ اب دیوزاد بھی حمید کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا۔

”ٹھیک ہے تا بھائی صاحب۔“ اس نے دانت نکالے دو تین بار تیزی سے پلکنیں جھپکائیں حیرت انگیز واقع تھا۔ حمید حیرت سے آنکھیں چھاڑے کھڑا رہا کیونکہ ایسا منظر تو شاید افلاطی کی کسی داستان میں نظر آتا۔

”لاش اٹھوانے میں بڑی دشواری ہوتی۔“ حمید نے بڑی سمجھی گئی سے کہا۔

”ہاں میں..... لاش.... ارے باپ رے۔“ دیوزاد نے کہا۔ ہونٹوں پر زبان پھیری اور بے شک انداز میں منہ چلانے لگا۔ پھر بولا۔ ”آف فوہ.... میرا سرچکار رہا ہے۔“

سائیکل سوار نے حمید کا اشارہ پا کر میشین اشارت کر دی۔ لیکن دیوزاد نے مڑ کر اس کی لفڑ دیکھا نکل نہیں۔ پھر موڑ سائیکل آگے بھی بڑھ گئی۔

”میں کیا بتاؤں۔“ دبلے پتلے سوار نے بوکھلا کر کہا۔

”نہیں ضرور بتاؤ۔.... چڑھا دو یہ سالی عازی میری کھوپڑی پر۔“

مکاہرا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

”گاڑی کہاں ہے۔“

”وہ.... ادھر.... اس بلاک کے پچھے.... اُف فوہ.... میری آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔“
حمد اُسے اس کی گاڑی تک لا یا اور گاڑی دیکھ کر خود اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ یار ماریں تھی۔ تو یہ مینار نما گلبد کوئی متول آدمی ہے۔ اس نے سوچا۔

”سر پکڑا رہا ہے تو ڈرائیور کیسے کرو گے۔“ حمید نے پوچھا۔
”اللہ مالک ہے۔“ زیوزاد نے ٹھنڈی سائنس لی۔

”میں پہنچا دوں۔“

”بُر جرور.... بھائی صاحب.... الاقسم بڑے اچھے آدمی ہو۔ خدا کھش رکھ۔“
حمد اسٹریٹر گ کے سامنے جا بیٹھا اور دیوزاد بھی اگلی ہی سیٹ پر جم گیا۔

”کہاں چلوں۔“ حمید نے پوچھا۔

”کہیں بھی۔“ دیوزاد نے کراہ کر جواب دیا۔ پھر بولا۔ ”یار واکی میرا پیٹ پھٹ جانا۔“
کیا ہوتا۔“

”آن تیتی نکل پڑتیں۔“ حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”اُرے بآپ رے۔“ دیوزاد نے دونوں ہاتھوں سے پیٹ دبایا۔

”تم کیا کرتے ہو۔“ حمید نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”چھ نہیں.... جی گھبرا ہے سمجھ میں نہیں آتا کیا قروں....!“

”رہتے کہاں ہو۔“

”عاصم ولا میں۔“

”اوہ وہ خان بہادر عاصم....!“

”ہاں.... وہ میرے والد برجوار ہیں۔“

”اچھا... اچھا... مگر یار... خیر کچھ نہیں.... ہاں تو تمہیں عاصم ولا پہنچا دوں۔“

”نہیں.... میں گھرنہیں جانا چاہتا... جہاں دل چاہے پہنچا دو۔“

”تفصیل کی رہے گی۔“

”اُرے واہ....!“ دیوزاد اچھل پڑنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”بُر جرور....!“

”زیادہ تر کہاں بیٹھتے ہو۔“ حمید نے پوچھا۔

”اپنی مسکنی پر یا گاڑی میں۔“ بھولے پن سے جواب ملا۔ حمید نے سوچا۔ بدھو دی
لڑپ معلوم ہوتا ہے۔ خاصی تفتریخ رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ چھٹی لڑکی تاریخ کے سلسلے میں
ہی کسی طرح کار آمد ثابت ہو جائے۔

”کلبوں میں نہیں جاتے۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں پیارے بھائی۔“ دیوزاد نے ٹھنڈی سائنس لی۔ ”سب میرے باپ کو عامم
ماب کہتے ہیں۔ لیکن میں ظالم صاحب کہتا ہوں۔ اگر ان کا کوئی آدمی مجھے قسی ہوئی یا لکب
ہڈکھے لے تو جا کر اسی آگ لگائے گا.... ہائے اللہ میں کیا کروں۔“

”جس آدمی پر شہبہ ہو کہ یہ جا کر آگ لگائے گا مجھے بتا دینا۔ اُس سے پہلے ہی میں اس
لڑپی بنا دوں گا۔“

”قوں... تم کون ہو پیارے بھائی۔“ دیوزاد نے آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر پلکیں جھپکائیں۔

”میں فلم ڈائریکٹر ہوں۔“

”ہاں... نہیں۔“ دیوزاد حیرت سے چینا۔

”ہاں پیارے بھائی۔“

”اُسے تو وہ تم نے مس مادھوری کو قریب سے دیکھا ہو گا۔“

”ہاں پیارے بھائی.... وہ تو مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔“

”اُسے ہوش میں ہو یا نہیں۔“ دیوزاد نے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالیں۔

”کیوں پیارے بھائی۔“

”اُسے قوں کرنے لگی محبت.... ابی واہ.... کھوب رعنی۔ میں تو.... میں تو.... واہ وا۔“

”آخر کیوں؟ کیا تم اسے جانتے ہو۔“ حمید نے پوچھا۔

جنبر 28
بہرہال دوچار گھنٹوں ہی میں وہ ایک دوسرے کے یارِ غارِ معلوم ہونے لگے۔
دیوزاد کا نام قاسم تھا۔

ترپیا چھبیسے جب وہ آرکچو سے اٹھ رہے تھے حمید نے اس سے کہا۔ ”اب تو تمہارا چکر
نہیں ہو پا ہوگا۔ اپنے گھر جاؤ۔“

”ارے نہیں پیارے بھائی۔ اب وہاں لے چلو نا جہاں ماہوری آتی ہے۔“

دیوزاد نے ٹھنڈی سانس لی اور مسمی صورت بنا کر رہ گیا۔

”بولاونا..... شرمنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تم کہوتے میں اس سے تمہاری سفارش کر سکتا ہوں۔“

”ہائے پیارے بھائی جندگی بھرا احسان مانوں گا۔ مگر وہ آج کل کہاں آتی۔ لیکن دیکھو مجھے اپنی نئی فلم“

”بیان میں مخفتوں عرف قاتل کثار کے لئے ایک ہیروئن کی کیوں کیوں کی طلاق ہے۔ لڑکی میں نے پسند کر لی ہے“

”اب نہیں کرے گی۔ میں تم سے زیادہ خوبصورت تو نہیں ہوں۔“

”ارے..... جرور..... جرور..... پیارے بھائی۔“

”اچھا تو میں سات بجے چلیں گے۔“

”انتا پیارا دوست مجھے آج تک نہیں ملا تھا۔ وہ رے میرے مولا تو برا مہربان ہے۔“

”ارے وہ..... بھی تو ہے.... سب کچھ۔ میں تمہیں کرتل ناور کے نام سے ملاز
ام نے بے حد سرور کے عالم میں کہا۔
لوگوں سے۔“

اور حمید سوچ رہا تھا کہ بہترین تفریخ ہاتھ آئی ہے۔

”لڑکیاں..... ارے باپ رے..... ارے نہیں..... ہی ہی ہی۔“

”بیس دیکھ لیما..... میرا نام زیست ہے..... ڈاکٹر زیست..... وہ فلم دیکھی تھی نام نے آپ کی بیٹی
انسیں اس لئے خاصاً اندر ہیرا پھیل پکا تھا۔“

”نہیں دیکھی تھی۔“

”میں نے ڈائریکٹ کی تھی۔ پھر کبھی دیکھتا..... ہاں تو یہ ماہوری۔“

”ذائقی۔ کہنا کچھ چاہتا اور زبان سے کچھ نکلتا۔“

نائنگل کلب لے جانا چاہتا تھا مگر اس وقت جب تارا ہاں موجود ہوتی تھی۔



ابھی پانچ ہی بجے تھے۔ وہ سات سے پہلے نہیں آتی تھی..... اس دوران میں

ہوٹلوں میں چائے پی گئی۔ کہیں کہیں حمید کی جان پیجان والیاں بھی میں اور دیوزاد ان کے

اپنے مخصوص انداز میں مخلوط بھی ہوا۔ اس کا تعارف کرتل ناور ہی کے نام سے ہوتا رہا۔

جانے کیوں اسے اپنا یہ ممحک خیز نام بہت پسند آیا تھا۔“



بـ۔ بلد آواز میں بڑا رہا تھا۔ واه.... کیا بات ہوئی۔ شاندار وادھ.... عورتوں کی دم کے لئے
میر طرح کے زیارات بننے لگتے۔ اخبارات میں اس قسم کے اشتہارات نظر آتے۔ کبھی

کرامر پورٹ انور اپنی میر پر تھا تھا۔ کلب کے ڈائینگ ہال کی فضائیں دیکھنے سے بے اندیز کان پر بھی تشریف لا یے۔ آپ کی دم کی زینت کے سارے سامان مہیا ہیں۔ یا پھر دم اس نے کافی طلب کی اور کسی خیال میں ڈوبا ہوا ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا رہا۔ ان دونوں، باجے... نیل پاش کے ساتھ ہی ساتھ ٹیل پاش بھی ہلکا۔ فلاں لوشن استعمال کر کے دم کی شامیں عموماً ہائی سرکل کلب ہی میں گزار رہا تھا۔ میر جسے خاصی جان پیچان تھی اس لے انتی بچھے۔ دونوں کے رئی غلاف شادی بیانہ کا مسئلہ ہوتا تو طرفین پوچھتے صاحبوں کے بھی بھی چل جاتا تھا۔

کافی کی پیالی ختم کرتے ہی اس نے محبوس کیا جیسے اس کا سر چکرا رہا ہے۔ راپ ماجزا دے کے لئے۔ لڑکی کی دم دیکھتے ہی ناک بھوں چڑھائی۔ کچھ سوچتی رہیں اور عجیب قسم کے اوٹ پنائگ خیالات بھی اس کے ذہن میں چکرانے لگے۔ مثلاً اگر اس نے ایسے اللہ بس اتنی دم... ڈپنی فلاں کی بیوی کہہ رہی تھی کہ لڑکی گز سو اگر کی دم ہی رکھتی بھی ہوتی تو چلوں پہننے میں کتنی دشواری پیش آتی۔ دم سیمینی پڑتی۔ زیادہ بڑی ہوتی تو ہمیں ذرا دم دار چاہئے۔ دوسرا طرف کوئی ساس صاحبہ بھوکولا کارہی ہیں اری بالکل اسی طرح لپیٹنا پڑتا جیسے عورتیں سر پر جوڑا باندھتی ہیں۔ دفعتنا اس نے قریب ای بنت اٹھتے اٹھتے ذرا دم تو ہلا دیا کرو... دیکھ کتنا کوڑا، کچرا پھیلارہتا ہے آس پاس.... والد ہوئے ویٹر سے کہا۔ ”کیوں دوست! بالکل ایسا ہی لگتا ہے ناجیے چلوں کے نیچے کرپا۔ اب فرزنان حمید کی دم تھاے کر رہے ہیں پٹائی۔ کسی بے تکلف دوست نے راہ چلتے بے باندھ رکھی ہو۔“

”واقعی بڑی طرح چڑھنی ہے۔“ ایک نے دوسرے سے کہا۔ دوسرا صرف سر ہلا کر رہا
بـ۔ بـ۔ وہ بھی انور کو مضمون اندماز میں گھوڑے جا رہا ہے۔

”ہاں... بھی اور سنو... کوئی فکر مند ماں پڑوں سے کہہ رہی ہے۔ اے بہن دیکھو نہ
لئے کیا لوگ لگ گیا ہے میری بیٹی کو.... ماشاء اللہ کیسی گنجان دم تھی۔ اے تم نے تو دیکھا ہی

”بـ۔ سارے بال جھڑے جا رہے ہیں.... کوئی تیل چلیں ہی بتاؤ۔“

”یا کہیں کوئی ہنگامہ برپا نہ کرو دینا۔ چلو تمہیں گھر جھوڑ آئیں۔“

”گھر کون جائے گا... بیٹھو... واه.... اور سنو... دو دوست ملے۔“ انور نے کہا اور یک

پھر اس نے کھک جانے میں عافیت سمجھی۔ غالباً وہ یہی سمجھا تھا کہ زیادہ چڑھنی کیسے گھر نہیں ہو گیا۔ پتہ نہیں کیوں اس کا دل چاہتا تھا کہ اب میر پر کھڑا ہو کر زور زور سے چیننا

ٹوٹا کر دے۔ سراب بھی پکڑا رہا تھا۔

اے یعنی بے ڈھنگ خیالات انور کے ذہن میں کلباتے رہے اور وہ خواہ مخواہ نہ

آس پاس کے لوگ چونک چونک کر اسے دیکھتے رہے۔ پھر تو ذہن پر قابو پانی دشوار۔

ویٹر ہکا بکارہ گیا اور پھر بوکھلا کر بولا۔ ”میں صاحب۔“

”نہیں سمجھتے۔“ انور نے احتمالہ انداز میں تھقہ لے گایا۔ ”اچھا قریب آؤ۔“

ویٹر قریب آگیا اور انور اس کی کمر تھپتھا کر بولا۔ ”یہاں گھری۔“

”میں نہیں سمجھا جاتا۔“ ویٹر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”جہنم میں جاؤ۔ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے۔ اوگدھے میں دم کی بات کر رہا تھا۔“

”اچھا اچھا صاحب۔“ ویٹر جلدی سے بولا۔ ”میں ابھی حاضر ہوں۔“

پھر انہوں نے کھک جانے میں عافیت سمجھی۔ غالباً وہ یہی سمجھا تھا کہ زیادہ چڑھنی کیسے گھر نہیں ہو گیا۔

میر پر کافی کی ٹڑے کے علاوہ اور کیا تھا۔

ایے یعنی بے ڈھنگ خیالات انور کے ذہن میں کلباتے رہے اور وہ خواہ مخواہ نہ

آس پاس کے لوگ چونک چونک کر اسے دیکھتے رہے۔ پھر تو ذہن پر قابو پانی دشوار۔

طرف لپکے.... ان میں پرداائزر بھی تھا۔

”ارے بھئی بس لے جا رہے ہیں.... پہنچ نہیں کہاں پی آیا تھا۔“ ایک آنے

”سکی بات کرو رہے ہو۔“

”وہ جوہیں بیگم بیٹھی ہیں۔“

”اے تو تمہیں کیوں بُری لگ دی ہے۔ تم ایسے لجھے میں اس کے متعلق گفتگو کر رہے ہو

”بُل دشمنی ہو۔“

”جلن لگتی ہے۔ بُڑیاں سلگتی ہیں.... اب دیکھو.... اب دیکھو.... ماں نجات کی پڑیا۔“

”کیتیں بھی نہیں اٹھتی.... کا کھے مارتی ہیں.... شکل تو دیکھو جیسے پہاڑ اخالیا ہو۔“ ارے مر

”حید قاسم سے کہہ رہا تھا۔“ یار دیکھو.... پہنچ نہیں کیوں آج بھی تک نہیں آئی۔“ بُکھر لدیے..... ہاں نہیں تو۔“

”کھیر!!“ قاسم نے ٹھنڈی سائنس لی۔ ”اپنا مکدر عی سالا اونڈھا سیدھا ہے جب کوئی آگئی۔ کیا جانور ہاتھ لگا ہے۔ واہ....!“

”اوہ!!“ یک بیک وہ سُجیدہ نظر آنے لگا۔ ”اُور....!“ وہ آہستہ سے بُڑیا اور اس

آکھیں پھاڑنے لگا جیسے کسی انہوںی کا سامنا ہو گیا ہو۔ اور شرابی تو نہیں تھا اسے شراب

”جانے“ دُبڑے بھائی پھر سکی۔ آج میں خوش ہوں.... اُف فوہ۔ اتنا پیارا دُس تھی۔ پھر یہ کیا۔

”نوں آدمی قریب آگئے جو لاکھڑا تھے ہوئے انور کو سہارا دیئے غالباً لے جا رہے تھے۔“

”خدا کے لئے اتنی نہ پیا کرو پیارے۔“ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ ”قابوی نہیں رہتا

اپنے اپر۔ کتنی وہیات بات ہے۔“

”جید نے مظہر بانہ انداز میں پہلو بدلا۔ وہ سوچ رہا تھا ضروری نہیں کہ یہ شراب عی کا

.... انور کے دوست انگلیوں پر گئے جاسکتے تھے۔ لیکن دشمنوں کا شکار مشکل تھا۔ جیسے ہی وہ

”واڑے کے قریب پہنچ جید بھی اٹھ گیا۔“

”توواں... پیارے بھائی۔“ قاسم نے ٹوکا۔

”بُل ہو۔ میں بھی آیا۔“ حید نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ وہ لوگ صدر

سے اُزراج پہنچے تھے۔

کپڑاؤں میں کئی بیکسیاں موجود تھیں۔ حید نے انہیں ایک میں بیٹھتے دیکھا۔ کپڑاؤں میں

”ہائے!!“ کچھ در بعد اس نے لپک کر جلد کئے لجھے میں کہا۔ ”جرا انہیں تو دیکھو۔“

پرداائزر سے کہا اور انور ان کے درمیان لاکھڑا اتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔



”کیا بتاؤں.... میں نے چاہا تھا کہ آج یہ تمہیں اس سے بھی ملودیتا۔“

”جانے“ دُبڑے بھائی پھر سکی۔ آج میں خوش ہوں.... اُف فوہ۔ اتنا پیارا دُس تھی۔ پھر یہ کیا۔

”مگر تم نے اسے موڑ سا ٹکل سمیت اٹھا کیوں لیا تھا۔“

”ارے بُس یونہی.... وہ سالا سمجھا تھا کہ شاید میں اس سے کجور پڑتا ہوں۔“

”خدا کرے کہی کوئی گدھا تمہیں لات نہ مارے۔“

”مار کر تو دیکھے سالا۔“ قاسم بگڑ گیا۔

”یہی تو میں کہہ رہا ہوں.... ورنہ اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ اس سے بھی بڑے۔“

”دنیا میں موجود ہیں۔“

قاسم نے اکڑ کر چاروں طرف حقارت سے دیکھا اور پھر ایک ایسی لاکی کو گھوڑے

بے حد دلبی پتلی تھی۔

عماد اپنی بی کی بیکسیاں رکا کرتی تھیں۔ لہذا ان میں سے کسی کا حاصل کر لیا مسلکل نہ تھی۔ زندگی سے بکسر خالی۔ چہرہ دویران ہو کر رہ گیا تھا۔

قاسم کی گاڑی وہ اس طرح استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ فحتا انور کی موڑ سائکل دکھلائی۔ آنے والا اس کے قریب ہی رکا۔ لیکن انور کی حالت میں اب بھی کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ اور اس نے اطمینان کا سائز لیا۔

بھی جھک کر اکلی پتھرائی ہوئی آنکھوں کا جائزہ لیا۔ پھر تیزی سے ایک جانب پڑھ گیا۔

اب وہ دیوار سے لگے ہوئے سوچ بورڈ کے ایک پیش سوچ کا بٹن دبارہ ہاتھا۔

پڑھی لمحوں کے بعد کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ تمن آدمی اندر داخل ہوئے۔

ہے آنے والے نے کسی کو مخاطب کیا۔

”درادِ بھونج کارہ گیا۔ کیونکہ اس وقت وہ شوہر اپنی سرکل نارت کلب میں تھا اور نہ اپنے

”اوہ..... یہ کیا..... اس کی تو پلکیں سکن نہیں جھپک رہیں۔“ ایک نے کہا اور دوسرا نے

”لپاٹھیاں رکھ دیں۔“

انور بھونج کارہ گیا۔ کیونکہ اس وقت وہ شوہر اپنی سرکل نارت کلب میں تھا اور نہ اپنے میں.... یہ کسی رہائشی عمارت کا ہاں تھا۔ لیکن دروازے بند تھے۔ انور کو اپنے علاوہ آس پا کوئی نہ دکھائی دیا۔

پھر وہ اس آرام کری کا جائزہ لینے لگا جس پر پڑا ہوا تھا۔ بھولی بسری باٹھیا۔

لگیں۔ ہائی سرکل کلب کی کافی یاد آئی۔ اس کیفیت کی دھنڈلی سی پر چھائی میں یادداشت رینگنے لگی جو کافی پینے کے بعد طاری ہوئی تھی۔ وہ دونوں آدمی اسے میز سے اٹھا کر باہر رکھ کر رہا جاتا۔ ان کی طرف دیکھتا اور نہ پلکیں جھپکاتا۔

”کیا مصیبت ہے۔“ ایک بڑی بڑیا۔

”دیوار کے قریب کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔“ ”دواوں کا بکس لاو۔“

”یہ آواز انور کیلئے جانی پہچانی سی تھی۔ لیکن وہ اپنی پوزیشن میں تبدیلی کر کے اسے دیکھنے کی

چھپلی شام والی کیفیت بھی عجیب تھی۔ اس نے لاکھ کوشش کی تھی کہ خود کو تابو میں لیکن ناکام رہا تھا۔ محسوں کرتا رہا تھا کہ اس سے حماقتیں سرزد ہو رہی ہیں لیکن ذہن میں قوت نہیں رہ گئی تھی کہ وہ منطقی شعور کو خل دے سکتا۔

”تم اسے کافی میں کوئی ایسی چیز دی گئی تھی جو ذہن و جسم کو بیکار کر دیتی ہے۔“

انور کو ایسا محسوں ہو رہا تھا جیسے جو جو اب اس کی آنکھیں پتھرا ہی جائیں گی۔ تقریباً

”دھنک سے اس نے پلکیں نہیں جھپکائی تھیں۔“

انور نے مژکر دیکھنے کی رحمت نہیں گوارا کی۔

”وہ بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا۔ آنکھیں خلاء میں گھور رہی تھیں۔ پتھرائی۔“

یک بیک کوئی قریب آیا۔ پھر شاید اسی کے اشارے پر ہی کوئی دوسرا بھی آیا تھا۔

بابا خاور

”اُسکے باَسِ ہاتھ کی آستین اوپر چڑھاو۔“ یہ جانی پہچانی آواز تھی۔ لمحے میں گھنٹہ ہبھی کی آجھ آدمی کے سامنے فلسفہ بولا گیا ہو۔ آستین چڑھائی گئی اور انور نے بازو میں سوئی کی چیزوں محسوس کی لیکن اب بھی اسے چھپنے کے لئے کیا کرو۔“ بابا خاور نے ٹھنڈی سانس لی۔

ایذا میں اس شریف آدمی کے لئے کیا کرو۔“ یاداں میں رکھا اور وہ لوگ سوئی کی چیزوں کا رد عمل بھی نہ دیکھ سکے۔ مگر انور سوچا۔ کہاں کہاں اسے کیا کرنا چاہئے۔



”اب اسے ہوش میں آتا چاہئے۔“ اس نے پھر وہی جانی پہچانی سی آواز سنی۔

لیکن انور نے تہیہ کر لیا کہ ہوش میں آنے کے باوجود بھی ہوش کی باتیں نہیں کر سکتے۔ پچھلے دیر بعد اس کی چیزوں میں جیبش ہوئی۔ پچھلے جھپکیں۔۔۔ ہونٹ کپکپائے اور حلزونیں۔۔۔ ایک پھنسی پھنسی سی کراہ آزاد ہوئی۔

اب وہ انہیں بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ پہلے جس آدمی پر نظر پڑی وہی ہو سکتا تھا جس کیا اسے جانی پہچانی معلوم ہوتی تھی۔

”ایک جگہ گاڑی رکی تھی اور انور نے چیختا شروع کر دیا تھا۔ غالباً وہ دونوں آدمیوں کو نوجہ لوث بھی رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ گاڑی سے اتر آیا اور وہ دونوں بھی اتر کر اسے گھرنے اسے یاد آگیا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔۔۔ یہ وہی عجیب و غریب آدمی تھا جو۔۔۔ انور نے ان کے کپڑے پھاڑ دیئے تھے اور بالکل مجتوں کی طرح اچھل کو درہ رہا تھا۔ پھر قابل نظر ہونے کے باوجود بھی اوپنے طبقے میں بے حد مقبول تھا۔

بابا خاور۔۔۔ لمحے ہوئے بالوں اور بے ہنگم ڈاڑھی والا بدھل آدمی۔ ایسا معلوم ہے۔۔۔ بیبا خاور کے نام سے مشہور ہے۔۔۔“

جیسے اس کے سر اور جسم پر کبھی پانی نہ پڑا ہو۔ البتہ کپڑے بڑے سلیقے سے پہنچتا تھا۔۔۔ اعلیٰ قسم کے سوٹ نظر آتے اور بے داغ سفید قمیش جن میں عموماً سلوال ایڈ کے کار استعمال جاتے تھے۔

”ان دونوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ نئے میں ہے اور وہ اسے اس کے گھر پہنچانے لایا ہے۔۔۔ لیکن خاور نے کہا کہ وہ یقیناً اسے کوئی نقصان پہنچا میں گے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اس کے کانوں کی بناوٹ عجیب تھی۔ نہ جانے کیوں انہیں دیکھ کر بے ساختہ ہاتھیں لٹک کر پھر وہی سے ان کی نیتوں کا انداز لگا سکتا ہے۔۔۔ بہر حال یہ بات سنتے ہی وہ دونوں کان یاد آتے تھے۔۔۔

وہ خصوصیت سے عورتوں میں بے حد مقبول تھا۔ کیونکہ وہ انہیں ان کے مشتعل ہیں۔۔۔ جیسی میں یہ کہا پہنچ کر اپنے گھروں کو جائیں۔۔۔ لڑکوں نے اس پر اعتراض نہ کیا تھا۔۔۔

”تو خاور انور کو اپنے ساتھ لے گیا تھا لیکن کیسے؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”مجھے خود بھی حیرت ہے۔۔۔“ بابا خاور نے زرم لمحے میں پوچھا۔

”بھائیں۔۔۔!“ اور حلق چھاڑ کر دہڑا پھر چیل کی سی آواز نکالی۔۔۔ اور اس طرح میکھی اسے قابو میں کرنے سے قاصر رہے تھے۔۔۔

پر کہا ہے لیکن مجھ میں نہیں آتا کہ کیوں بن رہا ہے۔ اب تو یہ خطرے سے دور ہے مجھے
بڑے علم ہی نے اطلاع دی تھی کہ وہ دونوں اس کے دلخواہ ہیں۔“

”اگر یہ بات ہے پیارے۔“ فاختا انور رکتا ہوا بولا۔ ”تو مجھے ٹھیک ہی سمجھو۔ اب اور کیا
جاوں۔ خیال رکھنا۔ ممکن ہے اس دوران میں وہ اُسے وہاں سے بھی ہٹانے کی کوشش کریں
لہاڑے تھاڑا علم۔“

”ہاں....!“ خاور سنجیدہ نظر آنے لگا۔ پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحے ساکت
کمزور ہا پھر آنکھیں کھول کر مسکرا یا۔۔۔ گھنی مونچھوں کے درمیان ہونٹ عجیب انداز میں پھیلے
غز بجانے کیوں انور کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی سانپ نے پھن کاڑھ لیا ہو۔

”میرا علم۔“ وہ سانپ ہی کی طرح پھٹکا را۔ ”میرا علم کہتا ہے کہ تم مستقبل قریب میں
ہی الجھنوں کا شکار ہونے والے ہو۔ زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ مگر ایک ستارہ صرف
یہ ستارہ ایسا ہے جس سے تمہیں سہارا مل سکتا ہے۔“

”مجھے ضرور بتاؤ۔“

”کہیں نہیں! میں نظام قدرت میں خلل اندازی کا قاتل نہیں ہوں۔ تم اب جا سکتے ہو۔“

”چلو یہی بتا دو کہ وہ لاؤں کون تھے جو مجھے اس طرح لے جا رہے تھے۔“ انور نے کہا۔

”یہ بتانا بہت دشوار ہے۔ میں جادو گرو تھیں ہوں۔“

”چھا سیکی بتا دو کہ نئے شراب میں کیا دیا گیا تھا۔“

خاور نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور یہ بیک چوک پڑا۔ اب وہ متینرانہ انداز میں
آنکھیں چھاڑے انور کو گھور رہا تھا۔

”کیا کہا تم نے شراب....!“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”مجھ سے کو اس کرنے کی ضرورت نہیں
اُنکے۔ تم شراب نہیں پیتے۔ تمہیں شراب سے نفرت ہے۔“

”ہاں.... میں شرابی نہیں ہوں۔ پھر پاگل کیوں ہو گیا تھا۔“

”کی دوسرا مشروب میں تمہیں کوئی نشآور دوادی گئی تھی۔“

یہ بیک سامنے والا دروازہ زبردست جھٹکے کے ساتھ کھلا اور ایک سیاہ پوش اندر داخل

”وہ اسے کہاں لے گیا ہے۔“

”تھریٹن۔۔۔ کنکس لین میں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ اب تم اس وقت تک وہیں ٹھہر گے جب تک کہ میں نہ وہاں۔۔۔

”کیا یہ بھی کوئی اہم مسئلہ ہے۔“

”تم یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے اس واقعہ کی اطلاع کیوں دی ہے۔“

”مخفی اس لئے کہ انور شرابی نہیں ہے۔۔۔ کبھی تقریباً بھی نہیں پیتا۔“

”میرے لئے بھی کافی ہے۔۔۔ اگر اسے کسی نے پالائی تھی تو یقین کرو کہ اس کی زندگی

خطرے میں ہے۔۔۔ اس کے ہزاروں دن بھی اسی شہر میں ہوں گے۔“

حمدی نے سلسلہ مقطوع ہونے کی آواز سن کر خود بھی رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔



انور نے ہاں میں دوڑ لگانی شروع کر دی تھی۔ لیکن کسی کی طرف دھیان دیے بغیر!

علوم ہوتا قما جیسے وہ ان کی موجودگی سے بے خبر ہی ہو۔

خاور ہاں کے وسط میں کھڑا تھیرانہ انداز میں پلکیں جھپکا تا رہا۔ بقیہ چاروں آدمی گھنی:

جنود تھے۔۔۔

”میرے خیال سے یہ بن رہا ہے بابا۔“ ایک نے کہا۔

”خدا جانے۔“

”اپنے علم کے زور سے پڑے گا یے۔“

اس پر خاور نے قہقہہ لگایا۔ دیر تک ہشتار ہا پھر بولا۔ ”ہاں یہ کچھ بن رہا ہے۔۔۔“

ہوا جس کا چھرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ ہاتھ میں ٹائی گن تھی۔

”تم سب اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ نقاب پوش نے انہیں لکارا۔

”بُوڑھے ہوش میں آ جا۔۔۔ میری ٹوپیں شور بالکل نہیں چاتی۔ باہر کسی کو کافیں کا ان خبر نہ
پہنچیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔“
انور کے ہاتھ بھی اٹھ گئے۔ پھر اس نے دیکھا کہ خاور کے علاوہ سبھی نے اپنے ہاتھوں
اٹھادیے تھے۔

ازر نے دیکھا کہ نقاب پوش کے ہاتھ کا نپ رہے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ٹائی گن

ہنپیں سے چھوٹ گئی اور وہ جنین مار کر دیوار سے جانکا۔ خاور کے ساتھیوں نے آگے بڑھنا چاہا

”میں ایسکی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑا دینے کا عادی ہوں۔“ خاور نے انہیں ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مُھرہو میں ظالم نہیں ہوں جانے دو۔ میں دنیا میں اس لئے آیا ہوں
لار پروائی سے کہا۔

”کیا تم نے سنائیں۔“ نقاب پوش نے خاور کو لکارا۔
کرنف آنکھیں اور کان کھولتا رہوں۔ مجھے کوئی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“

پھر وہ نقاب پوش کی طرف مڑا۔

”اب بتاؤ۔۔۔ اب کیا خیال ہے۔“

نقاب پوش جو دیوار ہی سے لگا ہوا آہستہ آہستہ دروازے کی طرف کھکھ رہا تھا اچھل
۔۔۔ انور نے اس کی آنکھوں میں خوف کی جھلکیاں دیکھیں۔

”میری سنو۔“ خاور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم لوگوں نے روپے سے اس کا منہ بند کرنا چاہا
۔۔۔ انہیں پھر ایکیم کیوں بدل دی۔ اب اس پر تشدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟“

نقاب پوش ایک قدم پیچھے ہٹا اور اس انداز میں ادھر ادھر دیکھا جیسے خدشہ ہو کے اس
خاور راست روک کر کھڑا ہو گیا۔

”نہیں بیٹھ! میری موجودگی میں نہیں۔ میرا کام صرف ہدایت کرنا ہے۔ بھگوے اس
بجھت کے نیچے نہیں ہو سکتے۔“

انور کر ناسے گھورنے لگا۔۔۔ خاور پھر فٹ پڑا۔ ”کیوں۔۔۔ اب کیا تم بھی اپنے کرتب
نمٹنے کا ارادہ رکھتے ہو۔“

”نہیں۔۔۔!“ انور بڑی سعادت مندی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا
کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ وہ دراصل ایک (Sceptic) قسم کا آدمی تھا۔ اس نے جلد یعنی کسی
سرووب ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ اس آدمی کے متعلق پہلے بھی شبہات میں بتا

”تم کون ہو اور اس لڑکے کو کیوں پریشان کر رہے ہو۔“ خاور نے تحکما نہ لجھ میں پوچھا۔
”ہا۔۔۔۔“ نقاب پوش نے قہقہہ لگایا۔ ”میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔

بہر و پے! اچھا تم ہی بتاؤ کہ مجھے اس سے دشمنی کیوں ہو گئی ہے۔“
”میں تمہاری ہی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔“

”بکواس بند کرو۔ اپنے آدمیوں سے کہو کہ اس کی ٹائی سے اس کے ہاتھ باندھ دیں مگر
اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“
”تمہارے فرشتے بھی نہ لے جائیں گے مجھے غصہ نہ دلو۔“

”اچھا تو کیا وہ رقم میرے لئے جائز ہے جو میں نے ان سے وصول کی ہے۔“

”ہرگز نہیں..... میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔“ خاور نے کہا۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر

شائق ہے۔ لیکن اس وقت آخر سے ان حالات کا علم کیسے ہوا جن کا علم کسی چوتھے آدمی پر ہے۔

”زم آخ رخانیں بے نقاب کر کے پولیس کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے۔ تمہارا فرض ہے۔“

جو شخص تندذ پر اتر آنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ کسی کام من بند کرنے کے لئے دو ہزار کیلے زیپ بیل کر کے کھلی چھٹی دے رکھتا بھی جرم ہے۔“

بننا عمارت کے کسی گوشے سے ایک کریبہ سی چیخ ابھری اور خاور چونک پڑا۔

دفتار انور نے ایک طویل اگرائی لی۔ مسکرا کر خاور سے بولا۔ ”اچھا تو آپ میر

چند ابھنیں رفع کیجیے۔ یہ حقیقت ہے کہ آج مجھے ایک معقول رقم ملی تھی تاکہ میں کسی خاص زبان نہ کھلوں۔ پھر آخ رخانی لوگوں نے یہ طریقہ کیوں اختیار کیا۔“

”میں نے بھی اس سے یہی سوال کیا تھا۔“ خاور نے مسکرا کر جواب دیا۔

”لیکن وہ جواب دیئے بغیر یعنی نکل بھاگا۔“

”پھر بتاؤ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔“

”اس کا جواب آپ بخوبی دے سکیں گے۔“

”میں..... بھلا میں کیسے!“

”آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ آپ کو تو اس بات کا علم بھی تھا جس کا علم انبار میں کیا تھا۔“

”ہاں تم بہت چالاک ہو۔ مگر اچھے لڑکے بلیک میلنگ بُری چیز ہے۔“

”خدا کی پناہ۔“ انور نے تحریر لے جسے میں کہا۔ ”آپ تو تفصیل سے بھی واقف ہیں۔“

”بالکل....!“

”تو پھر اب بتائیے.... مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”خدا کی پناہ۔“ میں کیا بتا سکوں گا۔ تم مجرموں کے گروہ کو بلیک میں کر دیں۔“

”اگر کسی شریف آدمی پر دار کیا ہو تو میں ضرور کہتا کہ ایسا نہ کرو۔ مُرمی بات ہے۔“

”خدا بہتر جانتا ہے۔ میں کیا بتا سکوں گا۔ تم مجرموں کے گروہ کو بلیک میں کر دیں۔“

”کیوں کیا بات تھی۔“ خاور نے پوچھا۔

گور میلے کی دیوانگی

چند لمحے سکوت میں گزرے پھر خاور نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ ”دیکھو یہ کون چیخا تھا۔“

وہ چاروں تیزی سے باہر نکل گئے اور خاور پر سکون انداز میں انور کی طرف مڑا۔

”تم خطرات میں گھرے ہوئے ہو۔“ اس نے کہا۔

”مجھے پوری طرح احساس ہے۔“ انور نے اعتراض کر کوچکش دی۔

”میری دانست میں تم اس طرح محفوظ رہ سکو گے کہ ان لوگوں کو بلیک میل کرنے کی

بانے پولیس کی مدد کرو۔“

”آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔“ انور مسکرا کیا۔ ”اس لئے میرا خیال ہے کہ آپ ان کے

باہر سے بھی بخوبی واقف ہوں گے۔“

”میں کسی چیز سے واقف نہیں ہوں۔ لیکن یہ میرا کام نہیں ہے کہ دوسروں کے راز افشاء

نہ چاہوں۔ ورنہ رو حانی قتوں کے مالک تھانے داری کرتے نظر آتے۔“ خاور نے تھوڑا لگایا۔

اسنے میں اس کے چاروں آدمی واپس آگئے۔

”کیوں کیا بات تھی۔“ خاور نے پوچھا۔

زہریلا آدی

”چکھنہیں۔“ ایک بولا۔ ”پوری عمارت میں ہم چھآدمیوں کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں۔“ پنیر 28
”دھھرو۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس متبرک چھت کے نیچے جھگڑا نہیں ہو سکتا کیوں
بہنا کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔ خدا نے تمہیں ایک خاص مشن پر بھجا ہے۔ یہ بھی مجھے تسلیم ہے۔“

”ہاں..... تم لوگ دل اندازی سے باز رہو۔“ خاور نے اپنے آدمیوں سے غصیلے لمحے
دفتار ایک بند دروازے کی پشت سے کھڑک ہڑاہٹ کی آواز آئی۔ خاور چونک کرام“ نہ کہا۔

اس کے آدی بھی متوجہ ہو گئے تھے۔

”اپنی روحانی قتوں کو بروئے کار لاو۔“ دروازے کی پشت سے بھرائی ہوئی تھی۔

”آئی۔“ پہنچ لگاؤ کہ میں کون ہوں اور ابھی تم نے کس کی چیخ سنی تھی۔“

انور نے خاور کی آنکھوں میں سرایمگی کے آثار دیکھے۔ پھر وہ تیری سے اپنے آؤ۔ ابکر بائیں آنکھ دبائی اور حقارت آمیز انداز میں مسکراتا رہا۔ انور نے اسے ایسے کھلنڈرے کی طرف مڑا ہی تھا کہ آواز آئی۔ ”خبردار بیہاں سے کوئی جنتش بھی نہ کرے۔ ورنہ اس بارا“ میں کم ہی دیکھا تھا۔

شبude کام نہ آئے گا۔ پانچ لاٹیں فرش پر ترتیبی نظر آئیں گی۔“

خاور نے آنکھیں کھولیں اور انور نے محسوں کیا کہ وہ بڑی حد تک خود پر قابو پا چکا ہے۔

”تم کون ہو؟ سامنے آؤ۔“ خاور غرایا۔

”کیا میں ایک سرکاری آفیسر سے پوچھ سکتا ہوں کہ اس سے یہ غیر قانونی حرکت کیوں
ہے؟“

”روحانی قوت کام میں لاو۔“ ابھی مضمون کا تھا۔

انور کو اس کی آنکھوں میں پھر اضطراب کی لمبی نظر آئی۔

”اگر میں اپنی روحانی قوت کو کام میں لایا تو تم کو نکلے کے مجھے میں تبدیل ہو جائے گے۔“

خاور نے یہ جملہ تن کر کھا تھا لیکن آواز کا کھوکھلا بن انور سے نہ چھپ سکا۔

”دھھرو....! آواز آئی اور پھر دروازے پر زور دار ٹھوکر پڑی۔ دونوں پاٹ کھل گئے۔

انور بوكھلاہٹ میں لڑکھرایا۔ سامنے کھڑے ہوئے آدی نے فلت ہیٹ کا گوشہ اٹا۔

”خفرخ... میں یہ جسارت قابل معافی سمجھتا ہوں۔“ مخفی اس لئے کہ تم ایک لاائق آفیسر
ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔ یہ انپلکس فریدی تھا۔ اس کے ہوتنوں پر مجھ مسکراہٹ تھی۔

”تم کون ہو؟ اور میرے مکان میں بغیر اجازت کیوں داخل ہوئے۔“ خاور غرایا۔

”بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی کا لہجہ طریقہ تھا۔ ”اب بھی تمہاری روحانی قوت پیچانے سے قاصر رہی۔“

”تم سے ملک و قوم کو بہترے فائدے پہنچے ہیں۔“

”اور اس وقت میں نے تمہاری مشکل بھی آسان کر دی ہے۔“

”کیا مطلب...؟“ خاور چونک پڑا۔

”تم سبھی معلوم کرنا چاہتے ہوئا کہ اس بلک میلک کی پشت پر حقیقتاً کون ہے۔“ لو دیکھ لو۔

خاور کے آدمیوں نے آگے بڑھنا چاہا۔

”رسنہ و حرکت میرے ہی ایماء پر کی تھی۔“

”مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔“ خاور نے لاپرواں سے شانوں کو جتنیش دی۔ ”خاور نے سوالیہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھا۔ یہ کیوں جانا چاہوں گا۔ کیا مجھے معلوم نہیں تھا۔“

”ٹمک ہے۔ اسی لئے یہ ذرا سہ استیقظ کرنے کی ضرورت تھیں آئی تھی۔“ فریدی ہر بیک طرح تمہاری کلامیوں میں زیور ڈال سکوں۔“

”پہلے اسے کافی میں کوئی نشہ آور چیز دی گئی پھر دو آدمی اسے کلب سے نکالا۔ اچھا یہ بات ہے۔“ خاور نے آنکھیں نکالیں۔ ”اب تم دیکھنا حشر اپنا۔ بس جاؤ۔۔۔ راستے میں تم سے مذبھیں ہو گئی اور تمہاری روحانی قوت نے انہیں ہماگئے پر محجور کر دیا۔ ہم بے جا۔۔۔“

تمہاری روحانی قوت نے ایک نقاب پوش پیدا کیا۔ ”تماہرے ہیں یہاں قیام کرنے کی نیت سے نہیں آیا تھا۔ لیکن مجھے تم سے شکایت ضرور راستے میں تم سے مذبھیں ہو گئی اور تمہاری روحانی قوت نے انہیں ہماگئے پر محجور کر دیا۔ ہم بے جا۔۔۔“

”ٹمہروں۔“ خاور ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم شاید کسی غلط نہیں میں جتنا ہو۔ تم یہ سمجھتے ہو۔ ہم۔“

”نے اس کرام پورٹ کو مرعوب کرنے کے لئے یہ سب کچھ خود ہی کیا تھا۔“ ”کیا مطلب۔۔۔؟“

”لقط مرعوب پر مجھے اعتراض ہے۔“ فریدی مسکرا کیا۔ ”تمہیں مرعوب کرنے کے۔“ ”تم نے میرا شکری بھی ادا نہیں کیا۔“

”بلکہ اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے۔“ ”کس بات کا۔“

”اعتماد۔۔۔ میں نہیں سمجھا۔“ ”تمہیں انور پر بہت محنت کرنی پڑتی لیکن اس کے باوجود بھی تم اس سے کچھ نہ معلوم“

”اپنی روحانی قوت کو آواز دو سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔ خیر تمہاری آسانی۔“ ”لیکن کہکھ یہ بھی تھوڑی بہت روحانی قوتون کا مالک ہے۔ میں نے کہا کیوں نہ تمہیں بتا۔۔۔ تباہوں گا کہ۔۔۔“ فریدی خاموش ہو کر اسے گھوڑے لگا۔

”تم نے مجھ سے الجھ کراچھا نہیں کیا انسپکٹر۔“ خاور بھی اسے گھوڑتا ہوا بولا۔

”اس کی فکر تمہیں نہیں ہوئی چاہئے۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم اس سے معلوم کرنا چاہتے تھے جو اس کی معلومات کا باعث بنے ہیں۔ لیکن تمہیں علم ہے کہ انور۔۔۔“

”بات معلوم کر لینا آسان نہیں۔ خواہ تشدد ہی کیوں نہ بروئے کار لایا جائے۔“

”پھر کہوں گا کہ تمہیں غلط نہیں ہوئی ہے۔“ خاور پس پڑا۔

”بکواس بند کرو۔“ فریدی نے خشک لبھے میں کہا۔

”مجھے غصہ مت دلاو لارکے۔“ خاور کا موڑ پھر بگز گیا۔

”میں تمہیں اس حد تک غصہ دلانے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ تم پاگل ہو جاؤ۔“

”حد ہو گئی۔۔۔ حد ہو گئی۔“ خاور کا ایک ساتھی مٹھیاں بھیجن کر بولا۔ ”بابا حکم دیجئے۔“

”ہے جیسے وہ خود پر قابو پانے کے لئے ٹھہر رہا ہو۔ پھر دفعتاً وہ رکا اور فریدی کو چند لمحے

گھورتے رہنے کے بعد بولا۔ ”اس شہر میں بہترے ایسے آدمی ملیں گے جو مجھے نزدیکی نے اسے فرش پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”اب کی دوسری بارا کو آواز دو۔ اس کی تو ہیں... تم بھی انہی میں سے ایک ہو۔“

”میں ان میں سے نہیں ہوں۔“ دفعتاً انور نے عصیلی آواز میں کہا۔ وہ فریدی کیون ”خدا کی پناہ۔“ خاور تحریر انداز میں بولا۔ ”تم نے یہ فہرست کیا سے سمجھا۔“

نزدیکی کچھ کہے بغیر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ انور نے اس کو اسی دروازے سے نظر دو سے گھور رہا تھا۔

”ابھی میں نے اس پر غور ہی نہیں کیا کہ تمہارے سلسلے میں مجھے کیا کرنا ہے۔“ زیرین دیکھا جس سے کچھ دیر پہلے لفکن کی کوشش کی تھی۔

نے لاپرواں سے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔ انور نے اس کے ساتھ چلے جانے والی بڑاں کے قدموں کی آوازیں بھی سنائیں میں گم ہو گئیں۔

”خدا اس کے حال پر حرم کرے۔“ خاور نے بھرا کی آواز میں کہا۔ ”متقبل بے حد نہیں کی۔“

فریدی نے جیسے ہی دروازے میں قدم رکھا کوئی چیز اوپر سے اس پر گری اور دو ایم بک نظر آ رہا ہے۔“

چیچھے ہٹ آیا۔ سیاہ رنگ کا سانپ اس کے شانوں سے پھسل کر فرش پر آ گرا تھا۔ وہ پھر ”نہیں بابا... رحم کیجئے۔“ انور گڑ گڑایا۔ ”وہ صرف خدی آدمی ہیں۔ دل کے بڑے نہیں۔“ اس پر پکا۔

”چلے جاؤ۔“ خاور حلق چھاڑ کر دھاڑا۔ ”تم سب فراہ ہو۔ تمہاری نیت بھی مجھ پر روشن باڑا۔“

”بہت اچھے۔“ فریدی نے تھوڑے لگایا۔

”رحم کیجئے خاور صاحب۔“ انور بھرا کی آواز میں بولا۔

”یہ بات بھی سو فیسا دی درست ہے۔“ انور نے سر ہلا کر کہا۔ ”میری کبھی کسی بداری سے میں کچھ نہیں جانتا۔“ خاور نے لانپرواں سے شانوں کو جبنت دی۔ ”خدا ہی میرا ناٹک رہی۔ لیکن آپ۔ یقین کیجئے کہ میں ذل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔ مجھ پر بھی رحم نہیں برداشت کر سکتا۔“

خاور نے اس کے چہرے پر نظر جاتے ہوئے پلکن جھپکا کیں۔ انور آہستہ آہستہ آگے سانپ بدستور پھن انھا انھا کر فریدی پر حملے کر رہا تھا۔ لیکن ابھی تک فریدی محفوظ رہا۔

”آپ اس سے کیوں الجھ رہے ہیں جلدی سے باہر نکل جائیے۔“ انور نے جھنجڑا کر لے۔

”ایسے کھلی مجھے پسند ہیں فرزند۔“ فریدی نے جواب دیا۔ وہ اب کھٹوں کے مل ہوا سانپ کے وار خالی دے رہا تھا۔

”خود خاور بھی آنکھیں چھاڑے اُسے دیکھتا رہا۔“ دفعتاً فریدی نے سانپ کی آنکھ لکھا دیا۔ اتنی تیزی سے کردہ پلٹ بھی نہ سکا اور اب فریدی سیدھا کھڑا نظر آیا۔ سانپ کو ضرر کچھ کر کی طرح اس کے ہاتھ میں لٹکا ہوا تھا۔ اس کی زبان اب بھی بار بار مند آرٹی تھی لیکن وہ اپنے جسم کو جبنت نہیں دے سکتا تھا۔

”اوٹاٹ کر چار قدم پیچھے ہٹا اور موڈب کھڑا رہا۔“

”لیکن کہنا چاہتے ہو۔“

”نئے وحیدہ بانو سے عشق ہو گیا ہے۔ لیکن دولت کی دیوار ہمارے درمیان حائل ہے۔“

”جیدا بانو کوں ہے۔“

”نواب تو قیر الزماں کی لڑکی۔“

”تو پھر تم کیا چاہتے ہو۔“

”شادی مگر میں مغلس ہوں....؟“

پہنچے، وہ کمل بھیک کر اٹھا۔ اتنی رات گئے کون آیا ہے؟ وہ دل ہی دل میں بیج دتا کھاتا
بکرے سے راہداری میں آ گیا۔ سونچ آن کر کے بلب روشن کیا۔ جلدی میں سلپینگ گاؤں
بلماں بھول گیا تھا۔

خادر نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسی طرح کھڑا رہا پھر آنکھیں کھول کر بولا۔ ”تم مدد دروازہ کھولتے ہی ایک یو ہین پر نظر پڑی۔ شاید آنے والے نے خود ہی برآمدے ہو گئے ہو۔ اس چکر میں نہ پڑو۔ اس لڑکی کے ستارے تمہارے ستاروں سے مطابقت ایک روشن کیا تھا۔

رکھتے۔ اگر شادی ہو گئی تو تمہیں کتوں کی موت مرنا پڑے گا۔“

ڈاکٹر ڈف نے مُرا سامنہ بنایا۔ لیکن قبل اس کے کہ کچھ کہتا یورپین نے اپنا کارڈ اس کی
ان پڑھا گیا۔

”میں سب کچھ بھگنے کو تیار ہوں۔“

”میں حق تلفیوں کا ذریعہ بننا پسند نہیں کرتا۔“ خادر نے خنک لبھ میں کہا۔
”ہنری واگن.....سی آئی بی۔“ ڈاکٹر نے بلند آواز میں کارڈ پڑھا پھر متبرانہ لبھ میں
”اہ! پھر.....میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔“

”میں اس لڑکی کی حق تلفی کی بات کر رہا ہوں جس نے تمہارے لئے خود کو برپا کر لیا۔“ سارِ جنت ہنری نے کہا۔ ”آپ نے کوئی رپورٹ درج کرائی تھی۔“
جس کی رگوں میں ایک مطلق العنان بادشاہ کا خون دوڑ رہا ہے جو.....!“ خادر خاموش ہو گیا۔
”اہ... مگر اب ہوش آیا ہے آپ لوگوں کو۔ دو بجے رات کو... یہ بھی کوئی وقت ہے۔“
”بہت مناسب وقت ہے ڈاکٹر۔“ ہنری بولا۔

”وہ صرف میری دوست ہے۔“

”شادیاں بھی دشمنوں سے نہیں ہوتیں۔“

”نہیں یہ ناممکن ہے۔ اس سے شادی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

”پھر تم ساری زندگی کنوارے ہی رہو گے۔ تمہارے ستارے صرف اسی کے تھے۔“

”میں.....دنیا کی واحد لڑکی یا اسی سے شادی ہو گی یا پھر کسی سے بھی نہیں ہو سکے گی۔“

”دو اونچہ کھلا ہوا ہے۔ خیال رکھنا۔“ ڈاکٹر غرایا۔

”اچھا صاحب۔“ جواب ملا۔

”کھنک کی آواز ہی نے شاید ریگی کو بھی جگا دیا تھا۔ ہنری نے اسے راہداری میں کھڑے۔“

”کھنک کی آواز ہی میں بھی یہ محسوں کیا کر ریگی اسے دیکھ کر کسی قدر بدھوں نظر آئے گی۔“

”اوہ نوں ڈرائیکٹ روم میں داخل ہوئے اور ڈاکٹر نے پلٹ کر ریگی سے کہا۔“ بے بی۔

”وہاں..... تم کیوں اٹھ گئی ہو۔“ پھر ہنری سے بولا۔

”بیخ مرد...!“



ڈاکٹر ڈف جاگ پڑا۔ کوئی باہر سے گھنٹی بجا رہا تھا۔ کلاک نے ٹھیک ایک دن

”اپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔“ ڈاکٹر نے جملے ہوئے لمحے میں کہا اور دیوار سے لگے
کلاں کی طرف دیکھنے لگا جو سادو بجارتا تھا۔
”بھی کہ آپ ذرا اس آدمی کو شناخت کر لیں.... جسے آپ نے مارا بیٹھا۔“
”وہ مجھے کہاں ملے گا۔“

”میرے پاس تصویر موجود ہے۔ اگر وہی ہوا تو...!“

”جلدی سمجھے۔ سوادونچ رہے ہیں۔ میں شب بیدار یوں کا عادی نہیں ہوں۔“
ہنری نے ہمید کی وہی میک اپ والی تصویر نکالی جس میں اس نے گوریلے سے ملاقات کی تھی۔
”بھی ہے!“ ڈاکٹر بیساخ تھا بولا۔ ” بلاشبہ ہی ہے۔ میری یادداشت وہ کہا نہیں دے سکتی۔“
”تب پھر یہی وہ شخص ہے جس نے آپ کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی۔“
”میری رپورٹ سے پہلے۔“
”تمی ہاں۔“

”اس کی تصویر کہاں سے ملی آپ کو۔“ ڈاکٹر کے لمحے سے بے اعتباری متریخ تھی۔
”آپ کی رپورٹ پہنچنے پر اسے پھر طلب کیا گیا تھا۔ الجہادینے والی بات تھی۔ اس لئے
کیا علمی میں یہ تصویر کھیچنی گئی تاکہ اسے سامنے لائے بغیر ہی شناخت ہو سکے۔“
”میرا خیال ہے کہ میرے خلاف کوئی بڑی سازش کی جا رہی ہے۔“
”کس پر شہر ہے آپ کو...؟“

”فی الحال میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ ڈاکٹر تصویر کو گھورتا ہوا بولا۔ ”لیکن یہ آدمی میرے
لطفی طور پر بھی ہے۔ اس واقعہ سے پہلے میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔“
”کھل جائیے ڈاکٹر ورنہ...!“
”کیا مطلب...!“ ڈاکٹر پھر اسے گھورنے لگا۔

” بتائیے کہ اس سے آپ کا جگہ کس بات پر ہوا تھا۔“
”کیا آپ میری رپورٹ پڑھ چکے ہیں۔“ ڈاکٹر اپری ہونٹ بھیخت کر بولا۔

”ہنری کہتے ہیں مجھے۔“ ہنری بیٹھتا ہوا بولا۔
ریگی اندر نہیں آئی تھی۔ ہنری نے اطمینان کا سانس لیا۔ غالباً وہ نہیں چاہتا تھا کہ
ایک دوسرے سے اپنی جان پیچان ظاہر کریں۔

”ہاں.... اتنی رات گئے۔“ ڈاکٹر ڈاف اب سے گھورتا ہوا بولا۔

”ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں ڈاکٹر۔“ ہنری نے لجاجت سے کہا۔ ”لیکن ایک ڈاف
آپڑی ہے۔“
”کسی دشواری۔“

”آپ نے ایک نامعلوم آدمی کے خلاف رپورٹ درج کرائی تھی کہ وہ آپ کے
میں گھساتھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی ایک رپورٹ آپ کے خلاف بھی آگئی تھی۔ یہ ایکا
آدمی کی رپورٹ ہے جو خرگوش پکڑتا ہے اس کا بیان ہے کہ وہ آپ کے مکان کی پڑ
جہاڑیوں میں خرگوش تلاش کر رہا تھا کہ آپ نے اسے خواہ جوہا للاکار کر مارا بیٹھا ہے۔“

”یہ بکواس ہے۔“ ڈاکٹر ڈاف میز پر ہاتھ مار کر دھماز۔

”ڈاکٹر خدا کے لئے سنجیدگی سے گفتگو سمجھے۔“ ہنری نرم لمحے میں بولا۔ ”وہ بھی کہا
گزرا آدمی نہیں ہے۔ دولت مند ہے۔ خرگوش کی کھالیں ایکسپورٹ کرتا ہے۔ ڈاکٹر خ
رگوشوں کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے.... آخر اسے کیا سوچی تھی کہ وہ آپ کی چھت
چڑھا۔ سوچنے تو کے یقین آئے گا اس پر۔“

”تو میں جھوٹا ہوں؟“ ڈاکٹر ڈاف نے آنکھیں نکالیں۔

”میں یہ نہیں کہتا ڈاکٹر۔ سوچ بھی نہیں سکتا۔ حالانکہ مجھے علم ہے کہ آپ سفید
والے سے بے تباش نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی مجھے آپ سے ہمدردی ہے آپ سے
حشرات الارض یہاں اور کون ہے۔“

”آپ یہ کیا جانیں کہ مجھے سفید چڑی والوں سے نفرت ہے۔“

”میرا تعلق سی آئی بی سے ہے ڈاکٹر۔“

"جی ہاں.... اچھی طرح۔"

"پھر کیا اس میں جھگڑے کی وجہ درج نہیں ہے۔"

"آپ نہیں سمجھتے۔ میرا مطلب آج کے جھگڑے سے نہیں۔"

"ہوں...!" ڈاکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے آنکھیں نکالیں۔ "میں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں آپ غالباً یہی کہنا چاہتے ہیں کہ ہماری پرانی جان پچاپاں تھی۔ اچاک ناچاٹی ہو گئی پھر ایک بھگڑا ہو گیا اور ہم دونوں بالکل اجتنیوں کی طرح ایک دوسرے کے خلاف کیس لے دوڑے۔"

"شکریہ ڈاکٹر.... میں یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"دونخ کر میں منٹ ہو گئے۔" ڈاکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ "اب آپ جاسکتے ہیں۔"

"اگر وہ واقعی آپ کے لئے اجنبی تھا تو...!" ہنری نے بھی اٹھتے ہوئے تشویش کن لبے میں کہا۔ "تو آپ یقیناً بڑی الجھنوں میں مبتلا ہونے والے ہیں۔"

"کیوں؟"

"وہ دولت مند ضرور ہے لیکن.... لیکن... شاید آپ تصور بھی نہ کر سکیں کہ کتنا خطراں کا آدمی ہے۔"

"بیٹھ جائیے۔" ڈاکٹر ڈف نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "مجھے اس کے متعلق بتائیے۔"

"بہت بار سونا آدمی ہے۔ ایک شریف بدمعاش۔ قانون ٹھنکی کا ماہر۔ ایسا کہ قانون گز ڈاکٹر کو دھکیلتا جا رہا تھا۔ بڑی خوفناک قسم کی غراہیں اس کے حلق سے نکل رہی تھیں۔ ابھی تک اسے گرفت میں لینے سے معدود رہا ہے۔"

"لیکن ایسے کسی آدمی کو مجھ سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔"

"اس پر تو آپ ہی روشنی ڈال سکیں گے۔ ذہن پر زور دیجئے۔"

"یقین کرو دوست وہ میرے لئے قطعی اجنبی تھا۔"

"اچھی بات ہے۔ اگر آپ وعدہ کریں ڈاکٹر..... کہ آئندہ یورپیوں سے نفرت نہیں کریں۔ لیکن بھی زیادہ عزیز ہے۔"

گے تو میں....!"

"تو تم کیا کرو گے میرے لئے۔"

"بہت غور کر کے کوئی قدم اٹھایا جائے گا۔ بہر حال میں آپ کی ہر ممکن مدد کے لئے ہم ہوں۔"

"ذیلی.... ذیلی....!" یک بیک رنگی کی چینیں سنائی دیں۔

ڈاکٹر ڈف اٹھ کر دروازے کی طرف چھپا۔ رنگی کی آواز راہداری ہی سے آئی تھی۔

نری جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا پھر یک بیک کی گوریلے کی غراہیت سنائی دی۔ اور ڈاکٹر بھی چینخے "مسٹر... مسٹر آفیسر... پلیز... دوڑو...!"

ہری بہتطمینان سے اٹھا۔ انداز میں وحشت یا بیساخٹی نہیں تھی۔ ہنریوں پر مسکراہت می نظر آئی۔

"آفیسر... آفیسر...!" ڈاکٹر کی چینچ پھر سنائی دی۔ اس بار ہنری نے بھی خواہ خواہ اپنے لئے متعدد قسم کی آوازیں نکالیں اور آواز کی طرف سر پرست دوڑتا چلا گیا۔ غالباً یہ بھی یہ لگ تھی۔ لیکن کیا مجال کہ بناوٹ کا شہر بھی ہو جاتا۔

پھر ہوئے گوریلے نے ایک ہاتھ پر بیٹھے ہو ش رنگی کو سنجھاں رکھا تھا اور دوسرے ہاتھ کا

"بچاؤ... آفیسر... میری بچی کو بچاؤ۔"

"ہٹو... ہٹ جاؤ پروفیسر۔ سامنے سے ہٹ جاؤ۔" ہنری ریوالور نکالتا ہوا چینا۔

"مم... مم... نہیں گولی مت مارنا..... شاید... اوہ... میرے خدا... فیض فیضم...!"

"پاگل ہوئے ہو ڈاکٹر ہٹو... ورنہ میں تمہیں بھی گولی مار دوں گا۔ کیا تمہیں یہ فیضم اس

گے تو میں....!"

گوئیلے نے ہنری کو دیکھا اور پھر شاید اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر ہی رنگی کو پہنچ

بنجال دیا۔

”فینم فینم....!“ ڈاکٹر ڈف پھر دھاڑا۔ لیکن گوریلا اتنی دیر میں ہنری پر بچپت چکانے پے درپے چار فائر ہوئے۔

”آفیر... آفیر... پاگل سمجھتے... یہ کیا کیا تم نے۔“ ڈاکٹر نے دیوار نہ وار ایک بھر کے کاندھے پر رسید کر دیا۔ گوریلا ڈھیر ہو چکا تھا۔ اس کی غرائیں سکیوں میں تبدیل ہوتی جا رہی تھیں اور فرش پر خون پھیل رہا تھا۔

”میں پاگل ہوں یا تم....!“ ہنری ڈاکٹر کو دھکا دیتا ہوا غرایا۔ ”ہوش کی دوا کرو۔ ورنہ جھکڑیاں ڈال کر گھینٹا ہو اے جاؤں گا۔“

کئی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں راہداری میں ستائی دیں اور پھر چوکیاں دکھل دیا۔ دو ملازم بھی اس کے ساتھ تھے جنہیں شاید وہ شاگرد پیشے سے سوتے سے اٹھا لایا تھا۔ اس کی نیند میں ڈوبی ہوئی وحشت زدہ آنکھیں بھی کھسکھی تھیں۔

ڈاکٹر دیوار سے ٹکا جیرت سے آنکھیں بچاڑے دم توڑتے ہوئے گوریلے کو دیکھ رہا تھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکھتے ہو گیا ہو۔ ریگی جس حال میں پڑی تھی پڑی رہی ڈاکٹر کی توجہ اس کی جانب مبذول نہ ہو سکی۔ نوکر دم بخود کھڑے تھے۔

”مجھے جیرت ہے ڈاکٹر۔“ ہنری نے قبرستان کا سناٹا توڑا۔

ڈاکٹر ڈف نے چوک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر بے ہوش ریگی کی طرف مڑ گیا۔ لمحے اکا، پر جھکا رہا پھر سیدھے کھڑا ہو کر بولا۔ ”اس گوریلے کو میں نے اس وقت پالا تھا جب صرف چھ دا زنا کا تھا۔ تم نے بہت بُرا کیا۔ بہت بُرا۔ مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ خود اُسے کیا تھا.... اس پر دیوالگی کیوں سوار ہو گئی تھی۔ میرے خدا۔“

ڈاکٹر نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ وہ حقیقتاً بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔



کار میں کوبرا

اپنے وقت کا حیرت انگیز ترین آدمی بڑے دلاؤ دینہ انداز میں مسکرا رہا تھا اور سارجنٹ جمیں نے اپنے بیمار کا تھا جیسے تن من دھن سے قربان ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

سارجنٹ ہنری کی آنکھوں سے صرف عقیدت جھاٹک رہی تھی۔

”مگر مجھے کیوں اندر ہرے میں رکھا جاتا ہے سرکار۔“ جمیں نے کہا۔

”صلحتی....!“ فریدی کا مختصر سا جواب تھا۔ اس نے سگار لگایا۔ دو تین ہلکے کش لئے اور بولا۔ ”اس تدبیر سے ہنری کے لئے دروازہ بھی کھل گیا اور تمہارے لئے بیٹگل کی عقبی دیوار نے نظوظ ہو گئی۔“

”مگر گوریلا پاگل کیسے ہو گیا تھا۔“

”شکر قند....!“

”لاحوال ولا قوہ....!“ جمیں نے جلا کر دونوں ہاتھ زانوں پر مارے اور فریدی نہیں پڑا۔ رنجیدگی سے بولا۔ ”رات کو گوریلا عموماً چھٹت ہی پر رہتا تھا۔ بہترین محاذ۔ اس سے توہر الیں بیچھا چھڑانا ہی تھا۔ ایک شکر قند کافی ہوئی تھی اس کے لئے۔“

”اوہ تو آپ نے شکر قند میں کسی قسم کا زبرہ انجکٹ کیا تھا۔“

”ہاں.... اور پھر وہ چھٹت پر پھینک دی گئی تھی۔ پھر ہنری اسی وقت عمارت میں داخل ہوا ناچب مجھے لیکیں ہو گیا تھا کہ گوریلا شکر قند ہضم کر چکا ہو گا۔ ڈاکٹر کی حیرت حق بجانب تھی۔ یہکہ وہ گوریلا گھر کے افراد کے لئے بالکل بے ضرر تھا۔“

”تو وہ زہر تھا۔“ جمیں نے مخفی سانس لی۔ ”میں سمجھا تھا شاید کم بخت کسی فٹ پا تھی انکا نقری کی گولیاں جیا گیا تھا۔ مگر مہریے.... آخر آپ گوریلے کے بیچھے کیوں پڑ گئے تھے۔“

”اُس کی موجودگی میں اپنا کام جاری نہ رکھ سکتا۔“

”کیا کچھ دہاں آپ کو انسانی اعضاء کی تلاش ہے۔“

”یہ حقیقت ہے۔“

”لیکن ٹھہریے تو... کیا جرم ہے۔“

”بعض حالات میں... میں جانتا ہوں کہ وہ ایک سائنسٹ ہے.... ماہر حشرات الافریقی ہے۔ اگر اس کے بیہاں انسانی اعضاء پائے جاتے....!“

ایک نوکر طشتی میں کسی کاوزینگ کارڈ لئے داخل ہوا اور بات جہاں کی تہاں رہ گئی۔ فریدی نے کارڈ لے کر دیکھا اور جیب میں رکھ لیا۔

”تم دونوں بیٹیں ٹھہرو۔ اس کمرے سے باہر قدم نکالنے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی انہیں ہوابولا۔

پھر وہ ڈائینگ روم میں آیا۔ بیہاں انور اس کا منتظر تھا۔

”میں یہو... یہو...!“ فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

”میں بھی بھجن میں ہوں۔“

”کون... فریدی صوف کے ہتھ سے نکالتا ہو امکرایا۔“

”خاور... میری سمجھ سے باہر ہے۔“

”فی الحال میں بھی اسے زیادہ نہیں سمجھ سکا۔“

”اس کے علاوہ بھی ایک بھجن ہے۔“

”کہتے چلو۔“ فریدی نے بھجا ہوا سگار سلاکا کر کہا۔

”آپ نے رانا پرمود کے متعلق جو کچھ بھی کہا تھا خود کو سامنے لائے بغیر کہا تھا۔“ اسکے آدمیوں کو متوجہ کرنے کیلئے مجھے بلیک میلر بننا پڑا تھا۔ پھر آپ یہک سامنے کیوں آگئے۔

”صرف اسی حد تک کہ پس پردا رہنا مناسب تھا جب تک خاور روشنی میں نہ آ جانا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”رانا پرمود سے زیادہ مجھے خاور کی فکر تھی۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ بھی۔“

معاملات سے دچپی لیتا ہے یا نہیں۔ اتفاقاً وہ جلد ہی روشنی میں آگیا۔ ورنہ میری ایکم تو طویل

”میں کہیں نہ کہیں اسے سامنے آتا ہی پڑتا۔“

”سبھی گیا۔ لیکن شاید ابھی تک اس کی پوزیشن آپ کے ذہن میں واضح نہیں ہو سکی۔“

”یہ حقیقت ہے۔“

”کچھ بھی ہو۔ لیکن اب وہ لوگ ہوشیار ہو گئے ہیں۔ آپ نے سامنے آ کر...!“

”پرواہ مت کرو۔“ فریدی نے شانوں کو جنبش دی۔ ”میں جانتا ہوں کہ میں نے اپنے

ایک طرح کے خطرات مول لئے ہیں۔ لیکن ان کے بغیر کام بھی تو نہ چلتا۔“

”آپ کے لئے خطرات...!“

”ہاں کسی وقت بھی سپرمنڈنٹ مجھے طلب کر کے پھنکا رکتا ہے۔“

”کیوں؟“

”خاور بہت مقبول آدمی ہے۔ میں نے بھزوں کے چھتے میں چھپا رکھا ہے۔ ہمارے الگ پی

”اُن اسکھ صاحب بھی اس کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔“

”لیکن میری اطلاعات کے مطابق یہ کیس آپ کو اسکھتے ہی سے ملا ہے۔“

”خوب! بہت اچھے جارہے ہو۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”اب میرے مجھے کی اطلاعات بھی تم

لکھاتی آسانی سے پہنچنے لگی ہیں۔“

”ذرہ نوزاںی ہے آپ کی۔“ انور ڈھٹائی سے مسکرا یا۔

”خیر... ہاں تو یہ کیس مجھے مسٹر اسکھتے ہی سے ملا تھا۔ لیکن ان کے فرشتوں کو بھی شاید علم

نہ کر کہ ان معاملات سے خاور بھی کسی قدر سروکار رکھتا ہے۔ اب دیکھو ہاں اس نے خود کو اس

ٹالے سے الگ رکھنے کے لئے کتنا شاذ اور ڈرامہ ایشج کیا تھا۔ دو ہزار تمہیں مل چکے تھے۔ لیکن

نشاطیمان نہیں تھا کہ تم روپوں سے سیدھے رہ سکو۔ یہی خیال تشدد کے متعلق بھی رہا ہو گا۔

”خاور کی ایکم بروئے کار لائی گئی۔ یق کہنا کیا تم اسکی حرکات سے متاثر نہیں ہوئے تھے۔“

”بے تعاشر ہوا تھا۔“

”پھر تاؤ... کیا تم آہستہ آہستہ اس کے سامنے سب کچھ اگل نہ دیتے۔ وہ دراصل یہ معلوم

کرنا چاہتا تھا کہ تمہیں اس بلیک میلنگ اسٹاف کا علم کن ذراائع سے ہوا تھا۔“
”لیکن آخر یہ راتا پر مود کیا بلا ہے۔ میں نے ساہے کو اسے دیکھا۔“
”وسال۔“ فریدی نے تھیانہ انداز میں کہا۔ ”یہاں تمہاری اطلاعات کے ذراائع ہیں آتے ہیں۔ ارے اسے کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ وہ انگلینڈ میں پیدا ہوا تھا اور وہیں رہ گا تو اونہوں تو پھر ریاست کا کاروبار کیسے چلتا ہے۔“
”ایک اگر یہ مقتضم ہے اور راتا پر مود کا پراسرار سکریٹری۔ خود راتا مستقل طور پر پورپ کے کسی ملک میں مقیم ہے۔“

”اتنا معلوم ہو جانے کے باوجود بھی میں کچھ نہیں سمجھا۔“

”فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔“ فریدی مسکرا یا۔

”کیا... پرنس تارا کی بھی گندانی ہو رہی ہے۔“

”یہ کون ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”زانی... پر مود کی بھتیجی... پر مود ہاؤز ہی میں رہتی ہے۔ میں نے اکثر حمید کو اس کے پاس منڈلاتے دیکھا ہے۔“

”خوبصورت ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”پر مود کے چھوٹے بھائی نے کسی یورپیں عورت سے شادی کی تھی۔ اس کی اولاد خاصی دلکش...!“

”یہ بڑی اچھی خبر سنائی تم نے۔“ فریدی نے کہا اور سگار کے دو تین طویل کش لے کر انہیں تھی جو آپ نے میرے کالم کے لئے عطا فرمائی تھی۔ خود اس خبر کی تصدیق ہی کرنے والیں تک قاصر ہا ہوں۔ پر مود ہاؤز کے آس پاس پائے جانے والے خارش زدہ کتوں کے پہنچ گھوکرڈاں ہے لیکن...!“

فریدی نے ہلاکا سا قہقہہ لگایا اور ہاتھ ہلاکر بولا۔ ”جاو... جاو... پھر بتاؤں گا۔“ لیکن یہ نہ سمجھو کر وہ اس سے مطمئن ہو گیا ہو گا۔ لیکن وہ تمہارے لئے خطرناک نہیں۔ ”اب ایک راز کی بات بتائی دوں۔ میں کچھی رات خود کو ہرگز ظاہر نہ کرتا۔“ لیکن بظاہر کسی کے لئے بھی نہیں۔ تمہیں وہ صرف ایک مہرہ سمجھتا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ نہ ہواں کا کیا نتیجہ ہوتا؟ تمہری وجہاں اڑ جاتیں۔۔۔ بے حد خطرناک لوگ ہیں۔ تمہارا منہ

نمبر 28
بلیک میلنگ میں زبردستی گھسے رہو۔“

”بھی ایکم ہے میری..... لیکن وہ دو ہزار....!“

”بیٹھ کرو... میری طرف سے اجازت ہے۔“

”وہ تو نہیک ہے لیکن بلیک میلنگ کی رقم۔“ نہیں گواراہ نہیں کرتا اور آپ یقین کیجھ کہ میں

آج تک انپٹر آصف کے علاوہ اور کسی کو بھی بلیک میلنگ میں نہیں کیا۔ وہ بھی ضرور تھا۔ جب اس

یاں میں میرے خلاف کیڑے کلباتے ہیں تو انہیں خاموش کرنا ہی پڑتا ہے۔“

”تمہاری مرضی۔“

”لیکن میں آج کل بے حد مفلسی کی زندگی گزار رہا ہوں۔“

”شام تک تمہیں ایک ہزار کا چیک مل جائے گا۔ ادھر ہو... نہیں خیر... اس وقت نہیں

کے ساتھ ہی تمہیں ہدایات بھی مل جائیں گی۔ بس اب جاؤ۔ آج کل بے حد مشغول ہوں۔“

اور بھی اٹھ گیا۔

”بلیں ایک بات اور...“ وہ پھر بول پڑا۔

”اُوں ہونہے... بولو بھی۔ تم تو کان کھا جاتے ہو۔“ فریدی بُرا سامنہ بن کر بولا۔

”کام ہی بات ہے۔ بتا دیجھے۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔“

”معلومات حاصل کرنے کے ماہر ہونا کوشش کر ڈالو۔“

”نہیں میرے بس سے باہر ہے۔“ اور جلدی سے بولا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر

نہیں تھی جو آپ نے میرے کالم کے لئے عطا فرمائی تھی۔ خود اس خبر کی تصدیق ہی کرنے

والیں تک قاصر ہا ہوں۔ پر مود ہاؤز کے آس پاس پائے جانے والے خارش زدہ کتوں کے

پہنچ گھوکرڈاں ہے لیکن...!“

فریدی نے ہلاکا سا قہقہہ لگایا اور ہاتھ ہلاکر بولا۔ ”جاو... جاو... پھر بتاؤں گا۔“ لیکن

”یہ نہ سمجھو کر وہ اس سے مطمئن ہو گیا ہو گا۔ لیکن وہ تمہارے لئے خطرناک نہیں۔“

”بظاہر کسی کے لئے بھی نہیں۔ تمہیں وہ صرف ایک مہرہ سمجھتا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ نہ ہواں کا کیا نتیجہ ہوتا؟ تمہری وجہاں اڑ جاتیں۔۔۔ بے حد خطرناک لوگ ہیں۔ تمہارا منہ

”آپ کی واپسی کے بعد میں نے آپ کو بُرا بھلا کہا تھا۔“

”یہ نہ سمجھو کر وہ اس سے مطمئن ہو گیا ہو گا۔ لیکن وہ تمہارے لئے خطرناک نہیں۔“

”بظاہر کسی کے لئے بھی نہیں۔ تمہیں وہ صرف ایک مہرہ سمجھتا ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ نہ ہواں کا کیا نتیجہ ہوتا؟ تمہری وجہاں اڑ جاتیں۔۔۔ بے حد خطرناک لوگ ہیں۔ تمہارا منہ

بند کرنے کے لئے بالآخر بے خبری میں پشت پر تجھ مارتے۔ یہ معاملہ ایسا ہی اہم تھا۔ اپنے
سوظ ہو۔ انہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ میں نے تمہیں اصل بات ہرگز نہ بتائی ہو گی۔“

انور نے طویل سائنس لی اور کھوپری سہلاتا ہواڑا لنگ روم سے باہر نکل آیا۔

فلیٹ تک پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہیں صرف ہوئے۔ لیکن یہاں دوسرا بھو
موجود تھی۔ رشیدہ.... انور کو اس کے سامنے اشارا کا فائل نظر آیا۔ تقریباً پچھلے تین ماہ کے مدار
ڈھیر رہے ہوں گے۔

وہ اُسی کے فلیٹ میں تھی۔ انور نے چاہا کہ اُسے نظر انداز کرتا ہوا دوسرے کمرے میں
جائے۔ لیکن رشیدہ بڑی پھر تی سے اٹھی اور دروازے میں حائل ہو گئی۔
”بدحوابی اچھی نہیں۔“ انور نے آنکھیں دکھائیں۔

”اس سے کام نہیں چلے گا۔“ رشیدہ نے اُسے سامنے والی کرسی میں وکھل دیا۔
انور بیٹھ تو گیا لیکن ایسے انداز میں اُسے گھوٹاتا رہا جیسے دوسرا مرحلہ تھپٹر ہی تو ہو گا۔“
انداز و دار کر رشیدہ کے گالوں پر پانچوں انگلیاں بن جائیں گی۔

”مجھے ابھی تک ایک ایسی خبر کے علاوہ اور پچھلے نہیں مل سکا جس میں پرمود ہاؤز کا ذکر
آیا ہو۔ خبر چونکا دینے والی ہے لیکن اہم نہیں۔“

”ہوں.... پڑھنا تو ذرا۔“ یک بیک نہ جانے کیوں انور نرم پڑ گیا۔

رشیدہ نے وہ شمارہ کھینچا جس سے اُسے خبر پڑھنی تھی۔

”دارالگومت ۱۳ نومبر..... پچھلی رات مشہور عمارت پرمود ہاؤز کے قریب ایک ایسا جگہ
واقع پیش آیا جس کی مثال شاید جرائم کی پوری تاریخ میں نہ مل سکے۔ ہوا یہ کہ ایک سوتا
نے کسی بات پر خفا ہو کر اپنے جوان بھائی کے دونوں کان اکھاڑ لئے۔ آس پاس کے ملا
میں سننی پھیل گئی۔ پولیس مفردہ بہن کی تلاش میں ہے۔ اسافر پورٹر۔“

رشیدہ خاموش ہو گئی اور انور بھی خاموشی سے سگریٹ پیتا رہا۔
”یہ کیا بکواس تھی۔“ اس نے کچھ دیر بعد انور کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”پرمود ہاؤز کے

بھی اس قسم کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ میں نے ابھی فون پر اس علاقے کے تھانے کے
نامے سے گفتگو کی تھی۔“

”تم پاگل ہو جاؤ گی۔“ انور نے خنک لبجھ میں کہا۔ ”میں بہت پریشان ہوں اس لئے
کہ تم پاگل ہو جاؤ گی بلکہ اس لئے کہ اب کوئی صورت نہیں ہری کامیابی کی۔“
”کیا کوئی اس کر رہے ہو۔“

”ویجہہ بانو۔“ انور نے ٹھنڈی سائنس لی۔ ”نہیں لا حول ولا قوۃ کیا بک رہا ہوں۔ بھلا
حال دل سنانے سے فائدہ۔ ہوں.... کیا تم پرنسپرستار سے دوستی کر سکو گی۔“
”میں کسی پرنسپرستار سے والتف نہیں ہوں۔“

”رانا پرمود کی بھتیجی.... پرمود ہاؤز میں رہتی ہے۔“

”اچھا.... وہ یوریشین لڑکی.... مگر....“ رشیدہ خاموش ہو کر اُسے گھوڑنے لگی۔
پھر جھلا کر بولی۔ ”اب میں سمجھ گئی۔ یہ چکر ہے۔ اس لڑکی کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا
ہاں وہ بہت خوبصورت ہے۔“

”اس کی ماں اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔“

”میں چاننا مادر دوں گی۔“ رشیدہ غرائی۔ ”یاد رکھو اگر تم کبھی اتر، کے ساتھ دکھائی دیئے تو
ہم اُنکوئی نہ ہو گا۔“

”اس کے ساتھ نہ دکھائی دوں تب بھی تم سے بُرا کوئی اور آج تک میری نظر سے نہیں
ہے۔“ انور نے کہا اور امشٹرے میں سگریٹ کا جلتا ہوا سر ارگز نے لگا۔

پھر یک بیک اس نے رشیدہ کے بال مٹھیوں میں جکڑ لئے۔
”گفتخت ہوتی جائے گی۔“ وہ دانت پر دانت جما کر بولا۔ ”اتی کہ تمہاری کھوپڑی
سکا پچلا کان جائے۔“

گفتخت کچھ گفتخت ہو گئی تھی لیکن رشیدہ نے تکلیف کی پرواہ کئے بغیر دو تین کے اس
ہمہ پر اسید کر دیئے۔

وفتا باہر سے کسی نے گھنٹی بجائی۔ انور اچھل کر پیچے ہٹ گیا اور رشیدہ مہارا منہ زدہ نہیں جائے۔
ہوئے اپنے بال درست کرنے لگی۔

”آؤ... آؤ... مری بان پیارے بھائی۔“ وہ پر مسرت لبھ میں بولا۔ ”باٹھو... باٹھو...“

تل کہاں گائب ہونٹے تھے۔

”وزوال الد صاحب س گئے تھے۔“ حمید بیٹھتا ہوا بولا۔

”ہائے!“ قاسم کرایا۔ ”تم رے بھی والد صاحب ہوتا ہے۔“

”کوئی... کیا تمہارے خیز عا۔“ حمید نے حرمت سے پوچھا۔

”میرے تو بہت جیادہ ہے۔“ قاسم نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ”کھیر چھوڑو۔ اور کوئی بات قرو۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”قیامیں سمجھے۔“

”زیادہ والی بات۔“

”نہ سمجھو... بھی اچھا ہے۔“ قاسم نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ”خدا کسی رغبی کو بھی باپ ملیں۔“

”ہائے!... ہائے!... کیا تم نشے میں ہو۔“ حمید نے حرمت سے کہا۔ ”اس وقت تمہاری اچھے موڑ میں تھا۔ اچھے موڑ میں تھا اس لئے شام ہوتے ہی ”ہائی سرکل“ کی کیوں نہ سوچتی۔“

لبات بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔“

لیکن گند نما مینار پر نظر پڑتے ہی روح فنا ہو گئی۔ وہ اس کے متعلق سب کچھ بھول گئے۔ ”اے ہٹاؤ۔“ قاسم یک بیک جھلا گیا۔ ”میں تھا ہوں... یہ سالا باپ داپ کہاں سے تھا۔“

پچھلی شام کی بات دوسرا تھی۔ اس وقت تو وہ دن بھر کی کوفت دور کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس نے گھر چین نہ باہر چین۔ ٹھینگے پر ہوتم اور تمہارے والد صاحب اسے ایسا محسوں ہوا جیسے یہ بدھو پہاڑ ساجم رکھنے کے باوجود بھی کسی جو نک ہی کا جعلانی نہیں۔“

”اے... اے...“

”تھنہیں۔“ قاسم ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”اور توئی بات کرو۔“

”تمہاری پیدائش کیسے ہوتی ہو گی۔“

چونک کر اسے گھومنے لگے۔ لیکن وہ احمقانہ انداز میں مسکرا مسکرا کر ہاتھ ہلانا ہی رہا۔ ”آخاہ...“ وہ بھی حمید کو دیکھتے ہی ماخول سے بے پرواہ ہو کر دھاڑا اور بہترے لئے جید کو اس بے ہودگی پر بڑا تاؤ آیا۔ مگر پھر عافیت اسی میں نظر آئی کہ اسی کی میز کا۔

”اے واہ۔“ قاسم فس پڑا۔ ”میرے لہذا کی تباہ ہے کہ میں ٹیاؤں ٹیاؤں روتا تھا۔“

کرے۔ کیا ٹھیک۔ احمد تو احمد۔ اب کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کر خود حمید ہی کا رکھا فنا کرنے لگا۔ اسے اب سوچ کر شرم آتی ہے۔“

گھنٹی پھر بجی اور انور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔



بابر بٹ کی ساری..... یہ شیخ ہے چلو چلو۔“
وہ دونوں بھی باہر نکلے اور اس کی ساتھی لڑکی ایک کار میں بیٹھے بچی تھیں۔ وہ دونوں بھی شید میں آئے۔ حمید نے اشیزرنگ خود میں سنبھالا۔۔۔ تعاقب شروع ہو گیا۔
دونوں غالباً بینا گردہ ہوٹل کی طرف جا رہی تھیں جو شہر سے باہر ایک پروفیشنل مقام پر واقع تھا۔
”ساری والی جورو۔ ارے بھائی صاحب۔ قیا کھیال ہے۔“ قاسم ”ہی ہی“ کرتا ہوا بولا۔
”ناموش رہو۔ اس وقت میں آرٹ کی دنیا میں کھویا ہوا ہوں۔“ حمید نے کہا اور پھر نیزی سے بریک لگانے پڑے۔۔۔ ورنہ وہ لا کیوں کی کار سے گمراہی گئی ہوتی۔ ان کی گاڑی اپاٹک ہی رکی تھی۔

لا کیوں کی چیزیں سنائی دیں۔ اگلی سیست کا دروازہ کھلا اور وہ لد الدسر ک پر آ گریں۔
”سانپ۔۔۔ سانپ۔۔۔!“ وہ جیخ رہی تھیں۔ حمید نے گاڑی سے چھلانگ لگائی اور آن کی میں ان تک جا پہنچا۔

”سانپ سانپ۔۔۔ بچائیے۔“ دونوں بیک وقت چھیزیں۔ ان کی گاڑی میں روٹی تھی۔
نے دیکھا کہ ایک کوبرائیچیل نشست سے اگلی نشست پر پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے۔

کاٹنے والا

ہنزی نے جیسے ہی ڈاکٹر ڈف کی نیم تاریک کپاٹ میں قدم رکھا کسی نے پشت سے اس پنال لکائی۔ وہ کسی قدر نئے میں بھی تھا اس لئے بے خبری اور زیادہ خطرناک ثابت ہوئی۔
اوہ لکھرا یا اور ڈھیر ہو گیا۔ پھر حملہ آور بھی اس پر تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں عقل اور پنال جب حملہ آور نے آہستہ سے کہا۔ ”ارے سنبھول منھلو۔“
پھر حملہ آور ہی نے اسے کھنچ کھانچ کر اٹھایا اور ہنزی کی جان میں جان آئی۔ کیونکہ اب

”ضرور آتی ہو گی۔ رم پیو گے۔“ حمید نے کہا۔

”ارے باب رے۔ نہیں بابا۔ میرے پھر شستے بھی شراب نہیں پی سکتے۔ لا حول بلا کوت۔“
مگر حمید سوچ رہا تھا کہ ہونی چاہئے۔ نئے میں یہ اور زیادہ دلچسپ ہو جائے گا۔
ذفتا اس کی نظر تارا پر پڑی اور اس کا سارا جسم جھنجھنا کر رہا گیا۔

بڑی عجیب لڑکی تھی۔ اس دور میں جب کہ کالے صاحب لوگ گھاس پھوس کی طرز کرتے تھے کسی ایگلو اٹھیں لڑکی کا ہندوستانی بننے کی کوشش کرتا خواب ہی معلوم ہوتا تھا تارا تو پھر چلتی پھرتی حقیقت تھی۔ اس وقت بھی وہ چوڑی دار پاجا سے اور لبے فراں میں حمید نے اسے کبھی اسکرٹ میں نہیں دیکھا تھا۔ کبھی غرارے میں نظر آتی کبھی شلوار میں اوچڑی دار پاجا سے میں۔ سازھی میں بھی نہیں دکھائی دی تھی۔“

”ارے باب رے۔“ قاسم ہاپنے لگا۔

”یہی ہے۔“ حمید آہستہ سے بڑا بڑا۔

”ہائے۔۔۔ لا۔۔۔ اے قیسی لگتی ہے۔۔۔ ہی ہی ہی ہی۔۔۔ ابے انگریز لوگوں یاں بھی۔۔۔ پہنچنے لگیں۔۔۔ لا حول بلا کوت۔“

”پس نہیں آئی۔۔۔!“

”بلقل نہیں۔۔۔ پاجا سے گھن آتی ہے۔ اور پھر چوڑی دار۔۔۔ اوع۔۔۔!“ تا
چھ او بکائی آ گئی۔

”ہوش میں ہو یا نہیں۔“

”ارے وادا۔“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ”مکھلم ڈاٹریکیشنز ہوئے تھانے دار ہو گئے۔ دخوا آئندہ مجھے سے ایسے لمحے میں بات نہ کرنا۔“

”اوہ۔۔۔ دیکھو! وہ کہیں اور جارہی ہے۔“ حمید نے قاسم کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا
”گاڑی روں ہی لائے ہونا۔“

”ہا۔۔۔ ہا۔۔۔ ارے باب رے۔۔۔ اس کے ساتھ یہ دوسری کوں ہے۔۔۔“

اس نے حملہ آور کو پیچاں لیا تھا۔ یہ ریگی تھا۔

”آف فوہ...!“ ہنری نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”پہلے سے بتا دیا ہوتا تو میں خوبیز
مر بھی گیا ہوتا۔ تم نے کیوں تکلیف اٹھائی؟“

”تم مجھے بھی بھولتے جا رہے ہو۔ میں تمہیں مار ڈالوں گی۔“ ریگی نے جملے پر
لبجے میں کہا۔ اب تم نے ڈیڈی سے دوستی کر لی ہے۔ میری پروادا نہیں کرتے۔“

”کاش تم سمجھ علیم ریگی ڈارنگ۔ ڈیڈی کی شکل میں بھی مجھے تمہاری ہی جملکلیاں ملتیں۔“

”بکواس مت کرو۔ تم مجھے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہو۔“

”اوہ خدا کے لئے خاموش رہو۔ میں بہت زداس ہوں۔ اس وقت مجھے وہ ظلم ہے۔“

”آرہا ہے جسے...!“

”میں اس یچا کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتی اگر تم مجھ سے اسی طرح بے تو ہمیں
رہے تو ایک دن تمہارے کسی بھتیجی کو بھی اسی طرح اداس ہونا پڑے...!“

”خدا کی پناہ... تو تم میری ٹانگیں توڑ دو گی۔“ ہنری بوکھلا کر بولا۔

”بس مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی۔ اب تم ڈیڈی کے پاس جا کر جھجک مارو۔“

”مگر تم اس وقت یہاں کیا کر رہی تھیں۔“

”تمہاری ہی تاک میں تھی۔“

”غلط... میں تسلیم نہیں کر سکتا۔ تم کیا جانو کہ میں اس وقت آؤں گا۔“

ریگی کچھ نہ بولی۔ ہنری نے پھر اپنا سوال دہرا�ا۔

”میں اس آدمی کی تاک میں بیٹھی تھی جو آدمیوں کو کامنے دو رہتا ہے۔“ ریگی نے
بعد کہا۔

ہا میں تو کیا اب ڈاکٹر نے گوریلا کی بجائے کوئی ایسا آدمی پال لایا ہے۔“ ہنری
سے بولا۔

”نہیں.... وہ اکثر ہمارے ہاں آتا رہتا ہے۔ لیکن یہ بات تو مجھے آج ہی مدد
کرے گی۔“

”پھر کوڈیڈی...!“

”ٹھہر و...!“ ہنری اس کاباز و پکڑ کر ایک طرف کھینچتا ہوا بولا۔ ”یہاں نہیں۔“

کچھ دور پل کر ہنری رک گیا۔ یہ کپا و غ کا ایک بالکل ہی ویران گوش تھا۔ تو قع نہیں کی

بائی تھی کہ ادھر بھی کوئی آئے گا۔

”ہاں اب بتاؤ۔“ ہنری بولا۔

”جہنم میں جھوکنکو... ہم کتنے دنوں بعد مل رہے ہیں۔“ ریگی نے ٹھنڈی سانس لی۔

”کے جہنم میں جھوک رعنی ہو۔“ ہنری نے جیب سے ایک چیزی شیشی لکاتے ہوئے

کہا۔ پھر ڈھکن اتار کر شیشی کا منہ ریگی کے ہونتوں سے لگا دیا۔

”نہیں...!“ ریگی پیچھے نہیں ہوئی بولی۔ ”مجھ سے نہیں چلتی یہ رائی کی خاص و سکی تم ہی

اپنا طلق چھیلا کرو۔“

”اوے کے...!“ ہنری نے شیشی سے دو گھونٹ لیے اور ڈھکن چڑھا کر اسے جیب میں ڈالتا

ہوا بولا۔ ”یہ رات کتنی سہا نی ہے۔ مگر چاندنہ نکلنے تو اچا ہے۔“

”اوہ ختم کرو...!“ میں تمہیں اس آدمی کے متعلق بتانا چاہتی ہوں۔ ہنری ڈیڑ میں بہت

پریشان ہوں۔“

”چلو وہی بتاؤ۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ تم بولتی رہو۔ میں سنتا رہوں...!“

پیاری اور سریلی ہے تمہاری آواز۔“

”آج پاپا کو کہیں جانا تھا۔ ان کے جانے کے بعد میں نے گھر کو مغلل کیا اور خود بھی باہر

چلا گئی تھی۔ نوکروں کو میں نے ملا رکھا ہے۔ وہ پاپا کو میری غیر حاضری کے متعلق بتا تھے نہیں۔

آج میں خلاف معمول جلد ہی واپس آگئی۔ قفل کھول کر اندر پہنچی۔ تم نے دیکھا کہ ہمارے بنگلے

کے اندر بھی بہت بڑا صحن ہے۔ راہداری میں قدم رکھتے ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اندر وہی صحن

میں کسی قسم کی بھاگ دوز ہو رہی ہو۔ پھر ڈیڈی کی آواز سنی جو کہہ رہے تھے۔ ”ہوش پیچھے ہٹو۔۔۔

ورنگوں مار دوں گا۔“ تم مجھے نہیں کاٹ سکو گے۔“ پھر ایک فائر ہوا۔ میں صحن کی طرف بھاگی۔

پہنچ میں نہیں آتا کیا کروں۔ آخودہ بُنگلے میں کس طرح داخل ہوئے ہوں گے جبکہ
تلہ بھی مجھے کھلا ہوا نہیں ملا تھا۔“

”چلو.... میں پوچھوں گا....!“

”میں تم سے سہی کہنا چاہتی تھی کہ بُنگلے سے مجھے دھشت ہونے لگی ہے۔“ ریگی بولی۔
وہ دونوں برآمدے میں آئے۔ ہنری ٹھٹھے ہی تھا کہ ریگی نے ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے
کہا۔ ”چلونا.... تکلفات کی ضرورت نہیں۔ ڈیڈی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ وہ تمہاری عدم
موہوگی میں بھی تمہاری تعریفیں کرتے ہیں۔“

وہ اندر پہنچ اور ریگی نے کہا۔ ”ٹھہر و.... میں ڈیڈی کو تمہاری آمد کی اطلاع دے دوں۔“

وہ اُندر ڈارنگ میں چھوڑ کر چل گئی۔ ہنری نے بوتل پر ہر جیب سے نکالی۔
دو تین گھونٹ لے کر رومال ہونتوں پر پھیرا اور شیش جیب میں رکھ کر سگریٹ سلاگانے کا
ارادہ کر ہاتھا کر ریگی کی تیخ سنائی دی۔ پھر پر درپے تھیں۔ وہ سگریٹ لا یش رو ہیں پھیک
کر بجا گا۔ آوازیں ڈاکٹر کی تجویز گاہ سے آئی تھیں۔ ہنری کا اندازہ درست نکلا۔

ڈاکٹر فرش پر چلتا ہوا نظر آیا اور ریگی دیوار سے سکی دنوں ہاتھوں سے منہ چھپائے
کھڑی تھی۔

ہنری تیزی سے ڈاکٹر پر جھکا۔

وہ دم توڑ چکا تھا۔ پتنہیں کب مرا ہو.... لیکن جسم میں ابھی گری باقی تھی۔ ہنری ریگی کی
ٹرف ٹڑا.... اور.... وہ دھاڑیں مار مار کر روٹی ہوئی اس پر آگری۔

”اوہ.... دیکھو.... ٹھہر و.... صبر کرو۔ مجھے بتاؤ۔ جب تم باہر گئی تھیں تو....“

”وہ زندہ تھے۔ میں نے کچھ دیر پہلے یہاں ان کیلئے چائے پہنچائی تھی۔“ ریگی نے جلدی
ست اپنی دہاڑوں پر قابو پالی۔ لیکن آنسو ابھی جاری تھے اور سکیاں بھی لے رہی تھی۔

”فون کہاں ہے؟“ اس نے مژکر ریگی سے پوچھا۔ وہ بازوں میں منہ چھپائے
سکیاں لے رہی تھی۔

جبیں متاثر دیکھا۔ ایک آدمی بھاڑ سامنہ کھولے ڈیڈی کے پیچھے دوڑتا پھر رہا تھا۔ ڈیڈی کے
ہاتھ میں پستول تھا لیکن وہ پھر بھی خوفزدہ معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے پھر فائر کیا لیکن ”مرا
آدمی ہستارہا۔ اس نے بڑی پھرتی سے خود کو گولی سے چایا تھا۔ میں چینختے گی۔ دوسرا آدمی اچل
کر بھاگا اور زینوں والے کمرے میں جا گھسا۔ ڈیڈی اس کے پیچھے دوڑنے کی بجائے زمیں پیشہ کر ہاپنے لے تھے۔“

”اس آدمی کو تم نے اکثر یہاں دیکھا ہے۔“

”ہاں کئی بار پہلے بھی وہ ڈیڈی کے پاس آچکا ہے۔“

”تو تمہیں یقین تھا کہ وہ اس وقت بھی آئے گا۔“

”نہیں.... اب میں سمجھی گی سے گھٹکو کر رہی ہوں۔ وہ تو محض مذاق تھا۔ میں وہاں یعنی
کھڑی تھی کہ تم نظر آئے میں نے کہا کہ تمہیں ڈرایا جائے۔“

”پھر یہ لکھنے آدمی کی کہانی بھی مذاق ہی ہوگی۔“

”خدا کی قسم..... یہ سو فصدی بچ ہے۔ ڈیڈی نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔
میں نے ان سے پوچھا تھا کہ وہ گھر میں کیسے داخل ہوئے تھے جبکہ باہر کا قفل بھی مجھے کھلا ہوا
نہیں ملا تھا۔“

”کمال ہے بھی۔ آخودہ داخل کس طرح ہوئے ہوں گے۔“ ہنری کچھ سوچتا ہوا بڑا بڑا۔

”میں بڑی الجھن میں ہوں ڈارنگ۔“ ریگی نے کہا۔ ”آج کل یہاں جیت آنگیز ہاتھ
دیکھنے میں آرہی ہیں۔“ فیض اس طرح تمہارے ہی ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے مرنے کا دکھ مجھے بھی
بچ کھتی ہوں وہ کسی مقصود بچ کی طرح بے ضرر تھا۔ اچاک اس طرح پاگل ہو گی۔ آن
دہ کی پور کو ڈیڈی نے چھت سے اترتے دیکھا تھا اور پھر اسی چور نے ان کے خلاف رپورٹ
بچ کر ایسی تھی اور پھر آج یہ لکھنا آدمی جس سے ڈیڈی خائف معلوم ہوتے تھے۔“

”واقعی بڑی عجیب باتیں ہیں۔ مگر سنو تو سکی۔ ڈاکٹر نے کچھ بھی نہیں بتایا۔“

”کچھ بھی نہیں۔ زیادہ اصرار کرتی ہوں تو جھڑک دیتے ہیں۔ مگر وہ خوفزدہ بھی ہیں۔“

”پہنچنے کیسی حالت ہے میری۔“
 ”کون تھا.... مجھے بتاؤ۔ شاید وہ کوئی جنسی جنونی تھا۔“ ہنری نے جیب سے شیشی لکاتے
 ہے کہا۔
 ریگی نے دو تین گھونٹ لئے اور سر کری کی پشت سے نکلا دیا۔ اس کی آدھ کھلی آنکھوں
 ہٹکیف کا انکھار ہو رہا تھا۔

”میں اس کا نام نہیں جانتی لیکن وہ کچھ عجیب سالگتا تھا۔ اوہ.... اس نے دونوں ہاتھوں
 ، اپنی بائیں پسلی دبائی اور پھر اس طرح حق پھاڑ کر چینی جیسے کوشش کے باوجود بھی اس چیز کو
 ، لکھی ہو.... آدھ کھلی آنکھیں حریت انگیز طور پر پھیلتی جا رہی تھیں۔
 ”ریگی ریگی۔“ ہنری نے اُسے جھبھوڑا لیکن آنکھیں پھیلتی ہی گئیں اور پھر یہکہ اس
 کردن ایک جھلکے کے ساتھ بائیں جانب جا پڑی۔ آنکھیں اب بھی پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن
 میں شاید ہمیشہ کے لئے رک چکی تھیں۔



”قائم بھی جھپٹتا ہوا قریب پہنچا۔ وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔
 ”فلتا قاسم چینا۔“ اُرے ہائیں.... ہائیں.... ہاتھ میں پھر وغیرے۔“
 ”نہیں نہیں....!“ لاکیوں کی زبان سے بیساختہ نکلا۔
 ”پھر جھلایتائیے یہ نامعقول مرے گا کیسے۔“ حمید نے مڑکر بڑےطمینان سے کہا۔
 ”کسی اور چیز سے ماریئے۔“ تارا نے کہا۔
 ”تمہرے پاس فی الحال روایا اور کچھ نہیں۔“ حمید بولا۔ ”لیکن خدا شہ ہے کہ وہ
 ہمیں گاڑی بتاہ کر دے گا۔“

”لاسبری میں۔“ اس نے پھنسی پھنسی ہی آواز میں کہا۔
 ہنری تیزی سے باہر آیا اور لاسبری کی طرف دوڑنے لگا۔ وہ جلد از جلار اس حادثہ
 اطلاع فریبی کو دینا چاہتا تھا۔
 فون کا رسیور اٹھا ہی تھا کہ ریگی کی چیخیں پھر سنائی دیں۔
 ”بچاؤ.... بچاؤ.... ہنری دوڑو۔“

ہنری رسیور کھکھ لے گا۔ وہ برابر چینے جا رہی تھی۔ اس بار تجربہ گاہ والی راہداری تاریکہ
 ملی.... اور شاید تجربہ گاہ میں بھی اندر ہمراہ تھا۔ ورنہ کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں روڑنے
 ضرور آتی۔ راہداری میں قدم رکھتے ہی کوئی اس سے نکلا�ا اور ہنری کی کھوپڑی دیوار سے
 لڑگی.... ریگی اب بھی چیخ رہی تھی۔ ہنری کا سر بڑی شدت سے چکر لیا تھا لیکن پھر بھی اس۔
 اٹھنے میں پھر قاتی ہی دلکھائی اور اس سائے کی طرف جھپٹنا جو اس سے نکلانے کے بعد تیزی سے
 صحن کی جانب دوڑا گیا تھا۔ ایک منٹ اس کی تلاش میں ضائع ہو گیا۔ ریگی اب بھی اُسے
 آوازیں دیے جا رہی تھی۔ نکرانے والا نہ ملا۔ اس نے شاکر رسول کے جوتے پہننے کا
 تھے۔ اسی لئے دوڑتے قدموں کی آوازیں بھی نہیں سنائی دی تھیں۔

ہنری پھر تجربہ گاہ کی جانب دوڑ گیا۔ ریگی نے وہاں کا بلب روشن کر لیا تھا اور داہنے ہاؤ
 سے بیاں بازو دبائے ایک میز پر جھکی کھڑی تھی۔
 ”کیا ہوا.... کیا ہوا۔“ ہنری اُسے جھبھوڑ کر بولی۔
 ”مم.... مجھے بھی کاٹ لیا۔“ ریگی کراہی۔ ”میرا سرچکارہا ہے۔ سہارا دو۔“
 اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ ہنری نے اُسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔
 اس کے بازو پر ایک سرخ سانشان دلکھائی دیا۔ یقیناً یہ انسانی دانت ہے؟
 گوشت میں پوسٹ ہو کر اپنا سرخ سانشان جھوڑ گئے تھے۔
 ”کہاں تھا۔“ ہنری نے بوکھلا کر پوچھا۔
 ”یہیں....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”اس الماری کے پیچھے.... اب اپنی شیشی کا لالو۔“

نیز اسے... نہیں... دباؤ... دباؤ...“
سانپ کے بل ڈھیلے پڑنے لگے اور پھر وہ نیچے آگرا... دوسری طرف قاسم بھی بھد سے

بنے تھے۔“ ارے بڑی جلن ہو رہی ہے... ارے باپ رے۔“ وہ پنڈلی مسلتا ہوا بولا۔
لڑکیاں خاموش رہیں۔ لیکن قاسم مضطربانہ انداز میں بولا۔“ ہٹو اُدھر میں دعا پڑھ کر انہوں
کر دوں عاسالے کو۔“
”لیکن کہیں کھال نہ پھٹ گئی ہو۔“

وہ کھڑکی کے پاس جا کر کچھ بدبدانے لگا۔ پھر گال پھلا کر گاڑی کے اندر پھونک ماری اور
جس کچھ کئی جگہ سے خون رس رہا تھا۔ لڑکیوں نے افسوس ظاہر کیا۔ لیکن قاسم کی حماقت انگیز
بڑی پیشی رو کتنا بھی تو محال تھا۔ تارا جو بہت سمجھیدہ مشہور تھی وہ بھی ہنس پڑی تھی۔

”میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں جناب۔“ اس نے حمید سے کہا۔
”میں نے ہاتھی تو نہیں مارا تھا۔ لیکن اس بات پر ضرور تشویش ہے کہ آخر گاڑی میں کوبرا

ہمال سے آیا۔“

”میں خود بھی نہیں سمجھ سکتی۔“
”غالباً یہ کسی مقصد کے تحت گاڑی میں ڈالا گیا تھا۔“

”خدا جانے۔“ تارا بولی۔ ”اچھا بہت بہت شکر یہ۔“
اس نے دوسری لڑکی کو گاڑی کی طرف دھکیلایا۔ وہ اندر بیٹھ گئیں اور گاڑی پھر چل پڑی۔

”ابے... وہ یہ تو چل گئیں۔“ قاسم نے اسامنہ بنائے کر بولا۔

”اچھا تو... تم کیا سمجھے تھے۔“
”تچھ بھی نہیں.... مگر ایسا بھی کیا.... وہ....!“

”پنڈلی کی خبر لو برخوردار....!“
”مھنگے سے.... ہاں شاید کھون نقل رہا تھا۔“ اس نے لاپرواں سے کہا۔ ”جراتم اپنا رومال

اور پھر لگے چلتھا رہا۔ لیکن کہ سانپ نے بڑی تیزی سے اپنا جسم انکی پنڈلی کے گرد جذب لایا۔“
”بڑے حسین ہو۔ میں اپنا رومال بر باد کروں۔“ حمید بولا۔ ”اٹھو۔ اب یاگرہ چلیں گے۔

”دباو.... زور سے دباو۔“ حمید بوكھلا کر چینا۔ ”اس کا سر پیر کے نیچے سے نہ نکلنے ہے۔“

”دروازہ کھول دیجئے نیچے چلا آئے گا۔“ دوسری لڑکی بولی۔
”اور قیا....!“ قاسم نے سر ہلا کر کہا۔

”اگر اس نے پھر آپ کی جانب رخ کیا اور میں زیادہ پھرتی بھی نہ دکھا سکا۔“
لڑکیاں خاموش رہیں۔ لیکن قاسم مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”ہٹو اُدھر میں دعا پڑھ کر انہوں
کر دوں عاسالے کو۔“

”کچھ کہیں کھال نہ پھٹ گئی ہو۔“
”کھیک اسی وقت سانپ بھی پھٹھ کارا۔“

”ارے باپ رے....“ قاسم بوكھلا کر تیچھے ہٹتا ہوا بولا۔ ”اے یہ سالا بھی پھونکتا ہے
نہیں اندھا ہو گا شاید۔“

”لڑکیاں فس پڑی تھیں اور انہوں نے قاسم کو مفسح کانہ انداز میں دیکھا تھا۔“
”سانپ اب پھر بچھلی سیٹ پر آ گیا تھا اور کھڑکی سے گزر جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ کھڑکی
میں شیشہ نہیں تھا۔“

”حمد نے جیب سے روپا اور نکالا۔ جیسے ہی سانپ کا سر کھڑکی پر آیا اس نے روپا اور کے
دستے سے اس پر ضرب لگائی۔“

”ارے.... ارے.... دیکھے سنبھل کر۔“ تارا مضطربانہ انداز میں بولی۔
لیکن ضرب اپنا کام کر چکی تھی۔ سانپ بچھلی سیٹ پر پڑا قلابازیاں کھارہا تھا۔

”اب حمید نے گاڑی کا دروازہ کھول دیا تھا۔ لیکن دوسری لڑکی تیچھے کھڑی روں رائیں
گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔ سانپ اسی طرح تڑپا ہوا سڑک پر آگرا۔“

”اس بار میاں قاسم نے بھی ”دیلر جگ“ بننے کی کوشش کی۔ یعنی سانپ کے سر پر پھر کہا:
”اک مراب ہو جائے گا۔“

”بڑے باپ رے.... ابے.... پیر ٹوٹا.... ابے سالے۔“
”انہل و بیں گئی ہوں گی۔“

نمبر 28

پیدا جھلکا کر بولا۔

”روشنی کرو.....، بہودگی ہے۔“

لیکن جواب میں اُن نے قاسم کی کراہ سنی۔ ”ارے باپ رے؟“

اور حمید کا دل چاہا کہ وہ بھی دادا جان مرحوم کے نام کے نفرے لگائے۔ کیونکہ اس کی

پڑی بھی کسی کے ”دست شفقت“ سے محروم نہیں رہی تھی۔

بھر پور دار تھا۔ پھر حمید کو یاد نہیں کہ دوسری ضرب بھی پڑی تھی یا پہلی ہی نے اسے بے

ہوجانے پر جبور کر دیا تھا۔

”جسرو میری جان پیارے بھائی۔“ قاسم اٹھتا ہوا بولا۔ ”یا ر تم واکی بڑے قابل ہو،“

”میری قابلیت کی دن تھیں بہت بڑے مرتبے پر فائز کر کے رکھ دے گی۔ میں دیکھتے چاہو۔“

”وہ پھر گاڑی میں آئیتھے۔“

قاسم بہت مگن تھا۔ اس نے پنڈلی کی بھی پرواہ نہ کی جس سے کئی جگہ خون رس رہا تھا۔

کھال کئی جگہ سے جخچے گئی تھی۔

پکھو دور چلنے کے بعد ایک جگہ پھر تارا کی گاڑی کھڑی نظر آئی۔ لیکن سڑک سے ہٹ کر

میدان میں۔

”ابے وہی ہیں۔“ قاسم نے کہا۔

لیکن اس بار گاڑی کے اندر روشنی نہ دکھائی دی۔

حمد نے بھی اپنی گاڑی میدان ہی میں اتار دی اور زور سے بولا۔ ”اب کیا ہوا۔ کیا پھر

کوئی کو برداشت!“ گاڑی کی تریب پہنچ کر اس نے بریک لگائے۔

لیکن دوسری گاڑی خالی تھی۔ قاسم اپنی گاڑی سے تاریچ نکال لایا۔ آس پاس روشنی

ڈالی۔.... انہیں آوازیں بھی دیں۔ لیکن نائلے میں صرف اپنی ہی آوازوں کی بازگشت سنی۔

لیکن اپنی گاڑی کے نتائج نے آفسروں کو چکرا دیا تھا۔

ڈاکٹر ڈاف اور اس کی بڑی کی اموات جسم میں زہر پھیل جانے کی وجہ سے ہوئی تھیں۔

سچنے کے نتائج نہیں مل سکا تھا۔ اس لئے اسے زہر خواری کا کیس نہیں کہا جا سکتا تھا۔

ذائقوں کے نتائج..... جو لوگی کے بائیں بازو اور ڈاکٹر کی گردان پر ملے تھے ماہرین کے

نام کے طبق اموات کا باعث قرار دیئے جاسکتے ہیں کیونکہ ان میں کم از کم ایک نشان ایسا

انعقاد میں زہر کے اثرات پائے گئے ہیں۔



وفعتاً قاسم نے ایک جانب اشارہ کر کے کہا۔ ”اے وہ ادھر دیکھو۔“

تاریچ کا دائرہ جهاڑیوں کے ایک سلسلے پر تھا۔

”دو پہنچے..... دو پہنچے ہی ہے۔“ حمید تیزی سے آگے بڑھا۔ جهاڑیوں سے ایک ”دو پہنچا“

دکھائی دیا تھا جسے اس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ تاریخی کا ہو سکتا تھا۔

تاریچ قاسم کے ہاتھ میں تھی۔ وہ عقب سے حمید کو راست دکھاتا رہا۔ پھر دفعتنا تاریچ بھاگنا

نہیں۔ ماہر نے جواب دیا اور فریدی کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔



گیارہ بجے اسے معلوم ہوا کہ جید بچپل رات سے غائب ہے۔ اس کے تھوڑی عیاں ہی کوئی میں گھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں اس نے کسی کو کپڑا بھی تھا۔ لیکن وہ ملکے کے پر نہذٹ کے آفس میں طلبی ہو گئی۔

کیپن اسکھ کا مودہ بہت خراب معلوم ہوتا تھا آج اس نے فریدی سے بیٹھ کر کہا۔ یہ کوئی خاص وجہ نہیں جس کی بناء پر ہمارے گھنے کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑے۔ اس کہا۔ فریدی خاموش کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد کیپن اسکھ نے فائل بند کر کے رکھتے ہوئے لے جس سول پولیس کافی تھی۔

”آدمی کو حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہئے۔ خاور کا کیا قصہ تھا؟“
”وہ ایک بخی معاملہ تھا جتاب۔“

”بیٹھ جائیے۔“ اسکھ نے ہاتھ اٹھا کر غصیلے لبھ میں کہا۔
”شکریہ جتاب۔“ فریدی کری کھنچ کر بیٹھتا ہوا بولا۔

”قانون ہر حال قانون ہے۔ خواہ آپ کے معاملات بخی ہوں خواہ غیر بخی۔“ مجھے شکایت کی گئی ہے کہ آپ مشر خاور کے مکان میں بغیر اجازت داخل ہوئے تھے۔

”مجھے افسوس ہے جناب۔“ لیکن مجھے اس کی سزا وہیں مل گئی تھی۔ فریدی مسکرا لیا۔

”کیا مطلب...؟“
”مجھ پر چھت سے ایک سانپ گرا تھا۔“

”نہیں...!“ اسکھ کے لبھ میں حیرت تھی۔
”مہاراج کار کا خط دوبارہ ملاحظہ فرمائیے۔“ فریدی نے خشک لبھ میں کہا۔

کیپن اسکھ نے میر کی دراز کا قفل کھول کر ایک فائل نکالا اور اس کے کچھ اور اقالت
بلکی طرف کھکھاتا ہوا بولا۔ ”کہاں ہے مین الاقوامی نمائش کا مذکورہ۔“
زیری نے بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔

”پھر کیا ہوا...؟“ اسکھ نے مضری بانہ انداز میں پوچھا۔
”مجھے اس سانپ کو سزادینی پڑی۔ وہ زندہ تھا لیکن اپنے جسم کو جنم نہیں دے سکا تھا۔“

”وہ کیسے!“
”ہر ہڈی جوڑ سے الگ ہو گئی تھی۔“

اسکھ چند لمحے کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔ ”تمہارا آدمی ڈاکٹر ڈف سے کس سلسلے میں ملا تھا۔“
ڈاکٹر ڈف نے روپرٹ درج کرائی تھی کہ کچھ نامعلوم آدمی اکثر اس کی عدم

مطالہ پورا کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ ان
واعقات کی پہلی ہو۔ خدا را کوئی تدبیر کرو۔“
فریدی نے خط ختم کر کے فائل بند کر دیا۔ اسمح اے ایسی نکلوں سے دیکھ
چھوٹتے ہی ناابی کا طعنہ دے بنیتمگا۔

”دیکھئے... طریقہ کے متعلق مہاراج کمار بھی الجھن میں ہیں۔“ فریدی نے کہا
فریدی کے ہونٹوں پر خفیف کم راہب نظر آئی اور وہ پہلے ہی کے سے لجھے میں کہتا
”مگر میں لا تواہی نداش کہاں؟“

”دیکھتے جتاب حقیقت تو یہ ہے کہ جب تک میں پورے حالات سے آگاہ نہ ہو، لیکن ذکر کے اس طور پر ہوں گی۔ اگر کچھ کروں گا تو نفرشیں لیتیں طور پر ہوں گی۔“ بار بردار بھی تھے۔ دفتاراً بیک بار بردار اپنے چیخ ماری۔ سرے صندوق گردادیا اور زمین ”مجھے ذر ہے کہ ان کی اختیاط کہیں ان ہاتھوں کو رسوائی نہ کر دے۔ پھر آپ کیا لانے لگا۔ ذکر گوہن اس کی بائیں پنڈلی سے ایک عجیب و غریب کیڑا چٹا ہوا دیکھیں کہ میں ان واقعات کی پہلی کا ذریعہ بن جاؤں گا۔ شاید میرے آدمیوں کو ان کا نہ ہیسے ہو وہ آگے بڑھے کیڑا پنڈلی چھوڑ کر جھاڑیوں میں جھا گھسا۔ چونکہ وہ کیڑا اپنی ہوئکے۔ آپ نے مجھ سے اتنا ہی کہا تھا کہ کوئی آدمی دو انسانی ہاتھوں کے لئے مہاراں، انتبار سے بالکل نیا تھا اس لئے ذکر گوہن دریک اسے تلاش کرتے رہے۔ لیکن پھر بیک میل کر رہا ہے۔ مجھے بیک میل کو ان ہاتھوں سمیت گرفتار کرنا ہے۔“

”پہلے میری بات کا جواب دو۔“ اسکھ نے جھنجلا کر کہا۔ ”تم نے حشرات الارض کو راہ میں لٹای تھی وہاں ایک شفا خانہ بھی موجود تھا۔ مگر بار بردار کی جان بچا لینے کی ساری الاقوامی نمائش کا حوالہ کیوں دیا تھا۔“

”سنے....!“ فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نادنوں ہاتھوں کی تحلیلیاں انگلیاں سمیت باقی رہیں۔ ان کا گوشت اس طرح پکھل کر ہو سکتا کہ بیک میلر بجاو کرتے ہوئے ہاتھوں کی پلٹی کر دے۔ حشرات الارض کی نمائش ملک۔ پھر ڈاکٹر گوہن نے یہ دریافت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ آخر ان ہاتھوں کے لئے بھی جگہ نکل سکے گی۔“

”سوچ کر بات کرو۔ نمائش میں ان ہاتھوں کو رکھنے کے بعد وہ اپنا چھاؤ کیے کرئے۔ لڑک سے کوئی ایسی اوث پلائگ تصویر بتوا کر رکھ دوں جو پہلی ہی نظر میں کیڑا تو معلوم یہ بھی سن لیجئے۔ اگر وہ بیک میلر خود میں ہوتا تو طریقہ سنئے۔ حشرات الارض کی تباہیوں نے کر سکے کہ اس نے پہلے کبھی یہ کیڑا دیکھا بھی ہوگا۔ تصویر کے نیچے لکھ دوں کہ الاقوامی نمائش میں ان ہاتھوں کو اس طرح رکھواتا کہ قانون بھی انگشت بندداں رہ جاتا۔ لڑکوں نے اپنی یادداشت کے سہارے ایک آرٹسٹ سے ہٹوائی ہے۔ اب بتائیے کہ پہلے کسی غیرملکی نمائندہ امثال کے کارپرداز سے گھٹ جوڑ کی سوچتا۔ ہاتھوں کے ہوا کہ ناکہلنا ہوئی یا کیڑے کی..... حشرات الارض کی نمائش میں ایک ایسے کیڑے کی تصویر ایک شوکس میں رکھوادیتا۔“

نئانج کے ثبوت کے طور پر وہ ہاتھ بھی یہاں موجود ہیں۔ قانون اس پر کیسے مفترض ہو سکتا ہے مجھے بتائیے۔“

اسکھ نے مضطربانہ انداز میں ہتھیار رکھیں اور بے بُی سے ہنس کر بولا۔“کہا

بلیک میل آپ خود ہی تو نہیں مسٹر فریدی۔“

”ثبوت جتاب۔“ فریدی مسکرا کیا۔ ”مرنے کے لئے تو میں ہر وقت تیار رہتا ہوں۔“

”مگر دیکھئے تو اس طرح ہاتھ رکھنے سے کیا فائدہ ہوگا۔“

”آخري دھمکی... مہاراج کمار کو جانا کہ دیکھو ہاتھ تو منظر عام پر آپکے ہیں... میں

میر امطالبہ پورا کر رہی دو... ورنہ ان ہاتھوں کا راز ظاہر ہو جانے میں درینہ لگے گی۔“

”خدا کی قسم ممکن ہے۔“ کیپن اسکھ پر جوش انداز میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

”اب کہئے تو یہ بھی بتا دوں کہ وہ ہاتھ کس کے ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ نے مجھے نہیں بلیا۔“

”میں یہ تجویز رکھوں گا اُس کے سامنے خیر... ہاں یہ ڈاکٹر ڈف کا معاملہ۔ اگر حشرات کی میں القاوی نمائش کا مقصد ہیں تھا تو پھر تمہاری دانت میں بلیک میل بھی ڈاکٹر ڈف“

”اچھی بات ہے یہ بھی دیکھیں گے۔“

”مہاراج کمار کے باپ زنگھ بہادر کے۔“

”اوہ.... اوہ....!“ اسکھ مٹھیاں ہٹھنگ کر رہا گیا۔ پھر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑا لیا۔

”لیکن موت کی نوعیت الجھن میں جتنا کر رہی ہے۔“ فریدی دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔

”خوڑی دیر بعد اسکھ نے کہا۔“ تمہارا اندازہ درست ہے۔ تو پھر تم اس راز سے ”زہر لیے دانت...!“ اسکھ بڑا لیا۔

”زہر لیا آدمی کہئے۔“ واقف ہو گئے چھائے رکھنے کے لئے مہاراج کمار یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔“

”اب میں جادو گرو نہیں ہوں جتاب۔“

”لیکن تم اس نتیجے پر کیسے پہنچ کر وہ اس کے باپ ہی کے ہاتھ ہو سکتے ہیں۔“

”محض یادداشت کے سہارے۔ بات پچیس سال پرانی ہے۔ چھ سال سے زیادہ“ خدا کی پناہ۔“ اسکھ فریدی کو گھورتا ہوا بولا۔ ”یہ آدمی کون ہو سکتا ہے۔“

”عندرہ رہی ہوگی۔ زنگھ بہادر کی موت الگینڈ کے ایک خیراتی ہسپتال میں ہوئی تھی اور اُلٹا۔“ لذمالاں ایک زہر لیا آدمی جس کا صرف ایک ہی دانت زہر لیا ہے۔

”دونوں ہاتھ غائب تھے۔ ہسپتال کی بدنامی ہوتی اگر اس معاملے کو دبانہ دیا گیا ہوتا۔“ سوال نہ ہے۔

”پھر کوت طاری ہو گیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ آخر بابا خاور کا معاملہ آگے کیوں نہیں بہادر کا نہیں تھا بلکہ ایک آدمی کی لاش کا تھا۔“ زنگھ بہادر کی تو اس وقت کوئی اہمیت نہ تھی۔

”تو سوچ کر آیا تھا کہ آج کیپن اسکھ سے جھڑپ ہو ہی جائے گی۔“



”پہلے کبھی اور بھی کسی کار میں کو برداشت کھا تھا۔“
”نہیں... کبھی نہیں۔“

”تھی اور بھی قسی لونگی تی مدتو تھی۔“ حمید نے اسی کے بعد کی نقل اتاری۔
”تھی نہیں پیارے بھائی۔“

”فلوں میں دیکھا ہی ہو گاتم نے کہ ایسے موقع پر لڑکیاں فوراً عاشق ہو جاتی ہیں۔ کسی بدل گدھے یا اونٹ ہی سے مدد کیوں نہ ملی ہو۔ مثال کے طور پر اگر کسی دیرانے میں پھر وہ اٹھا۔ جیب سے سگار لائزرنکال کر روشنی کی اور اس طرح وہ کمرے کا سوچ بروز تلاش کر سکا۔“

”فلوں میں کرنٹ موجود تھا۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ پھر کچھ دیر بعد یہ بات قاسم کی بھروسے بانے گی اور گھر پہنچ کر اس کا تعارف اپنے ڈیٹی سے کرتی ہوئی کہے گی ”ڈیٹی..... اگر آج پذیر ہوتے تو اس خوفناک جنگل کے گیڑ مجھے نوچ کھاتے۔ ڈیٹی گدھے کا شکر یاد کر کے ایسے کبھی کبھی آیا کرو بخوردار۔“

”خفا ایک دروازے پر کھڑک رہت ہوئی اور حمید قاسم کا شاند دبا کر آہستہ سے بولا۔“ تم اماموش ہی رہنا اب اس سیٹ کی شونگ شروع ہونے جاری ہے بس تم چپ چاپ کھڑے نادرنہ پوری ریل جاتا ہو جائے گی۔“

”اچھا....!“ قاسم نے پھلوص انداز میں وعدہ کیا۔

”روازہ کھلا۔ سب سے پہلے پنز تار انظر آئی اس کے پیچے ریاست ورگوی کے دو سلے بناتھ۔“

”قاسم نے پلکیں جھپکائیں۔ شاید اسے کسی انشٹ فلم ہی کا سالطف آ رہا تھا۔ تارا چند لمحے بُٹھا۔“

”بُٹھی انہیں گھوڑتی رہی پھر تیز لجھ میں بوی۔“ تم لوگوں نے یہ حرکت کیوں کی تھی۔

”میں نہیں سمجھا کماری صاحبہ۔“ حمید نے بڑی لجاجت سے کہا۔

”تم نے ہی ہائی سرکل کلب کے پار لگ ک شیڈ میں یہ حرکت کی تھی۔ یعنی کوبرا میری گاڑی الاحتا اور خود ہی مدد کرنے دوڑے آئے تھے۔“

”پہلے قاسم کو ہوش آیا اور اس نے اپنے فوکروں کو آوازیں دینی شروع کر دیں اور پھر دھاڑا۔“ ابے یہ تی قش نے بھادی۔“

”حید کو پوری طرح ہوش نہیں آیا تھا۔ قاسم کی دھاڑیں ہی اسے ہوش میں لا میں۔ پھر وہ اٹھا۔ جیب سے سگار لائزرنکال کر روشنی کی اور اس طرح وہ کمرے کا سوچ بروز تلاش کر سکا۔“

”تاروں میں کرنٹ موجود تھا۔ کمرہ روشن ہو گیا۔ پھر کچھ دیر بعد یہ بات قاسم کی بھروسے بانے گی اور گھر پہنچ کر اس کا تعارف اپنے ڈیٹی سے کرتی ہوئی کہے گی ”ڈیٹی..... اگر آج آئی کہ وہ اپنی خواب گاہ میں نہیں ہے۔ ذہن پر زور دینے سے یاد آیا کہ وہ تو ایک دیرانے میں پذیر ہوتے تو اس خوفناک جنگل کے گیڑ مجھے نوچ کھاتے۔ ڈیٹی گدھے کا شکر یاد کر کے پستان کی پریاں تلاش کر رہے تھے۔“

”بب باں.... بحق....!“ اس نے جماں لی اور منہ چلاتا ہوا حمید کو گھومنے لگا۔

”پورے کمرے میں عمدہ قسم کے چھوٹے قالیوں کا فرش تھا۔ فرنچپر کے نام سے ابکہ اسٹول بھی کہیں نہ دکھائی دیا۔ دروازے سے باہر بولٹ تھے۔“

”قوں بھائی۔ مکمل ڈائریکٹر یہاں قیسے پہنچ۔“ قاسم نے حمید سے کہا۔

”یہ دوسرا سین ہے۔ ہیرا اور کومینڈین پستان آپنے ہیں۔ یہاں تم ایک موٹی سی عورت سے عشق کرنا.... اور میں طبلہ بجاوں گا۔“

”یہ کیا بک رہے ہو! ارے باپ رے.... وہ جھاڑیاں کہاں گئیں جہاں دوپہر ابھی غاڑی کہاں گئی۔“

”اسی سیٹ پر رہ گئی جہاں پہلے شونگ ہو رہی تھی۔“

”شونگ....!“

”اوکیا.... ہم لوگ ایک فلم میں کام کر رہے ہیں جس کا نام آ جا مورے بال ماہے۔“

”اے کیوں مجاخ کرتے ہو۔ ہی ہی ہی۔“

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے محترمہ۔“

”اس کا مقصد بتاؤ ورنہ کھال کھینچوں جائے گی۔“

”اور اس کھال کے چپل صبار فار ہوں گے۔“ حید نے بڑے خلوص سے کہا۔

”بکواس مت کرو۔ میں تم دنوں کے متعلق سب کچھ معلوم کر چکی ہوں۔ تم سار جنہیں اور یہ خان بہادر عاصم کا لڑکا قاسم ہے۔“

”ہا میں....!“ قاسم نے حیرت سے آنکھیں چھاڑیں اور حید کی طرف مزکر بولا۔ ”کھمر دار یہ شونگ نہیں چلے گی۔ ارے باب رے.... والد صاحب کا نام آگیا معلم میں تو میرے دادا جان بھی اکھڑا میں گے اپنی قبر سے اور اتنی پناہی کریں گے والد صاحب کی۔“

”خاموش رہو۔“ حید جھنجھلا کر بولا۔

”ارے واہ.... کیوں کھاموش رہوں۔“ قاسم ہاتھ نچا کر بولا۔ ”سامے تم نے مجھے پوچھے بغیر شونگ کیوں شروع کر دی۔ والد صاحب میری ہڈیاں توڑ کر کھدیں گے اگر میں معلم میں آیا۔ آجی واہ یہ بھی توئی بات ہوئی۔ واہ اچھی زیر دستی۔“

”مقصد بتاؤ۔“ تارا جھٹا کر چیخی۔

”یقین کیجئے محترمہ کہ ہم صرف نیا گرد تک جا رہے تھے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے کچھ“ پر آپ کی گاڑی جھاڑیوں کے قریب نظر آئی تھی۔ میں نے سوچا شاید آپ لوگ پھر کسی دشواری میں پڑ گئی ہیں۔“

دروازے پر تھیبے کی آواز آئی اور حید اس طرف متوجہ ہو گیا۔ آنے والا ایک طویل قامت اور وجہہ آدمی تھا۔ لیکن سیاہ سوت پر کھوپڑی سے چکلی ہوئی سفید پگڑی عجیب ہی لگ رہی تھی۔

”اہ سکر صاحب۔“ تارا بھی اس کی طرف مڑی۔

”نی.... کماری صاحبے۔ مجھے ہر ایک پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ رانا صاحب کا حکم ہے کہ میرے سارے حجم پر آنکھیں ہی آنکھیں ہوئی چاہئیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ کو اصل واقعہ کا

299
ملہی نہ ہو سکتا۔“

”اوہ.... تو وہ آپ ہی کا آدمی تھا جس نے ہمیں میدان کے قریب روکا تھا۔“

”جی ہاں کماری صاحبے۔“

”شکریہ سکریٹری صاحب۔ میں ان سے پوچھ رہی ہوں کہ اس حرکت کا مقصد کیا تھا۔“

”لوٹے ہیں۔“ سکریٹری نے مسحکا نہ انداز میں کہا۔ ”آپ کی شخصیت سے واقعہ نہ ہوں گے۔ تعارف حاصل کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا۔ مجھے یقین ہے کہ کوہرا بے ضرر رہا ہوگا کی پیرسے سے خریدا ہوا۔“

”اگر یہ بات ہے تو انہیں سزا ملنی چاہئے۔“ تارا نے جھلانے ہوئے لبھ میں کہا۔

”ارے واہ....!“ قاسم نے پھر ہاتھ نچایا۔ ”بہت دستخ ہیں سجادینے والے۔“

”لو کے خاموش رہو۔ ادب ملحوظ خاطر رکھو۔“ سکریٹری نے پوقار لبھ میں کہا۔ ”تم

روگوی اشیت کی ایک راج کاری سے مخاطب ہو۔ ممکن ہے خان بہادر عاصم ارب پتی ہوں

لیکن ان کی دولت رانا صاحب کے رہتے سے نہیں نکلے سکتی۔ ہم صاحب اختیار ہیں جاہیں تو

نہیں اسی شہر کی سڑکوں پر ٹھٹھواتے پھریں.... قانون ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ

سکتا۔ کماری صاحب سے معاف مانگو۔ میں کوشش کروں گا کہ وہ تمہیں معاف کر دیں اور تم سار جنث

حید۔ تمہیں شرم آئی چاہئے تم ایک ذمہ دار آفیسر ہو کہ اس قسم کا لوٹا پن کرتے پھرتے ہو۔“

”میں ضرور سزادوں گی۔“ تارا پریخن کر بولی۔

”میں استدعا کروں گا کماری صاحبے کہ انہیں معاف کر دیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ دنوں

آپ کی شخصیت سے واقعہ نہیں تھے۔“

تارا جند لبھ کچھ سوچتی رہی پھر حید کی طرف اشارہ کر کے بولی۔ ”خیر آپ کے کہنے سے

لائف کروں گی لیکن اس آدمی کی شکایت آئی جی سے اور اس کی خان بہادر عاصم سے۔“

”اے نہیں.... ارے باب رے۔“ قاسم نے دنوں ہاتھوں سے پیٹ دباتے ہوئے کہا

۔ اے تم خود میری بوسیاں کر ڈالو لیکن شکایت نہ کرنا۔ الاقوم.... ابے بے موت مر جاؤں گا

پیارے بھائی۔ میرا باپ برا جالم ہے۔ ہنڑوں سے کھال بھی کھینچ لے گا اور ایک آدھ میٹر کے بند بھی قردے گا۔“
تارا دوسرا طرف مزکر مسکرانے لگی۔

حید مطمن تھا کیونکہ خود فریدی عی نے اسے تارا کے گرد منڈلانے کا حکم دیا تھا۔ اس نے بڑے پروقار انداز میں ہاتھ بڑھا کر سیکریٹری سے کہا۔ ”میرا ریوالور مجھے واپس کر جاؤ۔“
”وہی تو ثبوت ہو گا تمہارے خلاف۔“ سیکریٹری مضمونہ انداز میں مسکرایا۔ ”اب وہ تمہیں آئی بھی کے آفس سے ہی واپس ملے گا۔“

حید نے لاپ دوائی سے شانوں کو جتنش دے کر کہا۔ ”دوچار آئی بھی ہر وقت میری جیبواں میں پڑے رہتے ہیں کیونکہ میں اسکریٹری کا اسنٹنٹ ہوں۔ سمجھے سیکریٹری صاحب۔“
”خیر خیر...!“ سیکریٹری نے مُراسامہ بننا کر کہا۔ ”تم لوگ کل بارہ بجے دن سے پہلا نہیں چھوڑے جاؤ گے۔“

عشق

فریدی نے ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ”کاش مجھے بھی کبھی اس سیکریٹری کے درشن ہوئے ہوتے۔“

”اس کی فکر نہ کجئے۔ یہ بتائیے کہ آپ نے مجھے تارا کے پیچھے کیوں لگایا تھا۔“
”خاور کے سلسلے میں۔“

”آخراً آپ خاور کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔“
”پروادہ مت کرو۔“

”ارے جامت بننے والی ہے ریوالر اب تک پہنچ چکا ہو گا آئی بھی کے پاس۔“

”تو پھر کیا ہو گا۔“ فریدی مسکرایا۔

”میری شادی ہو گی اور آپ سہرا پڑھیں گے۔“ حید جھلا گیا۔

”بھکلانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری جیب میں تمہارا سرکاری ریوالر تھا ہی نہیں۔“

”کیا مطلب....؟“

”تم نے کبھی نمبر دیکھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔“ فریدی مسکرایا۔ ”میں اتنا گرھان نہیں ہوں کہ سرکاری ریوالر تمہیں لئے پھر نے دوں گا۔ وہ تو میرے پاس محفوظ ہے۔“
”وہ مارا....!“ حید اچھل پڑا۔

”تم نہایت صفائی سے کہہ دو گے یہ رہا میرا ریوالر....!“ فریدی نے سگار کے ڈبے سے بکھارنے کرتے ہوئے کہا۔ ”اس ریوالر پر اب شاید تمہاری انگلیوں کے نشانات بھی نہ مل سکیں۔ ضائع ہو گئے ہوں گے اس خوشی میں کہ ریوالر ہی تمہارے خلاف کافی ثبوت ہو گا۔“

سیکریٹری بے چارہ انگلیوں کے نشانات محفوظ رکھنے کا خیال تک دل میں نہ لایا ہو گا۔“

”ایک بار پھر.... وہ مارا۔“ حید دوسرا بار اچھلا۔

”مگر تمہارے ساتھ وہ موٹا کون تھا۔“

”آپ کیا جانیں۔“

”اوہ.... برخوردار.... کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ پھیلی رات تمہارا بھی تعاقب نہیں کیا گیا تھا۔“

”خدا کی پناہ۔“ حید آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

”میں نے تمہیں بھڑوں کا جھٹہ چھیڑنے کا حکم دیا تھا پھر اسکی صورت میں مطمن کیے ہو ہتھ۔“ فریدی نے کہا اور سگار لٹا کر کری کی پشت سے نکل گیا۔

چارنگ روہے تھے۔ آفس سے اٹھنا ہی تھا۔ فریدی نے ضروری کاغذات ڈرائیور میں منتقل ہو رکھ گیا۔

پھر کچھ دور بعد کیڈی پارکنگ شیڈ سے نکل کر کپڑا ڈنٹ کے چھانک سے گز رہی تھی۔

”تم نے موٹے کے متعلق نہیں بتایا۔“ فریدی نے کہا۔

”بس گانجھ کا پورا ہے۔ فرست کے لمحات خاصے گزر جاتے ہیں۔ خان بہادر عامر نے خاور کے چیچے نہ پڑوں۔ اپنے مسٹر اسٹھ کے پاس شکایت آچکی ہے لیکن میں چونکہ مسٹر سپوت۔“

”اوہ....!“ فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر اس نے ڈاکٹر ڈف والے حادثے سے نہیں کی ورنہ جانتے ہو کیا ہوتا۔“

”کیا ہوتا....؟“

”یہاں سے ہمارا تبدلہ۔ اپنے مسٹر اسٹھ بھی ہیں اس کے عقیدت مندوں میں۔“

”خدا کی پناہ۔ یہ انگریز بھی ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں۔“

”ہم سے کہیں زیادہ۔“ فریدی نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اُسے ڈاکٹر ڈف کی کوٹھی کی پلاٹھ میں موڑتے ہوئے کہا۔

اندر سار جنت ہنزہ سے ملاقات ہوئی جو بے حد معموم نظر آ رہا تھا اور شاید بہت دیر سے لئے خالص، وہ کسی کی ایک چکلی بھی نہیں لی تھی۔

اس نے فریدی کو سلیوٹ کر کے کہا۔ ”میں تو تھک ہار گیا جتاب۔ یہاں مجھے کوئی تہہ اُنے کسرائغ نہیں ملا۔“

”پرواہ مت کرو۔ دیکھیں گے۔“ فریدی حمید کو ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔



اشیدہ خاور کے پیر پکڑے گڑگزاری تھی۔ ”بابا... بتاؤ میں کیا کروں وحیدہ بانو کا قصہ

”بیتا جا رہا ہے۔ اب وہ مجنوں کی حرکتیں کرنے لگا ہے۔“

”خدا اس کے حال پر رحم کرے۔ بیٹی اس کے علاوہ میں اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ اٹھو۔۔۔

”بائیں جاؤ۔ مجھے زیادہ گنہگار نہ کرو۔ تم نے میرے پیر پکڑ رکھے ہیں اور میری روح خداوند

”کے خوف سے لرز رہی ہے۔“

میں نادر کے چیچے نہ پڑوں۔ اپنے مسٹر اسٹھ کے پاس شکایت آچکی ہے لیکن میں چونکہ مسٹر سپوت۔“

”جید کو آ گاہ کرتے ہوئے کہا۔“ ہم اس وقت وہیں چل رہے ہیں۔“

”ٹکٹھنا آدمی....!“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”ساتھ ہی زہریلا بھی....!“ فریدی بولا۔

”اپنے تو کچھ پلے ہی نہیں پڑتا۔ ان دونوں صرف تاراہی دکھائی دی تھی وہ بھی رانا پرموں کی بھتیجی نہیں۔ اب اگر میں لارڈ لٹھگو کا بھانجباں سن کا تو کام چل جائے گا ورنہ جل خندے۔“

”اب اس کی طرف رخ بھی نہ کرنا۔“

”آخڑا پ خاور کے چیچے کیوں پڑ گئے ہیں۔“

”بہت دونوں سے ہوں وہ معاشرے میں بڑی گندگیاں پھیلا رہا ہے۔“

”تو ڈاکٹر ڈف والے کیس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“

”ظاہر تو نہیں معلوم ہوتا لیکن ڈاکٹر ڈف بھی تھا اس کے پرستاروں میں۔“

”ڈاکٹر ڈف ہی کے متعلق کچھ بتائیے۔“

”مجھے اس کے گھر میں انسانی ہتھیلوں کے ایک جوڑے کی تلاش تھی۔“

”میں سمجھ گیا۔“

”کیا سمجھ گئے۔“

”ان ہتھیلوں کا تعلق براؤ راست افریقہ کے کسی جادوگر سے ہو گا۔“

”ممکن ہے۔“

”جہنم میں جائے۔“ حمید جھلا کر بولا۔ ”اچھا بھی بتا دیجئے کہ اس سیکریٹری کے پیچے مجھے اس طرح پھانسے کی کوشش کیوں کی تھی۔“

”تاکہ میری اور تمہاری شکایت کے ڈھیر لگ جائیں اور مجھے سختی سے تنبیہ کی جائے کہ

رشیدہ نے اس کے پیچہ چھوڑ دیئے اور اٹھ کر پیچھے نہیں ہوئی بولی۔ ”میں کیا کروں۔ خدا را بخواہیں۔“ رہنمائی کیجئے۔ میں نے اس کیلئے اپنی زندگی بر باد کر دی ہے لیکن اسے میری پرواہ بھی نہ ہوئی۔ اب وہ ایک ایسی لڑکی کیلئے دیوانہ ہو رہا ہے جو اسے کبھی نہ مل سکے گی۔ ایک نواب کی لڑکی۔ ”راج کماری تارا پیٹر۔“ خاور کے سکریٹری نے دوسرے ملاقاتی کے نام کا اعلان کیا۔ رشیدہ نے تارا کو دیکھا جس کے ساتھ دو سلسلے اور باور دی گاڑی گارڈ بھی تھے۔ وہ اس کے پیچے خاور کے کمرے کے دروازے سکن گئے تھے اور پھر تارا نے انہیں وہیں نہبر نے کا اشارہ کیا ”میں نہیں سمجھی۔“

”وہ ذہین بھی ہے اور احمق بھی۔ اکثر ایسے خطرات بھی مول لیتا ہے جن سے الگ رہنے پر رشیدہ سونپنے لگی کاش وہ معلوم کر سکتی کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے۔“

میں نہ اس کا کوئی فائدہ ہو اور نہ نقصان۔ تم مجھے بتاؤ یہ دیوالگی نہیں تو اور کیا ہے وہ دیوانہ کہ نہیں تھا جو تم آج مجھے اس کی دیوالگی کی کہانی سنانے آئی ہو۔ جاؤ۔ خود کو ان الجھیروں میں زوال۔ مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔“



”آپ مجھے خوفزدہ بھی کرنے ہے ہیں بابا۔ حرم سمجھے۔“

”اچھا تو جاؤ اسی انسان نما بھیڑیے کے پاس جاؤ جس کے لئے اس نے ان معابر دعوت دی تھی وہ خوبیں تمہیں بتائے گا کہ انور کی پوزیشن کیا ہے۔“ ”میں آپ کا اشارہ نہیں سمجھی۔“

”پُنز تارا۔ خوش آمدید۔“ خاور مسکرا یا۔ ”تم کیا چاہتی ہو۔ میری بچی۔“

”میرے پاس اسی ایک موضوع کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔“ تارا نے بھرا کی ہوئی آواز

لما کہا۔ ”اچھی بات ہے۔ تو مجھے اس آدمی کا نام بتاؤ۔ پھر میں دیکھوں گا کہ یہ ممکن بھی ہے یا

کوشش کی تھی۔“

”انپکٹر فریدی۔۔۔ جس کے لئے اس نے چند خطرناک آدمیوں کو بلیک میل کرنے کا

گل۔ تم دونوں کے ستارے موافق ہیں یا نہیں۔“

”اوہ۔۔۔ تو اب سمجھی۔“ رشیدہ دانت پیس کر بولی۔ ”انپکٹر فریدی۔ خدا سمجھے۔ خود خوفزدہ۔“ ”کاش مجھے نام معلوم ہو۔ کہا ہوتا لیکن کل میں اس کی تصویر لینے میں کامیاب ہو گئی ہوں آدمی۔ تو کیا فریدی ہی کی ایماء پر اس نے کسی کو بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔“ ”نیز صاف ہے۔“

”اوہ۔۔۔ بابا۔۔۔ اب یاد آ رہا ہے مجھے۔ وہ اسرار آدمی جس نے انور کی زبان بذرکے

”بے کار ہے میری بچی۔ بھلا تصویر سے کیا ہو سکے گا۔ مجھے تو اس کا نام معلوم ہوتا

کے لئے دو ہزار روپے دیئے تھے۔ کہیں وہی قصہ تو نہیں۔“

”خدا جانے۔۔۔ اب تم جاؤ لڑکی۔ باہر دوسرے بھی منتظر ہیں۔ اتنا زیادہ وقت میں کیا کہا۔“ اشنازدار ہو گا جس کے لئے پُنز تارا جیسی مشکل پسند لڑکی بھی پریشان ہو سکتی ہے۔“

”تارا نے اپنے دنیتی بیک سے ایک تصویر نہال کر خاور کی طرف بڑھائی۔ خاور نے بھی

”میں زندگی بھر احسان مند ہوں گی بابا۔“ رشیدہ نے ایک بار پھر اس کے قدم پہنچا۔ ”لڑکی کہیں تم مذاق تو نہیں

کر رہیں۔“

تارا اس سوال پر ہکا بکارہ گئی۔ تصویر اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

خارو نے پھر سنبھالا لیا۔ تھیر کے آثار چہرے پر غائب ہو گئے اور ان کی جگہ ایک طنز نمبر ڈائل کرنے کے لئے اپنے لفیا ہوئے۔ لیں پلیز پٹ می آن ٹو ٹرین۔“ مسکراہٹ نے لے لی۔

”میں نہیں سمجھی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ اسے پہچانتے ہیں۔“

”اچھی طرح.... یہ شخص ہے جس نے ریاست ورگوئی کی ایسٹ بجا دی۔“ یہ بھائی نہیں۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”لوپس آفیسر کون تھا جس کی شکایت کی ہے آپ نے۔“ تارا نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔ کا تھیہ کر لیا ہے۔“

”نمیں....!“ تارا کی آنکھیں جیرت سے بچھل گئیں۔ ”یہ کون ہے۔“

”انپکٹر احمد کمال فریدی آف سٹرل اٹلی جنس یور یو۔“

”اوہ.... مگر کیوں؟ یہ ہماری ریاست کا دشمن کیوں ہو گیا ہے۔“

”دلوں کی بات صرف خدا ہی جان سکتا ہے بیٹی۔ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا اور پھر۔“ کسی ایسے آفیسر کا نام بھی تو لیا تھا شاید آپ نے۔“ یعنی سار جنت حمید۔

آدمی یہ ایک ایسے پتھر کی چٹان ہے جس کے رخنوں سے بھی پودے نہیں اگتے۔ ستارے کے ”اوہو.... وہ جی ہاں.... وہ انپکٹر فریدی کو است کرتا ہے۔“

ہیں کہ آج تک وہ کسی عورت سے متاثر نہیں ہوا۔ اسے بھول جاؤ لڑکی ورنہ پچھتا وہ گی۔“ ”خیر کوئی بھی ہو۔“ تارا نے لمحے میں لاپرواہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ وہ شکایت

تارا کے چہرے سے اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے خاور کا بائی لمحے۔“

جملہ سنائی نہ ہو۔ پتہ نہیں کیا سوچ رہی تھی۔

”اچھا....!“ یک بیک وہ چوک کر یو۔ ”شکر یہ بابا۔ اب مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔“ ”تمہیں مطلب سمجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔“ تارا جھینجھلا گئی۔

وہ تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گئی۔ شاید اس کے باڑی گارڈز اس کی تیز رفتاری، ”اوکے.... یور ہائی نس.... ابھی شکایت واپس لے لوں گا۔ لیکن اسے ہمیشہ یاد رکھئے کر

متحیر تھے کیونکہ انہوں نے کبھی اُسے اتنی جلدی میں نہیں دیکھا تھا۔

باہر نکل کر تارا نے گاڑی کا اسٹرینگ سنبھالا اور باڑی گارڈز بچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ”ویسے کیا.... ہاں.... ہاں کہو۔“

اسے اچھا نہیں سمجھتی تھی کہ اس کے ساتھ باڑی گارڈز بھی ہوا کریں۔ لیکن کار میں کہہ رہا۔ ”کچھ نہیں یور ہائی نس.... پورے راج محل میں مجھے صرف آپ ہی سے ڈر لگتا ہے۔“

جانے کے بعد سے مجبوراً اسے ایسا کرنا پڑا تھا۔

پرمود ہاؤز پہنچ کر وہ سب سے پہلے فون کی طرف چھٹی اور کسی کے نمبر ڈائل کر۔ ”ہول....!“ تارا نے ہونٹ بچھنچ لئے اور بولی۔ ”رپورٹ واپس لی جائے گی۔“

”دیکھئے یور ہائی فس۔ اب روپورٹ واپس لینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے انہی اطلاعات
ہے کہ دونوں آفیسرز کو آئی بھی نے اپنی کوئی پر طلب کیا ہے۔۔۔ چونکہ فریدی بہت زیادہ میں نہیں بتا سکتی۔“ آدمی سمجھا جاتا ہے اس لئے شاید وہ پارٹنل قسم کی پچکار سے بچ جائے۔“ بہتر ہے۔ لیکن خبر یہ! اس کے
”میں نے کبھی نہیں سنा کہ کسی آئی بھی نے کسی انپکٹر کو پرواہ راست سزا دی ہو۔ پر کام بھی آپ چاہتی ہیں کہ شکایت والی ملی جائے۔“ اسی شبے کا ذہنی ایسی پی بھی انجام دے سکتا ہے۔“

”ہل۔ اگر وہ انکل کا دشمن ہے تو اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا میری داشت میں مناسب نہ ہوگا۔“ میں نے عرض کیا تاکہ وہ بہت سخز آدمی ہے۔ نواب عزیز الدین خان کا نام تسلیم کیا تھا ہیں۔“ کبھی آپ نے۔“

”اوہ.... کیوں نہیں۔ وہی ناجوہ زیادہ تر وقت سیر و شکار میں گزار کرتے تھے۔“ ”مگر ہاں۔“

”انہیں کیوں نہ جانوں گی۔ میں نے بچپن میں ڈیڈی کی زبانی ان کا نام بہت نہیں تھا۔ موم جھیلے ہیں۔“ وہ ڈیڈی کے دستوں میں سے تھے۔“

”تو یہ فریدی نواب عزیز الدین خان کا لڑکا ہے۔“ ”نہیں۔“ تارا فرط حیرت سے اچھل پڑی۔ پھر ہکلائی۔ ”مم.... مگر.... وہ لوگ تو ہے۔۔۔ کیونکہ عام اندازہ کے مطابق میں تسلیم کے درمیان سمجھا جاتا ہوں۔“ دولت مند ہیں۔ شاید ہماری ائمہت کا خیز خزانہ بھی اتنا ہے۔۔۔ ہوتی یعنی کر لئے گئے ہیں۔“ ”جی ہاں۔ میں سمجھ گیا۔ آپ یہی کہنا چاہتی ہیں تاکہ فریدی انپکٹر کیوں کر رہا ہے۔۔۔ آپ کو کس سے معلوم ہوا کہ ائمہت کا دشمن ہے۔“ ”قدرتی بات ہے۔“ تارا نے طویل سانس لی۔ ”ہر آدمی جانتا چاہے گا۔“ ”وہ کریک ہے یور ہائی فس۔۔۔ اسے سراغ رسانی کا شوق ہے۔ اب تک خود یعنی ذلیل ایسا خاور سے۔۔۔ میساختہ تارا کی زبان سے نکل گیا اور پھر غلطی کا احساس ہوتے ہی اس جی تو ہو گیا ہوتا لیکن اسے عہدے کی پرواہ کب ہے۔ وہ تو صرف کام کرنا چاہتا ہے۔۔۔ انہوں دانتوں میں دبایا۔ خود ہی لڑ جھوڑ کر اس نے اپنی ترقی رکوالی ہے۔۔۔ یہ پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔“ ”کیا وہ انکل یعنی رانا صاحب کا دشمن ہے۔“ ”تارا نے پوچھا۔“ ”کیوں؟ یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا یور ہائی فس۔“ ”مجھے اطلاع ملی ہے۔“

”مگر آپ کو اس شہر کی پاگل عورتوں کی بھیڑ میں نہیں دیکھنا چاہتا۔ آپ ایک ائمہت کی
لگائیں۔۔۔ کیا بات ہے۔“

پچھے دیر بعد فریدی کی کیڈی کوٹھی کی کمپاؤٹر سے باہر لکھی تھی اور اس متھ کی گاڑی کا انہی بھی
بوا تھا۔ وہ انہیں اسی جگہ نہیں روکنا چاہتا تھا۔

پچھے دور چل کر دونوں گاڑیاں برادر سے دوڑنے لگیں۔ کیونکہ شادہ سڑک سستان پڑی تھی۔

”اگذل اینک سر...!“ فریدی کی آواز پچھے حیرت زدہ تھی۔

”ایونک... کیوں ادھر کیئے۔“

”ہم تینیں رک کیوں نہ جائیں۔“ فریدی مسکرایا۔ ”شاید آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔“

مارش اس متھ نے گاڑی سڑک کے کنارے لگا کر کھڑی کر دی۔ اس کے پیچھے ہی فریدی

بی بھی رکی۔ حمید گاڑی ہی میں بیٹھا رہا۔ فریدی اور اس متھ نیچے اتر کر ایک طرف بڑھتے

کماری ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافت ہیں۔ ذہین ہیں آپ اس فراؤ کے پاس کس سلسلہ میں اور کہ جا پہنچی۔ اس سے دور رہئے۔ آپ اسٹیٹ کا وقار خاک میں ملا رہی ہیں۔ میں اسے براہ راست
نہیں کر سکتا۔ صرف راتا صاحب کو جواب دہ ہوں اس معاملے میں۔“

اس کا لمحہ تارا کو گراں گز را۔ وہ ماٹھ پیس میں غرائی۔ ”اچھا بکواس بند کرو۔“ اور سلسلہ
منقطع کر دیا۔

سازش

کیپشن مارش اس متھ کو آئی جی کے پی اے سے اطلاع ملی تھی کہ آئی جی کے پا
سار جنت حمید کی کوئی شکایت آئی تھی اور آئی جی نے فریدی اور حمید کو براہ راست اپنے بیگنا
طلب کر لیا ہے۔

بہت بڑی بات تھی اور معاملہ بھی کوئی اہم تھا۔ کیونکہ مارش اس متھ نے جو کسی فریدی
پر کیا تھا اسی کی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہے۔ کیس کی نوعیت سرکاری نہیں تھی۔ مارش انہی
کے ایک دوست نے اس سے نجی طور پر مد طلب کی تھی اور رازداری کا خواہش مند تھا۔

مارش اس متھ نے سوچا کہیں آئی جی کو اس کی اطلاع نہ مل گئی ہو۔ ان دونوں بے خدا
کارروائیاں شاذ و نادر ہی ہوتی تھیں اور اگر ایسی کارروائیوں کا علم اعلیٰ حکام کو ہو جاتا تو اکثر ہا
لجنہنیں پیدا ہو جاتی تھیں۔

بہر حال مارش اس متھ کو اس کی اطلاع ملی اور وہ آئی جی کی کوٹھی کی طرف دوڑ گیا۔
لیکن اندر کیسے جاتا۔ سڑک علی پر ایک جگہ رک کر ان دونوں کی واپسی کا منتظر رہا۔
اندھیری رات تھی اس لئے اس نے اپنی گاڑی کوٹھی سے زیادہ فاصلے پر نہیں روکی تھی
جہاں بھی تھا را بگیروں کی نظر سے ہر حال میں بچا رہتا۔

”صاحب کے پی اے سے معلوم ہوا تھا کہ آپ لوگوں کی کوئی شکایت آئی ہے۔“ مارش

نے پوچھا۔

”جی ہاں... شکایت تھی لیکن الیعنی۔“ فریدی نے کہا اور شکایت کا موضوع دہراتا ہوا

زیوالور حمید کا نہیں ہے۔“

”خواہ تواہ شکایت کی ہے۔“

”خا جانے۔“ فریدی نے اکٹائے ہوئے لبھ میں کہا۔ ”حید نے تو اڑامات تسلیم نہیں
اور گوری اسٹیٹ کے سیکریٹری کا بیان ہے کہ اس کے ساتھ خان بہادر عاصم کا لڑکا بھی

ب میں اس سے بھی پوچھ چکھ کرنا چاہتا ہوں۔“

”آئی جی نے حید کے عذر پر کیا کہا۔“

”ان کے لئے پر مود کا میکری ہم سے زیادہ معتبر ہے۔“ فریدی نے تخت لبھ میں کہا
ان کا خیال ہے کہ اب ہم اس شہر کے لئے موزوں نہیں رہے۔ لہذا تباہ لہ۔“

”یہ زیادتی ہے۔ قطعی غلط ہے۔“ مارش اس متھ نے مضطربانہ لبھ میں کہا۔

”کچھ بھی ہو۔ تبدل نہیں رک سکے گا۔“ فریدی نے محدثی سانس لی۔



”میں پرنسپل تارا سے بخوبی واقف ہوں۔ اکثر بدلنا اس کی پارٹیوں میں جاتی رہتی ہے۔
میں ابھی فون پر اس سے گفتگو کرتا ہوں۔“

”بے کار ہے جناب۔ کچھ نہیں ہو سکتا۔ تبادلہ ہو کر رہے گا۔“

”اور تم...!“

”ہو کر ہی رہے گا۔“

”لیکن تبادلہ۔“

”امتناع دے دوں گا۔“

”نہیں۔“

”اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔“

”میں دیکھوں گا کہ اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔“ اسکے عصیلے انداز میں بڑا بڑا۔

موجودہ آئی جی سے کوئی بھی خوش نہیں تھا اس کے متعلق ہیکری نہیں کہایاں مشہور تھیں۔

وہ پھر گاڑیوں کی طرف واپس آئے اور اسکے نے فریدی کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ

وہ معاملات کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ خواہ اسے آئی جی سے بھی آگے کیوں نہ بڑھنا پڑے۔

کچھ دور چل کر ان کی راہیں الگ ہو گئیں۔

حمدید نے فریدی سے کہا۔ ”وہ یکریٹری کا بچہ صورت سے ہی انتہائی سور معلوم ہوتا تھا۔“

”مجھے ہر قسم کے سور کے شکار کا تجربہ ہے۔ تم فکر نہ کرو۔“

”نواب خان بہادر عاصم کی طرف جانے کا ارادہ ہے۔“

”فضول ہی سمجھتا ہوں اسے۔ میری دانست میں تو وہ آدمی اتنا یقین و غوف نہیں ہو سکتا کہ

اعتراف کر لے۔“

”ارے وہ حماقتوں کا پہاڑ ہے۔“

”دیکھا جائے گا۔“ فریدی نے لاپرواں سے شانوں کو جبکش دی۔

پر مود ہاؤز کا گرانٹ گرام بظاہر نہایت شریف آدمی تھا لیکن بہت کم لوگ جانتے تھے کہ
ذلیل بھی تھا۔ کئی بار کا سزا ایاب۔ گرستارے اچھے ہی تھے کہ پھانسی کے تختے کی راہ پر نہیں
”میری چھوڑی ہے۔ میں نے وعدہ کیا ہے کہ آپ کا کام بخوبی سرانجام دوں گا۔ وہ بھر کا تھا۔ یکریٹری کے خاص آدمیوں میں سے تھا اور شاید صرف وہی اس کے متعلق بہت
ہو کر ہی رہے گا۔“

”اس وقت وہ ہاں آیا سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور گرانٹ گرام انسرومنٹ کو اس
چکر کرنے لگا بیٹھے وہ اُس سے چڑھا رہا ہو۔“

”ہا لو....!“ وہ ریسیور اٹھا کر ماڈھ پیس میں دھاڑا۔ پھر یک بیک اس کے چہرے پر
لادھ کے آثار نظر آئے۔ کیونکہ دوسری طرف سے یکریٹری نے مخاطب کیا تھا۔

”کیا تم نہیں میں....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”نن... نہیں... بخ جناب۔ معافی چاہتا ہوں۔“ گرانٹ گرام ہونٹوں پر زبان پھیر کر ہکلایا۔
”خیر دیکھو.... انپکٹر فریدی پرنسپل تارا سے ملنے آ رہا ہے۔“

”جی....!“ گرانٹ گرام نے اس طرح پوچھا جیسے اپنی ساعت پر یقین نہ ہو۔

”انپکٹر فریدی پرنسپل تارا سے ملنے آ رہا ہے۔ ملاقات کے بعد اس کی واپسی اس کا ریڈر
تھا ہونی چاہئے جس کی نکاسی لفٹ ونگ سے ہوتی ہے۔“

”لفٹ ونگ۔“ گرانٹ گرام کی آواز کا نبض گئی۔

”اوہہ....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کیا تم خوفزدہ ہو۔“

”نن... نہیں تو جناب۔“ گرانٹ گرام کا سینہ دھونکی کی طرح چلنے لگا۔

”واپسی لفٹ ونگ سے ہونی چاہئے۔“ ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا گیا۔

پھر گرانٹ گرام نے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی ریسیور رکھ دیا تھا۔ اس کے

پر زردی سی چھا گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کسی کے لفٹ ونگ سے گزرنے کا مطلب۔ پر مود

ہاؤز کے سیکڑوں راز اس کے سینے میں دفن تھے۔ نہ جانے کتنے معزز مہمانوں کو لفٹ ونگز
تزریق ہے تو خود راج کماری تارا بھی اس سے ملنے کے لئے تیار ہوگی۔ سکتر صاحب کی
ایکیں ہر اعتبار سے مکمل ہوتی ہیں۔ لیکن فریدی... فریدی!

اس نے فون پر پرسز تارا سے رابطہ قائم کیا۔

”کون... کیا کہا۔“ دوسرا طرف سے حیرت زدہ سی آواز آئی۔

”کیا آپ اس وقت انکپٹ فریدی سے ملتا پسند فرمائیں گی یورہائی نس۔“

”اوہ... کیا وہ آئے ہیں۔“

”لیں یورہائی نس... وہ ملاقات کے کمرے میں آپ کے جواب کے منتظر ہیں۔“

”میں ضرور ملوں گی۔“

سگرام نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے رسیور رکھ دیا۔



فریدی کو یہاں کئی جانی پہچانی شکلیں نظر آئی تھیں۔ اس نے سوچا معاملات کافی آگے
بڑھ کر ہے۔ اسے محتاط رہنا چاہئے۔ شاید اس کے فرشتوں کو بھی خیال نہ آتا کہ پرمود ہاؤز
میں اس قسم کے لوگ بھی دکھائی دیں گے۔

کچھ دری بعد تارا کی یکریٹری نے آکر اطلاع دی کہ پرسز آیا ہی جاہتی ہیں۔
پھر تارا آئی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ فریدی احتراماً کھڑا ہو گیا۔
”اوہ... تشریف رکھنے جناب۔“ تارا کے لمحے میں براجت تھی۔

”نادقت تکلیف دھی کی معانی چاہتا ہوں۔“ فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔ ”لیکن معاملہ بیساکی تھا۔“

”مجھے بے حد افسوس ہے۔“ تارا نے کپکپا تھوڑی آواز میں کہا۔ ”مجھے علم نہیں تھا کہ وہ
اہل کون تھے۔“

گزرتے دیکھ چکا تھا۔ لفت ونگ جس کی نکاسی کا دروازہ عدم آبادی میں کھلتا تھا۔ لیکن انکو
فریدی! سگرام اپنی پیشانی رگز نے لگا۔ وہ فریدی سے اچھی طرح واقف تھا خود بھی فریدی کی
لئے اجنبی تو نہیں ہو سکتا تھا۔

اس نے سوچا وہ پرسز تارا سے کیوں ملتے آ رہا ہے؟ اور پھر اس وقت کا کام رات کے
دہ بجارتہا۔ پرسز تو خواب گاہ میں چل گئی ہوں گی۔ ممکن ہے اس وقت وہ اس سے ملتا پسند
ہی نہ کریں۔ لیکن شاید انہیں ملتا ہی پڑے گا کیونکہ سکتر صاحب اس کی واپسی لفت ونگ سے
چاہتے تھے۔

سگرام کے تحت نصف درجن بُرے آدمی بھی تھے اور یہ سیکریٹری ہی کی ایمیاء پر ملازم
رکھے گئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی نویعت کا شاطر ترین آدمی تھا۔ یک بیک انہیں سے
ایک نے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔

”آؤ...!“ سگرام اسے گھوڑتا ہوا بولا۔ کیونکہ اس کے چہرے پر سر اسی مگر کے آثار نظر
آئے تھے۔

”کیوں...؟“

آنے والے نے کسی کاملاً قاتی کا رذ اس کی طرف بڑھایا۔ یہ فریدی ہی کا کارڈ تھا۔

”راج کماری سے ملتا چاہتا ہے۔“ آنے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہوں... اچھا جاؤ اور اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ اس کی واپسی لفت ونگ سے ہو گی۔“

”جی....“ آنے والا تختیر انداز میں اچھل پڑا۔

”لفٹ ونگ.... کیا تم نے سنائیں۔“ سگرام جھلا گیا۔

”جی... جی ہاں... کس کن لیا ہے۔“

”دفع ہو جاؤ۔“ سگرام غرایا۔ اس کے چلے جانے کے بعد پھر اس کے چہرے پر زردی
چھا گئی اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب اسے لفت ونگ سے

”اس کی بات نہیں۔ بدتمیزوں کو یقین طور پر سزا ملی چاہئے۔ مگر دشواری یہ ہے کہ سارجنز حمید نے اس الزام کو تسلیم نہیں کیا۔ شوت میں جور بیوالور پیش کیا گیا ہے وہ بھی اس کا نہیں۔“
”دیکھئے تا۔۔۔ دراصل مجھے غلط فہمی ہوئی تھی۔“ تارا نے چڑھتی ہوئی سانسوں پر ٹائپاپن کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”پتہ نہیں میری گاڑی میں کوراکس نے ڈالا تھا۔“

فریدی نے سکی ان سکی کر کے کہا۔ ”کیا آپ مجھے رانا صاحب کے سکریٹری سے ملوکیں گی؟“
”کیوں نہیں۔ ضرور ضرور۔ لیکن ان کا ملنا مشکل ہی ہوتا ہے۔“

”آپ صرف پتہ بتا دیجئے۔“

”فون نمبر لکھ لیجئے۔ وہ اڈلفیا کے ایک شخص تھرٹن پر ضرور ملتے ہیں۔“

”شکریہ۔۔۔ بہر حال میں آئی جی صاحب کو مطمئن نہیں کر سکا۔ حالانکم۔۔۔“

”وہ دیکھئے میں انہیں مطمئن کر دوں گی۔ شکایت واپس لے لوں گی۔ مجھ سے بتایا گیا تھا کہ وہ آپ کا اسنٹن ہے لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کون ہیں۔ آپ یعنی کہ میں آپ کو فریدی صاحب کی حیثیت سے نہیں جانتی تھی۔ اُوہ۔۔۔ وہ اس طرح خاموش ہو گئی جیسے بے خبری میں کوئی غلط بات زبان سے نکل گئی ہو۔ پھر جلدی سے بولی۔ ”دیکھئے مجھے علم نہیں تھا کہ نواب عزیز الدین خان صاحب۔“

”اوہ۔۔۔ اُسے بھول جائیے۔ میں بھی بھول گیا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ آپ کے والد شمشیر سنگھ بہادر سے اُن کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ بہر حال آپ آئی جی کو مطمئن کر سکیں تو بہتر ہے۔۔۔ ویسے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ آپ کی گاڑی میں حمید نے کورانہ ڈالا ہوگا۔ یہ بھی محض اتفاق ہے کہ اس وقت وہی آپ کی گاڑی کے پیچھے تھا۔“

”مجھے یقین ہے۔ میں ابھی اور اسی وقت آئی جی کو رنگ کروں گی۔“

”شکریہ۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

”سک سردی۔۔۔ بہت ہے۔“ تارا بکلائی۔ ”کیا آپ ایک کپ کافی پینا بھی پسند نہیں کریں گے۔“

”شکریہ پرنسز۔۔۔ اس وقت جلدی میں ہوں پھر کبھی۔۔۔“
”کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ۔۔۔!“ تارا خاموش ہو گئی۔
”ہاں فرمائیے۔۔۔“

”میں یہ کہہ رہی تھی کہ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ پرانے تعلقات پھر استوار ہو جائیں۔۔۔“
”اوہ۔۔۔ ضرور ضرور۔۔۔ شکریہ۔۔۔“ فریدی مسکرا یا۔۔۔ لیکن پھر یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔۔۔ ایک دروازے میں پھر اسے ایک چونکا دینے والی شکل نظر آئی تھی۔

یہ سکرام تھا۔ دروازے سے نکلتے وقت اس نے کہا۔ ”ادھر سے چلتے جناب۔ کپڑوں میں لہوں کے کتنے چھوڑے جا چکے ہیں۔۔۔“
”ہاں۔۔۔ چلو چلو۔۔۔“

وہ ایک جانب چل پڑے۔ سکرام ایسے ہی عادی مجرموں کی لست پر تھا جس سے مخصوص تم کے جرائم کے سلسلے میں ضرور پوچھ گچھ کی جاتی تھی خواہ وہ شہر کے کسی حصے میں ہوئے ہوں۔
بت دنوں سے وہ نظریں آیا تھا۔ اس نے فریدی کا خیال تھا کہ وہ شہری چھوڑ چکا ہے۔
”لک۔۔۔ کیسے تشریف لائے تھے جناب۔۔۔“ اس نے بھرا ہی ہوئی آواز میں پوچھا۔
”آہ۔۔۔ خبر و بھی۔۔۔“ وہ کاریڈر کے موڑ پر رکتا ہوا بولا۔ ”یہیں سے عمارت کے باہمی بازوں لا کاریڈر شروع ہوتا تھا۔ سکرام رک گیا۔ فریدی نے پوچھا ”سارجنز حمید کو پہچانتے ہوئے۔۔۔“

”کیوں نہیں۔ ضرور پہچانتا ہوں جناب۔“

”وہ یہاں کتنی دیر بندر کھا گیا تھا۔۔۔“

”تقریباً پندرہ گھنٹے۔۔۔ م۔۔۔ مگر۔۔۔!“

”پرواہ مت کرو۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔۔۔ میں صرف سکریٹری سے وہ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ وہ کہاں ملے گا۔۔۔“

”یہ بتانا میرے بس سے باہر ہے جناب۔۔۔ ان سے اچانک ہی ملاقات ہوتی ہے کوئی نہ جانتا کہ وہ کب اور کہاں ہوں گے۔۔۔“

”فون نمبر۔“

”خود مجھے کبھی ضرورت نہیں پیش آئی فون کرنے کی۔ اس لئے اس سلسلے میں بھی میں کوئی مدد نہ کر سکوں گا۔ دیکھنے میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ سارجنٹ جمیڈ بیجال کیوں لائے گئے ہیں۔ مجھے تو اس وقت معلوم ہوا جب ان دونوں کو اسٹریچر پر انھا کر اندر لا یا جارہا تھا۔ ورنہ میں پہلے سے کوئی تدبیر کر لیتا۔“

”دیکھنے....!“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”میں آپ لوگوں کو آگاہ کر دیتا کہ آپ کے لئے کوئی جال بچایا جا رہا ہے۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ اصلیت کیا تھی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ جال ہی تھا۔“

”ہوں.... اچھا چلو۔“

”ایک منٹ.... میں یہاں دھو کے میں آپھنسا تھا۔ ورنہ آپ جانتے ہیں کہ جب میں دولت گنج میں رہتا تھا۔“

”ٹھیک ہے۔ اسی لئے مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کیونکہ تم نے مجھ سے ہی وعدہ کیا تھا کہ اب تم باعزت طور پر زندگی بسر کرو گے اور شاید کچھ دنوں کیلئے جی بھی کر دکھایا تھا۔“

”بس پھنس گیا تھا۔ پھر بتاؤں گا۔ وقت کم ہے۔ اب آپ کو اس کاریئر میں مرتا ہے۔ فرش پر رنگین بلاک لگے ہوئے ہیں۔ پوری راہداری میں سیاہ رنگ کا بلاک صرف ایک ہی ہے۔ اس پر پیر نہ پڑنے پائے۔ اختیاط رکھئے گا۔ میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔ لیکن وہ چکخت۔ میں انہیں راز دار نہیں بنا سکا۔ وہ آس پاس کے کمروں میں چھپے ہوئے ہوں گے۔ جب دیکھیں گے کہ آپ بلاک پر پیر رکھے بغیر ہی گزر گئے تو وہ آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ دھمل کر لے جائیں گے اسی بلاک پر اور آپ....!“

”اور میں تیری سے کسی تہہ خانے میں پہنچ جاؤں گا۔“ فریدی مسکرا یا۔

”جی ہاں.... جی ہاں۔“ وہ یوکھلائے ہوئے لجھے میں بولا۔ ”میں آپ کے ساتھ ہی ہوں گا۔ لمبا قدم رکھ کر سلیپ پار کرتے ہوئے میرے منہ پر ایک زور دار گونہ جلد دیکھنے گا اور پھر

”لے کے درمیان لو ہے کا ایک بہت بڑا گولا پھنسا ہوا نظر آیا۔

پھر کامٹا

جمید نے اپنا ملاقاتی کارڈ نکالا اور اس کی پشت پر قلم سے قلم ڈائریکٹر لکھ کر ملازم کی طرف ہادیا۔

وہ اس وقت قاسم کی ذاتی رہائش گاہ خان دلا کے برآمدے میں کھڑا تھا۔
کچھ دور بعد ملازم نے واپس آ کر کیا۔ ”چلنے صاحب۔“

وہ ایک وسیع ڈرائیکٹ روم میں داخل ہوئے۔ پھر ملازم واپس چلا گیا۔ قاسم سامنے ہی
دنے پر نیم دراز تھا اور اس کے دونوں گالی نبڑی طرح پھولے ہوئے تھے۔ اس کے سامنے
اصوفے پر ایک او ہیز عمر کی زس موجود تھی۔

”قق.... قوں.... قق توں۔“ قاسم نے ہاتھ ہلا کر ہونٹوں کو جنبش دیئے بغیر آوازیں
بیل۔ غالباً اشارہ تھا بیٹھ جاؤ۔

جمید نے حیرت سے نس کی طرف دیکھا اور وہ صرف سکرا کر رہ گئی۔ پھر وہ قاسم کی
زدیکی نہیں لگا۔

وھٹا قاسم نے عجیب سی آواز نکالی۔ ”یوما.... ہپ.... انکا۔“ بھاٹ سامنہ پھیل گیا اور

پھر قاسم نے اسے دانتوں سے کھینچ کی کوشش کر کے غالباً یہ جتایا کہ گولا پھنس گیا ہے۔
نکل نہیں سکتا۔ بوڑھی نریں ہنس رہی تھی۔

اب قاسم نے ایک چھوٹی سے لکڑی اٹھائی اور اسے اپنے سر کے گرد گھمایے تھا۔
دیکھتے ہی دیکھتے گولا بھی دانتوں سے کھینچا اور اسے اچھاتا ہوا بولا۔ ”یہ دخنو۔“

گولا بھد سے زمین پر گرا۔ نریں نے تھاشہ ہنس رہی تھی۔

”پھنس جاتا ہے سالا۔۔۔ پھر جادو کی لغزی گھمنی پڑتی ہے۔“ قاسم نے بھی بہت زیاد
لیکھا۔۔۔ ورنہ تمہاری وہ کٹو یقین تو کمال کھیپخوا کر بھس بھر دیتیں۔“

”اچھا اب مجھے اجارت دیجئے۔“ نریں اٹھتی ہوئی بولی۔

”بہت اچھا۔۔۔ بہت اچھا۔“ قاسم نے بھی اٹھتے ہوئے اخلاقاً دانت نکالے۔

نریں کے چلنے پر حمید نے قاسم کو گھونتے ہوئے پوچھا۔ ”آپ کی تعریف۔“
قاسم نہ اسامنہ بنانا کر آہستہ آہستہ بڑا بڑا۔ ”صورت حرام۔۔۔ کہیں۔۔۔ ذلیل۔“

”ہائیں کے گالیاں دے رہے ہو۔“

”انہیں بخیم صاحب کو خود اکیلے اکیلے۔۔۔ دیکھ لیں گی تماش۔۔۔ صاحب جادی کو کبھی سارتو
نہ لائیں گی۔“ قاسم نے جلنے کی لبجھ میں کہا۔ پھر جہاڑا کر بولا۔ ”اے قیوں نہ دوں غال۔۔۔
توئی شرافت ہے۔“

”کیا کہر ہے، ہو پیارے۔۔۔ سمجھنے بھی تو دو۔“

”اے خود تو دیکھتی ہیں تماش و ماش اور وہ بیچاری گھر میں اقلیٰ پری جلا کر حاکرتی ہے۔۔۔
بلقل بلقل۔۔۔!“ قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی پھر گڑ بڑا کر پیٹ پر
انہیں جہرا ہوا بولا۔ ”ہائے لا اب میں کیا قروں۔۔۔ اگر شکایت ہو گئی۔۔۔ ارے باپ رے۔۔۔“

”ٹھنڈے سے۔“ قاسم پھر جھلا گیا۔ ”بھس میں عقل بھرا ہوا ہے تمہارے۔۔۔ الی سی بات۔۔۔“
”ٹھنڈے ہو رہا ہو۔“ اس نے ٹھوک نکلتے وقت خوفزدہ انداز میں آنکھیں نکالیں اور اس طرح گردن ملنے کا
میں نہیں آتی۔۔۔!“

”سمجھ گیا۔۔۔ لیکن یہ محترمہ اکیلی ہی سہی آتی کیوں ہیں۔“

”قوں نہ آئیں۔۔۔ رو ق دو۔۔۔ اگر بہت ہو۔“ قاسم نے مرنے مارنے والے انداز میں
”اکھی تو نہیں۔۔۔ قیا۔۔۔ بھیں گے؟“

”یہ مطلب نہیں تھا پیارے۔۔۔ میں تو اس کی نالائقی پر خفا ہو رہا تھا۔“

”ہے نالاںک۔۔۔ داہیات۔“

”خبر یہ تباہ شکایت تو نہیں آئی۔“

”غاس۔۔۔ خوب یاد دلا یا۔۔۔“ قاسم دہڑا۔ ”یہ تباہ بیٹا چار سو میں تم نے مجھے الو کیوں بنا لیا۔

”نہ لئے شونک ہو رہی ہے۔۔۔ اور ہو رہا تھا سالا تچھ گھپلا۔۔۔ اب اس سیکریٹری صاحب کو رحم
لیکھا۔۔۔ ورنہ تمہاری وہ کٹو یقین تو کمال کھیپخوا کر بھس بھر دیتیں۔“

”اچھا تو پھر ساپ تم نے ڈالا ہو گا اس کی گاڑی میں۔“

”میں نے۔۔۔ ابے کیوں جھوٹ بولتے ہو۔۔۔ آنکھیں پھوٹ جائیں تین من کیڑے پڑیں
میں نے ڈالا ہو۔۔۔ واہ بھی کھوب رہی۔“

”تو بتاؤ تا۔۔۔ پھر کس نے ڈالا تھا۔“

”ابے میں قیا جانوں پیارے بھائی۔“

”کسی نے ڈالا تھا۔۔۔ بہر حال محض اس لئے کہ ہم کپڑے جائیں۔۔۔ مگر کیوں؟“

”تم ہی پھر ماڈ۔۔۔ اپنے تو کچھ پلے پڑنا نہیں۔“

”تمارے کسی دشمن کی حرکت تھی تاکہ ہم پھنس جائیں۔۔۔ سنا ہے تمہارے باپ بہت خال
لیں۔۔۔“

”بلقل بلقل۔۔۔!“ قاسم نے کچھ سوچتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی پھر گڑ بڑا کر پیٹ پر
انہیں جہرا ہوا بولا۔ ”ہائے لا اب میں کیا قروں۔۔۔ اگر شکایت ہو گئی۔۔۔ ارے باپ رے۔۔۔“

”کون۔۔۔“

”ٹھنڈے سے۔“ قاسم پھر جھلا گیا۔ ”بھس میں عقل بھرا ہوا ہے تمہارے۔۔۔ الی سی بات۔۔۔“

”ٹھنڈے ہو رہا ہو۔“

”پوچھا تھا تمہارے باپ نے۔“

”اکھی تو نہیں۔۔۔ قیا۔۔۔ بھیں گے؟“

”میں کیا جانوں۔“

”نہیں بتا دو پیارے بھائی.....الا قسم پوچھ بیٹھے تو کیا ہوگا۔ اب وہ زبان سے نہیں پوچھ
ہائے باپ رے۔“

”ارے تو کیا واقعی پنائی ہوتی ہے۔“

”ہاں....!“ قاسم دردناک آواز میں کرایا۔ ”بس کیا بتاؤ۔ مکدر کی خرابی۔ میں اتنا یا
ہو گیا ہوں مگر میرے بابا جان ابھی تک نہیں مرے۔ اوف.... اوف.... لیعنی کہ ارے باپ رے
کیا باتِ رہا ہوں۔“ وہ خاموش ہو کر اپنے ہونٹوں پر ہاتھ رسید کرنے لگا۔

حمدید نہیں پڑا۔ پھر بولا۔ ”اچھا کوہستان سلہ اب ایک بات یاد رکھو۔ کوئی بھی کچھ پوچھ
اس واقعہ کے متعلق صاف اثکار کر دینا۔ تم کچھ نہیں جانتے۔ تم نے کسی لڑکی کو کبھی سانپ سے
نہیں پچایا تھا۔ سب جھوٹ ہے۔ بکواس ہے۔“

”ہائیں۔ سب جھوٹ تھا۔ سب جھوٹ ہے۔ بکواس ہے۔“

”خیر یہاں تو صرف آنکھیں پھوٹیں گی لیکن تمہارا بھرتا بن جائے گا۔“ بس اب میں جارہا
ہوں۔ یہی کہنے آیا تھا۔“

”آئے.... آئے.... ارے.... نھیں دیکھو۔ میری بھی تو سنتے جاؤ۔“

حمدید رک کر مڑا اور قاسم مسمی ہی صورت بنا کر بولا۔ ”یوں کھفا ہو کر نہ جاؤ۔ پیارے نہ
جانے قیابات ہے جب سے تمہیں دیکھا ہے ہر وقت تمہارے لئے بے قرار رہتا ہوں۔ عیا عیا
ہی۔..... الا قسم.... بکھن کرو۔ تم میں پتہ نہیں کہ ہر سے جادو بھرا ہوا ہے۔ ایسا دوست آج تک نہیں
ملا اور اسے ہاں۔ یہ تمہارے کارڈ پر یہ کیا لکھا ہوا ہے۔ کیا وکھی تم قوی آفیسر ہو۔“

”حمدید نے اسے سمجھایا کہ وہ کون ہے۔“

”اے تو پھر کرونا جاسوی واسوی۔“ قاسم خوش ہو کر بولا۔ ”میں نے ایک بھلم میں دیکھا
تھا۔ لوٹیاں دھڑا دھڑا مرتی ہیں جاسوسوں پر..... اللہ۔“ قاسم نے ٹھنڈی سانس لی اور خاموش
ہو کر کچھ دیر تک کسی خیال میں گم منہ چلاتا رہا۔ پھر بولا۔ ”ہائے ہم نہ ہوئے قسی کامل۔“

”لہر مت کرو تو نظر..... میں تمہیں مقابل بنا دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔“
”بیکارے ہوتا ہے پیارے بھائی۔“
”بہت زیادہ قابل۔ اچھا بلکہ آرام کرو۔ میں چلا۔“

”اے نہیں اتنی جلدی نہ کرو۔ ہائے یہ جالم جمالا۔ اب دیکھو جو یہ چپاں بیغم۔ ابھی
لئے بیغم۔ بیماری میں میری دنخ بھال کرتی ہیں ارے تو جب بیمار نہیں ہوتا تب بھی کیوں
نہیں۔ تیکھیں..... ہاں صاحب۔ تماشہ دکھا دیجھے اور وہ نہیں آتیں کبھی تماشہ دیکھنے۔!“
”کون....؟“

”ارے وہی.... ان کی صاحب جادی۔“

”ان میں کیا خاص بات۔“

”اے واہ تو یہی خاص بات ہی نہیں ہے۔ اے جاؤ.... بس جل گئے۔“

”کہاں کی ہاں کر رہے ہو۔“

”تو اور سنو.... میں جھوٹ بول رہا ہوں۔“

”یاہ بس ختم کرو۔ میں چلا پھر ملوں گا۔“ حمدید نے تیزی سے قدم بڑھائے۔ قاسم پکارتا

بیا۔



”یہی محتاط ہو کر قدم اٹھا رہا تھا۔“ فاختا سنگرام نے سرگوشی کی۔ ”ہاتھو ایسا ہی ہونا چاہئے
ماجب کر کیں کچھ دیر کے لئے بے کار ہو جاؤں۔“

”یہی کچھ نہ ہو۔“ راہداری میں فرش پر لگے ہوئے بلاک کم از کم سولہ مرینج فٹ کے
ہے ہوں گے۔ فریدی نے سیاہ رنگ کے مرینج بلاک کے قریب بیٹھ کر چلا گئے لگاتے

ہوئے سگرام کی کنپی پر ایک ہاتھ جڑ دیا۔
لیکن ان چھ آدمیوں نے بھی ظاہر ہونے میں درینہیں لگائی جن کے متعلق سگرام اور
پہلے ہی بتا چکا تھا۔

سگرام اتفاق سے سیاہ رنگ کے بلاک پر ہی گرا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بلاک پر
فرش پر دھستا چلا گیا اور جلد ہی کھڑا کے کی آواز کے ساتھ بلاک وبارہ اپنی جگہ پر نظر آیا۔
”کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے دانت بیس کر کہا۔

سگرام اتفاق سے سیاہ رنگ کے بلاک پر ہی گرا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بلاک پر
”ف..... فریدی سرکار۔ پہلے اور نے استاد کو مارا۔ وہ بلاک ہی پر گرے اور اب!“
”اوہ...“ سیکریٹری نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اب وہ خود بھی اس
ن شروع کر دے گا۔

ان چھ آدمیوں نے فریدی پر اسی نیت سے حملہ کیا تھا کہ کسی طرح اسے سیاہ بلاک
طرف دھکیل لے جائیں لیکن ایسی صورت میں جبکہ فریدی ہوشیار ہوا تھا ہر چیز ناممکن تھی
کہ رکیا تھا۔ استاد نے پکونا چاہا لیکن خود ان کا یہ جھر ہوا۔

پہلے تو وہ لوگ بڑی خاموشی سے جدو جہد کرتے رہے لیکن جب فریدی کے ہاتھ پڑنے شروع
ہوئے تو بخط کے باوجود بھی ان کے بھیج ہوئے ہوتوں سے غرائبیں اور کراہیں آزاد ہو
گلیں۔ وہ خود بھی اس سیاہ رنگ کے بلاک سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن دھناؤ!
آدمی بڑھ کر اپنی گھر ایسی پرستے فریدی کی ”گھ... گھ...“ اچھا اور اسی بلاک پر جا پڑا۔ پھر قابل
لیکھا۔

”بکواس بند کرو۔“ سیکریٹری غرایا۔ ”تم سب ناکارہ اور بزدل ہو۔ میں نے تمہارے
کے کوہ سنجھلا بلاک کا فی گھر ایسی میں دھنس چکا تھا۔“

اب تو سور سے کاریئر گو بننے لگا تھا۔ وہ فریدی کے ہاتھ کھا کر گرتے پھر سمجھتے اور
سرے سے حملہ شروع ہوتا۔ پھر شاید آہستہ آہستہ وہ بھولتے گئے کہ فریدی کو کوہرے نے کام
تھا۔ اب تو وہ اپنی جدو جہد کا تیج فریدی کی لاش کی ٹھکل میں دیکھنا چاہتے تھے۔
”فتا کاریئر کے سرے سے تارا کی سریلی سی گرج سنائی دی۔“ ”ٹھہر و... یہ کیا ہو رہا
ہے ذکر نہ ہو۔“

”تمہوش رہو۔“ سیکریٹری غرایا۔

مگر یہک بیک بلاک کی آنکھوں میں دیوالگی کی جھلکیاں دکھائی دینے لگیں اور اس نے
ان گھر اہٹ کے ساتھ کہا۔ ”سرکار کے حکم سے ہم نے نہ جانے کیا کچھ کیا ہے۔ لیکن یہ
ہے بکار۔ میرا فرض ہے کہ آپ کو آگاہ کر دوں۔ یہاں اس شہر میں وہ دھاندیاں نہیں
مدد شد کے کسی بھی جرام پیشہ آدمی سے پوچھئے وہ آپ کو یہی بتائے گا کہ فریدی سوتے

سگرام اتفاق سے سیاہ رنگ کے بلاک پر ہی گرا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ بلاک پر
فرش پر دھستا چلا گیا اور جلد ہی کھڑا کے کی آواز کے ساتھ بلاک وبارہ اپنی جگہ پر نظر آیا۔
”اوہ...“ سیکریٹری نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اب وہ خود بھی اس
ن شروع کر دے گا۔

ان چھ آدمیوں نے فریدی پر اسی نیت سے حملہ کیا تھا کہ کسی طرح اسے سیاہ بلاک
طرف دھکیل لے جائیں لیکن ایسی صورت میں جبکہ فریدی ہوشیار ہوا تھا ہر چیز ناممکن تھی
کہ رکیا تھا۔ استاد نے پکونا چاہا لیکن خود ان کا یہ جھر ہوا۔

پہلے تو وہ لوگ بڑی خاموشی سے جدو جہد کرتے رہے لیکن جب فریدی کے ہاتھ پڑنے شروع
ہوئے تو بخط کے باوجود بھی ان کے بھیج ہوئے ہوتوں سے غرائبیں اور کراہیں آزاد ہو
گلیں۔ وہ خود بھی اس سیاہ رنگ کے بلاک سے بچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن دھناؤ!
آدمی بڑھ کر اپنی گھر ایسی پرستے فریدی کی ”گھ... گھ...“ اچھا اور اسی بلاک پر جا پڑا۔ پھر قابل
لیکھا۔

اب تو سور سے کاریئر گو بننے لگا تھا۔ وہ فریدی کے ہاتھ کھا کر گرتے پھر سمجھتے اور
سرے سے حملہ شروع ہوتا۔ پھر شاید آہستہ آہستہ وہ بھولتے گئے کہ فریدی کو کوہرے نے کام
تھا۔ اب تو وہ اپنی جدو جہد کا تیج فریدی کی لاش کی ٹھکل میں دیکھنا چاہتے تھے۔
”فتا کاریئر کے سرے سے تارا کی سریلی سی گرج سنائی دی۔“ ”ٹھہر و... یہ کیا ہو رہا
ہے ذکر نہ ہو۔“

لیکن فریدی نے اس آدمی کو دوسروں پر چینک ہی مارا جسے اس نے سرے بلند کر کھا تھا۔
پھر بلاک ایک جھٹکے کے ساتھ رک گیا اور مار کھائے ہوئے بلاک کے کو ایسا معلوم ہوا
جیسے کسی نے اسے بلاک سے دھکا دے دیا ہو۔ مگر گھر اہٹ کی آوازیں کانوں میں گونجیں۔
”اوہ رام خورو۔“ اس نے سیکریٹری کی گرج سنی اور بکھلا کر اٹھ بیٹھا۔

وقت بھی ایک آنکھ سے جاگتا رہتا ہے۔“

”میں کہتا ہوں کواس بند کرو۔“ اس بار سیکریٹری کی آواز بہت بلند ہو گئی۔ وہ خونر
نظرلوں سے لاکے کو گھور رہا تھا۔

”تم حرام خور ہو۔ مفت کے لکڑے توڑتے ہو۔“ چند لمحے بعد وہ پھر غرایا۔ ”ایم بر ان کے ہاتھ رک گئے۔“ سے مل گئے ہو۔“

”یہ کیا یہودی کچھ لالی ہے تم لوگوں نے۔“ وہ غصیل آواز میں کہتی ہوئی آگے بڑھی۔
”وہیں ٹھہریے۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”کیوں... کیا بات ہے۔ یہ کیا ہوا۔ تم لوگوں نے اس کی جرأت کیسے کی۔ کس کے حکم
،“ تارا آپ سے باہر ہو رہی تھی۔ فریدی نے اُسے غور سے دیکھا۔ اس کی دانت میں
،“ سرکار... اپنا لبج سنجا لئے... ہم اس کے عادی نہیں۔ خواہ ہمارا بابا پ علی کیوں نہ
کارداز بناوٹی نہیں تھا۔ لیکن پھر... پھر شاید وہ سیکریٹری کے معاملے میں دخیل نہیں ہے۔
بی نے سوچا۔ حتیٰ کہ اس کے مختلف مشاغل کا علم بھی نہیں رکھتی۔

”ہم سے ٹکرام نے کہا تھا مکاری جی۔“ ایک آدمی نے ہاتھ پتھر کے چہرے کہا۔
”ٹکرام کہاں ہے۔“
”پپتہ نہیں۔“ اس نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اُن سے فریدی نے اندازہ کر لیا کہ تارا شاید نہیں جانتی کہ یہاں کوئی تہہ خانہ بھی ہے۔
اُن سے ایک آدمی کو سیاہ بلاک پر دھکیل دیا۔ لیکن اس بار بلاک نے اپنی جگہ سے جبنش بھی
اور وہ آدمی فریدی کو گھوڑتا ہوا دوسرا طرف ہٹ گیا۔

”اب آپ قریب بھی آ سکتی ہیں۔“ فریدی مسکرا یا۔
”آپ یقین کیجئے اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔“ تارا آگے بڑھتی ہوئی بولی۔
”مجھے لیکن ہے۔“

”آٹھنگرام کو جرأت کیسے ہوئی۔“ اس نے قریب پہنچ کر ان پانچوں کو مخاطب کیا۔
”ہم کچھ نہیں جانتے سرکار...!“ ایک آدمی نے جواب دیا۔ ”ہم تو حکم کے بندے
کثر صاحب کا حکم ہے کہ ہم ٹکرام کا ہر حکم بجالائیں۔“

”میں کہتا ہوں استاد کی خبر لیجھے۔“ لاکے نے بے ہوش ٹکرام کی طرف دیکھ کر
”چھرے پر درم اچھی علامت نہیں۔“ بسا اوقات فریدی کا چھتر گردن توڑ بھی ثابت ہوا ہے۔“

”خاموش رہ... کیا تجھے اس کی قصیدہ خوانی کے لئے تجوہ ملتی ہے۔“
”سرکار... اپنا لبج سنجا لئے... ہم اس کے عادی نہیں۔ خواہ ہمارا بابا پ علی کیوں نہ
کر رہا ہو۔“

سیکریٹری چوک ک پڑا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے سوتے سے جا گا ہو اور پھر اس کے چہرے
رنگت بد لئے گلی۔ ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کچھ دری پہلے کی وجہت میں ایک نقاب رہی ہو۔
اب کتنا بھی انکے چہرے تھا۔ لاکا بھی بوکھلا یا ہوا سانظر آنے لگا۔ پھر اس نے سیکڑی
منہ بھی پہنچتے دیکھا۔ بالکل اسی انداز میں جیسے جھپٹ کر کاٹتی تو کھائے گا۔

وہ یونہی خواہ مخواہ بنس پڑا۔ لیکن آواز میں خوف کی لرزش بھی شامل تھی۔
سیکریٹری کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں کسی سانپ کی آنکھ
کی سی چمک تھی اور دانت کسی بھیڑی کے داتوں سے مشابہ نظر آتے تھے۔

دفعتا اس نے لاکے پر چھلانگ لگائی۔ لاکا بوکھلا کر پیچے ہٹا لیکن سنبھل نہ سکا۔ اُن
گرنے سے پہلے ہی سیکریٹری کی گرفت میں آچکا تھا۔ پھر تہہ خانہ اس کی چینوں سے گوئے
اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہڈیاں کڑکڑا رہی ہوں۔ سیکریٹری کی گرفت اتنی ہی خست تھی
بہتر تجھ مزید خست ہوتی جا رہی تھی۔

پھر اس کے دانت لاکے کے باسیں گال میں پیوسٹ ہو گئے۔

”وہ ہے کہاں مجھے بتاؤ۔“

وہ آدمی پھر فریدی کی طرف دیکھ کر رہا گیا۔ فریدی بڑی بے پرواہی سے سر جھکائے گا۔
سلکار ہاتھا۔

”ہاں وحیدہ بانو بر اجمان ہیں۔“ وہ اتنی زور سے چینا کر سارا دفتر گونج اٹھا۔

”پاگل ہو گئے کیا۔“

انور پھر اسی انداز میں چینا اور پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگا۔

قفلی غیر متوقع اور انوکھی حرکت تھی۔ آفس میں ان کی نوک جھونک جاری رہتی تھی لیکن مذکوٰ نہیں کہ آس پاس کے کمروں میں بھی ان کی گونج سنائی دیتی۔ انور کے کمرے کے پرناصی بھیڑ اکٹھی ہو گئی اور سر کولیشن میجر کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں اس وقت انور نے اپنی بنی پھاڑ ڈالی تھی اور اب شاید دیوار سے نکلانے کے لئے اشارت لے رہا تھا۔

”ہائیں... ہائیں... یہ کیا ہو رہا ہے۔“ سر کولیشن میجر چینا۔

لیکن انور نے اس کی بات کا جواب دیئے بغیر دیوار سے سرکراہی دیا اور ساتھ ہی وحیدہ کے نام کا انفرہ لگایا۔
پھر دوسرا بار بھی وہی حرکت دہرانے والا تھا کہ کچھ لوگ اور بھی آگئے اور انہوں نے پکڑ لیا۔ لیکن وہ بے تحاشہ میں رہے تھی۔

”ہنستے ہو۔“ اور حلق پھاڑ کر دھاڑا۔ ”مجھے پاگل سمجھتے ہو میں پاگل ہوں۔“

انور اس رنگ میں پہلے کبھی نہیں دکھائی دیا تھا اس لئے انہیں سمجھی ہی اختیار کرنی لی۔ انہوں نے انور کو چھوڑ دیا اور وہ اس طرح سمت کر اکڑوں بیٹھ گیا جیسے کہڑے بھیگ اپنے کی وجہ سے سردی لگ رہی ہو۔ وہ اس کے چاروں طرف خاموشی سے کھڑے رہے۔
یہاں کوتو گویا سانپ سو نگہ گیا تھا۔

انور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ہوئے سکیاں لیتا ہوا بولا۔ ”ہٹاؤ اس عورت کو۔
فاکر لئے یہاں سے لے جاؤ۔ یہ مجھے زندہ نہیں رہنے دے گی۔“ پھر سر اٹھا کر حلق کے مل پڑا۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ شہر کی سڑکوں اور گیوں میں اس حال میں نظر آیا کہ اس کے انوکھیں ایک بڑا سا پتھر تھا اور چھوٹے چھوٹے بچے اس کے پیچے تالیاں بجاتے پھر رہے۔

فارار

کرامہ رپورٹ انور، ریاست ورگوی میں بھکلتا پھر رہا تھا لیکن اس کے جنم پر چیخترے جھوٹتے نہ دیکھے جاسکے۔ ویسے رشیدہ نے بابا خاور کو یہی اطلاع دی تھی کہ وہ ایک رات دیوار کے عالم میں دفتر سے نکل بھاگا تھا۔ دو دن تک شہر کے بعض حصوں میں دیکھا گیا لیکن پھر اس کھینچ پڑتے نہ چلا۔

ہوا یہ کہ انور دفتر میں بیٹھا دوسرے دن کے لئے جرام کی خبریں مرتب کر رہا تھا۔ میں رشیدہ اس کی میز پر آئی۔ اسے حقیقتاً ان دنوں انور کے متعلق بڑی تشویش تھی۔ پہلے تو، وحیدہ بانو کی کہانی کو محض مذاق سمجھی تھی لیکن پھر کچھ کچھ یقین ہو چلا۔ بات بھی ایسی ہی تھی کہ اب جھن میں بنتا ہو جاتی۔ اس نے انور کے قلیٹ میں اس کی میز پر کاغذ کا ایک نکڑا دیکھا جس مختلف انداز میں جا بجا ”وحیدہ بانو“ لکھا ہوا تھا۔ کہیں ڈری اس توں میں کہیں بخط نہ اور کہیں نتیعلق میں۔ ایک آدھ گلگہ پنسل سے خوبصورت سی آنکھیں بھی بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔

ایک گلگہ پنسل سے ”وحیدہ بانو“ گھسیتا ہوا نظر آیا تھا۔
بہر حال وہ مطمئن نہیں تھی۔ اس وقت شامت اعمال ہی کہنا چاہئے کہ اس کی زبان:

”وحیدہ بانو کا نام رہنکیا۔ وہ بھی طنزیہ انداز میں۔“

اس نے کہا۔ ”بالکل مجھوں نظر آ رہے ہو۔ شاید وحیدہ بانو بر اجمان ہیں کھوپڑی میں۔“
بس پھر کیا تھا خلاف توقع انور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ... تیور غیر معمولی تھے۔

بزدہ بھی تھی اور شرمندہ بھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس حرکت میں صرف سیکریٹری ہی کا ہاتھ تھا۔“
لیکن اسکھ نے سگار لے کر سلاگایا اور کش لے کر بولا۔“ یہ کون سی براٹ کے سگار ہیں
سرفریڈی۔“

”ڈاکٹر امپورٹ فرام جاؤ۔۔۔ یہاں نہیں ملیں گے۔“ فریدی نے کہا اور اپنا سگار سلاگا کر
بولا۔“ میری دانست میں تو اس مسئلے پر خاموشی ہی اختیار کرنی چاہئے۔“

”اوہ۔۔۔ تم نے میرے منہ کی بات چھین لی۔ اگر تم اس سلسلے میں کسی باضابطہ کارروائی کا
طالبہ کرتے تو میں بڑی الجھن میں پڑ جاتا۔“

”مجھے حیرت ہے جناب۔“

”تم نہیں سمجھ سکتے۔ سیکریٹری سے آئی جی کے بے حد گہرے تعلقات ہیں اور آئی جی سے
زیادہ کمینہ آدمی آج تک میری نظروں سے نہیں گزرا۔ لوگ اُسے عام طور پر انگریز سمجھتے ہیں لیکن
وہ ایک جرم کیتا کی اولاد ہے، عورت فاحش تھی۔ ضروری نہیں کہ وہ سرٹوپی ہی کا نفع ہو۔“

”پھر بھی۔۔۔ آخر یہ تعلقات کس نوعیت کے ہیں۔“

”سیکریٹری اس کے لئے لاکیاں فراہم کرتا ہے۔“

”ہوں۔۔۔!“ فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔“ کیا آپ خاور اور سیکریٹری کے
دریمان کی قسم کے تعلقات، کا علم رکھتے ہیں۔“

”ذکر ہو بھی۔ خاور اور دریمان میں نہ لاؤ۔ وہ بہت گریٹ آدمی ہے۔ ایسا بکمال آدمی آج
نکل میری نظروں سے نہیں گزرا۔ جانتے ہو اس نے تمہاری شکایت کرنے سے پہلے کیا کہا تھا۔“
فریدی استفہامی انداز میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

”اس نے کہا تھا کہ وہ نہیں چاہتا کہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی کی جائے اگر کی گئی تو
اسے دکھ ہوگا۔ بس اتنا کہا جائے کہ تمہیں سیلقہ سکھایا جائے کسی کے مکان میں بغیر اجازت داخل
کرنے والی بات ہے۔ مگر سنو۔ آخڑھیں اس سے کیا شکایت ہے۔“

”بہت ہی معمولی قسم کی شکایات ہیں اور یہ غلط ہے کہ میں بغیر اجازت کے عمارت میں

تھے۔ کبھی کبھی وہ پھر ان کے کھینچ بھی مارتا۔ لیکن اس طرح نہیں کہ کوئی اس کی زندگی آ جاتا۔
دو دن تک وہ اسی طرح بھکلتا رہا۔ دراصل اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب تو نہیں
کیا جاتا۔ پھر اسے یقین ہی ہو گیا کہ فریدی کا خیال درست تھا۔ یعنی ان لوگوں نے خود اسے
کوئی اہمیت نہ دی۔ یہی سمجھتے ہیں کہ فریدی نے اُسے بلیک میلنگ اسٹاف سے آگاہ نہ کیا ہو گا۔
صرف آر لے کار کی حیثیت سے استعمال کیا ہے۔

یقین کی وجہ یہی تھی کہ دیوائی کے ان دونوں میں اپنے آس پاس کوئی ایسا آرڈنر نہیں
دکھائی دیا تھا جس پر مگر انی کرنے والے کا شہر بھی ہو سکتا۔

دو دن بعد اس نے اپنے ٹلنے میں معمولی سی تبدیلی کی اور چل پڑا ریاست ورگوری کی
طرف۔ لیکن یہ فریدی کا کام نہیں تھا بلکہ اسے اس غصب ناک سوتیلی بہن کی تلاش تھی جس نے
اپنے بھائی کے دونوں کان اکھاڑ لئے تھے۔

ورگوری میں وہ سارا دن بھکلتا پھرا۔ لیکن رانا پر مود کے متعلق معلومات یہم پہنچانے کے
علاوہ اور پچھنہ کر سکا۔ کہیں بھی کوئی ایسی غصب ناک سوتیلی بہن نہ مل سکی۔



لیکن اسکھ تحریر انداز میں آنکھیں چھاڑے فریدی کی کہانی سن رہا تھا۔
”پنزہ تار اقطیعی طور پر اعلام ہے۔ وہ نہیں جانتی کہ محل میں کوئی تہہ خانہ بھی ہے کیونکہ ان
پاں والے بدمخاشوں نے اُسے سگرام اور دوسرا آدمی کا پتہ نہیں بتایا تھا۔“ فریدی نے خاموش
ہر جیسیں مٹولیں۔

”تم سگار سلاگا سکتے ہو انپکٹر۔“ اسکھ مسکرا کر بولا۔
”ٹکری جناب۔“ فریدی نے سگار کیس نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”لوکی۔“

داخل ہوا تھا۔ خاور کو یقین طور پر غلط فہمی ہوئی تھی۔ باہر ملازم موجود تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اندر جانے پر کوئی پابندی نہیں۔ ہر آدمی جاسکتا ہے۔“

”مطلوب یہ کہ وہ تو ٹھیک ہے لیکن عمارت کے بعض حصے ایسے بھی ہیں جنہیں دمرز نبھی ضروریات کے لئے مخصوص رکھتا ہے۔“

”تو پھر اس منزل پر میں ہی کسی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”خبر اسے جانے دیجئے۔ شاید میں خاور سے معافی مانگ لوں۔ ہاں تو پھر سیکریٹری کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ وہ خواہ مخواہ میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔“

”سارجنٹ حمید کی کہانی۔“

”یقین کیجئے کہ کوبرا اس نے گاڑی میں نہیں ڈالا تھا۔ البتہ اس کی صفات نہیں دی جائیں کہ وہ اتفاقاً ہی اوہر جانکلا تھا یا کچھ تارا اسے اچھی لگی تھی۔ اسے کیا اچھی لگی ہو گئی اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا خان بہادر عاصم کا لڑکا۔ روں اسی کی تھی۔ آپ جانتے ہیں اس طبقے کے لوگ کیسے اوباش ہوتے ہیں۔“

”تو پھر یہی کہا جاسکتا ہے کہ خود سیکریٹری نے حمید کو پھانسے کی کوشش کی تھی۔“

”مگر کیوں؟ اچانک اسی موقع پر کیوں جب مجھے کئے ہوئے ہاتھوں کی تلاش تھی۔ ڈاکٹر ڈف اور اس کی لڑکی اس طرح کیوں مارڈا لے گئے اور اسی زمانے میں جب میں اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا ایسا کیوں ہوا۔“

”تم مجھے الجھن میں ڈال رہے ہو۔“ اسمحہ اپنی پیشانی رکڑتا ہو ابولا۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”تم ہمیشہ ڈھونڈ کر ایسے ہی شکار نکالتے ہو جن کے بڑے بڑے آفسرز سے تعلقات ہوں۔“

”اوہ..... یہ میری بد قسمی ہے کہ عموماً ایسی ہی اتفاقات ہوتے ہیں۔“

”ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو۔“ ابس پی اسمحہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ اس کے ماتھے پنکھر کی گہری

لیکن نہیں۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”اگر سیکریٹری ہی تمہارے پیچھے پڑ گیا ہے تو اس بار یقینی طور پر میں دشوار یوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ممکن ہے تھکے کو تم سے ہاتھ دھونے پڑیں۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں لیکن کام ہر حال جاری رہے گا۔ میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ مہاراج کمار کا کیس ضرور نہیں گا۔“

”ٹھکری یہ مسٹر فریدی۔“

”اور یہ تو بڑی اچھی بات ہے کہ سیکریٹری نے خود ہی چیلٹر چھاڑ شروع کی ہے۔“

”بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے مسٹر فریدی۔“ کیپشن اسمحہ کچھ سوچتا ہو ابولا۔ ”کیونکہ تم پرمود ہاؤز کے تہہ خانے والے راز سے والتف ہو گئے ہو۔ سنو۔۔۔ ایک مشورہ ہے۔“

”فرمائیے۔“

”تم دو ماہ کی چھٹی کی درخواست دے دوں بھی اور اسی وقت۔ اور میں اسے آج ہی کی بارثت میں منکور بھی کرلوں۔ ورنہ یقین رکھو کہ کل تک تمہارے تباہ لے کا حکم آجائے گا اور وہ بھی پکوئی قسم کا یا تو چینیں گھنٹے کے اندر تم چارچ دے دو یا اپنی عادت کے مطابق استھنے۔“

”تجویز مناسب ہے۔“ فریدی مسکرا۔ ”لیکن حمید کا کیا ہو گا۔“

”اس سے بھی چھٹی کی درخواست دلوا۔ بہتر ہے۔“

انور کا دوسرا دن خاور گوری میں۔

وہ گوری چھوٹا سا خوبصورت شہر تھا جسے بڑے سلیقے سے بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ہال ایک عظیم الشان ہوٹل کی موجودگی بھی اسے بعض دوسرے بڑے شہروں سے میزبانی کرتی تھی۔ تھا و لکڑن ہوٹل.... کہا جاتا ہے کہ اس کا نقشہ رانا پرمود نے یورپ سے بھجوایا تھا اور ایک بارہ میں انگلیٹری ہی کی گمراہی میں اس کی تعمیر بھی ہوئی تھی۔

انور نے و لکڑن ہی میں قیام کیا کیونکہ وہ آج کل چکو بھی نہیں تھا۔ ایک ہزار فریدی ہی سے ملے تھے اور پھر وہ دو ہزار جن کے متعلق وہ کش کمش میں تھا کہ ان کا کیا مصرف ہونا چاہئے۔ ہر حال ضرورت پڑتی تو وہ خرچ کر دینے سے بھی درلنگ نہ کرتا۔

آزاد بھی انور نے صاف پہچانی۔ یہ حمید ہی تھا۔ پھر انگریز سار جنت ہنری کے علاوہ اور بن ہونا جبکہ سرڈ گم کا حوالہ بھی موجود تھا۔ لیکن یہ میک اپ یہ ان دونوں کے بس کاروگ تو ہیں۔ فریڈی کا ہاتھ یقیناً ہو گا۔ آنکھوں کی بناوٹ پر بھی اثر انداز ہونا صرف اسی کے باکال نہیں کا کرشمہ ہو سکتا تھا۔ آنکھوں کی بناوٹ کی تبدیلی ہی کی بناء پر انور کو انہیں فوری طور پر پہنچانے میں دشواری ہوئی تھی۔

”دیکھو اچھے لڑکے۔“ ہنری کہہ رہا تھا۔ ”ہم پر دیس میں جھگڑا نہیں کریں گے۔“ ”زیادہ مت پیو۔ خالص و تکی خدا تمہیں غارت کرے۔ کمخت ابھی تک میری نہیں لائے۔ بڑی گھٹیا سروں ہے۔“

”ہا....!“ ہنری نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”میں اسی لئے چائے پر وسکی کو ترجیح دیتا ہوں۔“

الائے کا جھگڑا نہ دو دھملانے کی جھنچھست... پیار کر دنایا پیارے۔ انکل ہوپ کہا کرتے تھے...!“

”شش اسی... میں اس وقت انکل ہوپ یا سرڈ گم بگم سننے کے موڑ میں نہیں ہوں۔“

”اچھا تو پھر تم ہی بتاؤ کہ میں تمہیں کیا سناؤں۔“

”ذا کڑ ڈف....!“ حمید اسے گھورتا ہوا بولا۔

”آہ بیچاری لڑکی۔“ ہنری سچ مجھ معموم نظر آنے لگا۔ ”ہائے جب بھی وہ یاد آتی ہے مجھے تکھہوتا ہے۔“ اس کی آنکھوں سے دموج سے قطرے ڈھلک آتے۔ ”ہائے لکیچش ہونے ناہی۔ بیچاری لڑکی..... میں اسے دھوکہ دیتا رہا تھا۔ بیچاری بہت خوش تھی کہ ایک سیاہ فام آدمی اپنے عاشق ہو گیا ہے۔ میرے خدا۔ میں گناہ عظیم کے بارے کیسے سکدوش ہو سکوں گا۔“

”ہمیز پر پیشانی لٹکا کر سسکیاں لینے لگا۔“

”اپنے تو اے حرام زادے اس طرح رونے کی کیا ضرورت ہے۔“ حمید نے اردو میں کہا پڑا۔ اور طرف دیکھنے لگا۔ ہنری اردو نہیں سمجھتا تھا۔

”کیا کہا تم نے۔“ ہنری نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

”میں نے کہا۔“ حمید انگریزی میں بولا۔ ”یہ ایک ہوٹل کا ڈائمنگ ہال ہے میرے

اس وقت وہ ڈائمنگ ہال میں ناشست کر رہا تھا۔ فھٹا ایک بوڑھے انگریز کو دیکھ کر چکر پڑا۔ کیونکہ اس کی چال جانی پہچانی سی معلوم ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک دیسی آدمی بھی تھا انور ذہن پر زور دیئے لگا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ان دونوں نے ایک میز منتخب کر لی۔ انگریز ڈاڑھی والا تھا۔

بات ذہن سے نکل جانی چاہئے تھی۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ جانے پہچانے سے معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔ لیکن انور نے جانے کیوں الجھن میں جلا ہو گیا تھا۔

ان کی میز اتنی دور تھی کہ وہ ان کی گفتگو بھی نہیں سن سکتا تھا۔ ناشست ختم کر کے کاؤنٹر کلر کے پاس جانے کے لئے وہ ان کے قریب ہی سے گزر لیکن اس وقت وہ خاموش تھے۔ یہ کچھ ہی دیر پہلے ہوٹل میں داخل ہوئے تھے۔ آدم غالبًا باہر ہی سے ہوئی تھی کیونکہ ان کے ساتھ ان کے سوت کیس بھی تھے جنہیں پورٹ اور پری منزل کی طرف لیتا چلا گیا تھا اور یہ دونوں قیام کرنے والے رہنسر پر دھنخط کر کے اس میز پر آئیٹھے تھے اب انگریز شراب پی رہا تھا اور دیسی صرف پاپ کا دھوان بکھیر رہا تھا۔

پھر پاپ نے انور کو مزید انکھوں میں ڈال دیا۔ کیونکہ وہ بھی جانا پہچانا سامنے معلوم ہوا تھا۔ اوہ ہو.... اس نے سوچا.... وہ دنیا کا واحد پاپ ہے جسے صرف ایک ہی آدمی استعمال کر سکتا ہے اگر اس کے پاس سے بھی وہ چوری نہ ہو گیا ہو۔ کیونکہ وہ پاپ ہالینڈ کے ایک کارپینٹر نے تراشناہ اور تحقیقاً ایک ایسی کوپیش کیا تھا جسے دیکھ کر ہی انور کو غصہ آ جاتا تھا۔ پھر یہ آدمی سار جنت حمید کے علاوہ اور کون ہوتا۔

وہ کاؤنٹر تک گیا اور کاؤنٹر کلر سے دو چار باتیں کر کے پھر واپس آیا۔ دراصل اب وہ ان کے قریب ہی کی میز پر بیٹھنا چاہتا تھا۔

ایسی ایک میز خالی بھی مل گئی۔ دیسی کی پشت انور کی طرف تھی اور وہ انگریز سے کہہ تھا۔ ”اگر تمہیں اس وقت سرڈ گم بگم کے مظالم یاد آئے تو تمہیں خاک میں ملا دوں گا سمجھے۔“

باپ....کہیں بھول بھول نہ شروع کر دینا۔“
پھر دفتار سنبل کر بولا۔ ”اے سید ہے میتو... وہ آگیا ہے۔“

ہنری سید حابیب گیا اور رومال سے آنکھیں خشک کرنے لگا۔ انور اس آدمی کی طرز
دیکھنے لگا جس کی جانب حید کا اشارہ تھا۔

ایک ضعیف العمر آدمی جس کی کمر جھجکی ہوئی تھی۔ کاؤٹر کے قریب کھڑا میزوں کا جائز
لے رہا تھا۔ حید نے ہاتھ ہلاکر اسے اشارہ کیا۔ وہ چند لمحے ادھر ہی دیکھتا رہا پھر آگے بڑھا
اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ دونوں احترام کھڑے ہو گئے۔ لیکن ابھی وہ ان سے فاصلہ
ہی پر تھا کہ اچانک ایک فائر ہوا اور وہ باسیں پلی دباتے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔ انور کو فائر کی سمت کا
اندازہ لگانے میں درجنیں لگی۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ جھپٹتا ہوا اس راہداری کی طرف پہنچا جیسا سے فائر ہوا تھا۔
ہال میں ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ راہداری میں کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ پھر وہ ابھی وہیں تھا کہ
اُن نے کتنی کوکتی سنا۔ ”دُدھ... ایک آدمی بھاگتا ہوا ادھر گیا ہے۔“ وہ کاربیٹر ہی میں۔“
دم ہی تو نکل گیا انور کا۔ وہ میک اپ میں تھا اور یہاں والوں کے لئے ابھی بھی۔ بس
پھر وہ آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ راہداری کا اختتام ایک بند دروازے پر ہوا۔ لیکن وہ مقفل نہیں
تھا۔ صرف چھپنی لگی ہوئی تھی۔ اس نے چھپنی گرائی اور اندر ہادھنڈ دروازے سے گزر گیا۔

گلی سنان پڑی تھی جس طرف منہ اٹھا چل پڑا۔ پھر دوسرا پتلی سی گلی میں مڑا۔ یہاں
ایک جگہ ایک بوسیدہ سے دروازے پر کوئی سے ”پیشاب خانہ“ لکھا ہوا نظر آیا۔ بس پھر
دوسرے لمحے میں اندر ہی تھا۔



وہ لڑکی

تقبت بھی تھا کہ ان دونوں کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی تھی۔ ورنہ شاید انہیں بھی
کیڈر اجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا۔

بڑھا دم توڑ چکا تھا۔ ذرا بھی سی دیر میں وہاں ریاستی پولیس بھی نظر آئی۔ اُس آدمی کی
اندازہ جاری تھی جو راہداری کی طرف دوڑا گیا تھا۔

ہال کے دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی انہیں بھی ”پوچھ گکھ“ کی منازل سے گزرا پڑا اور
اٹ وہاں سے اٹھوادی گئی۔

تقریباً چار گھنٹے بعد یہ کہنا ہی دشوار تھا کہ دو چار گھنٹے پہلے وہاں کوئی قتل ہوا ہو گا۔

رے ڈافر میزوں کے درمیان تھرکی پھر رہی تھی۔ موسيقی کی لمبیں نظایاں بکھیر رہی
اور ہنری.... نشے میں ڈوبا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”سب بکواس ہے۔ یہ زندگی صرف ایک رقص
رقص مجبوری..... جیسے کوئی کوڑے مار مار کر کہہ رہا ہو۔ تاچو.... تاچتے جاؤ.... سب
ل..... انکل ہوپ کی تانگیں سر ڈگم گیم نے توڑی تھیں.... لیکن مجھے دیکھو میں اسی انگریز کی
لکڑا ہوں اور انکل ہوپ آج بھی مستقبل کے بارے میں ہوپ فل ہیں۔ لعنت....

..... آڑ لینڈ ہمیشہ لٹکڑا اتار ہے گا۔ مستقبل یہ تھا۔ اے بواۓ.... بول ختم.... اب میں کیا
ہا۔“

”اب لس!“ حید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ پھر دیٹر کو چلے جانے کا اشارہ کیا۔

”تم اکثر مجھ پر ظلم بھی کرتے ہو۔ اس وقت ضرورت ہے کہ میں خود کو شراب میں غرق
ال۔ مجھے لٹکڑا آبر لینڈ یاد آ گیا ہے۔“

”مجھے اس وقت اپنی وہ لٹکڑی بیٹھ یاد آ رہی ہے جس نے ذی ولیرا کے آٹو گراف لئے تھے۔“
”ماں مت اڑاؤ۔“ ہنری۔ ”آنکھیں نکالیں۔“ ”میں اس وقت سنجیدہ ہوں۔“

”خدا کی قسم....!“ حید آنکھیں پھاڑ کر ایک جانب دیکھتا ہی رہ گیا۔ ڈائیک ہال اس

”پھر میں کیا کرسکوں گی۔“ اس نے حیرت سے کہا۔ ”آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔“
”خیر..... اگر خنا ہو گئی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں میری پچی۔ اب چلو۔ میں نے تو چاہا تھا
کسی طرح ڈھنگ کا آدمی بن جائے۔ لیں ایک ہی ڈوز کافی ہوتا۔“
”میں خانجیں ہوئی۔“ لڑکی مسکرائی۔ ”مگر بھلا میں اسے کیسے سبق دے سکوں گی۔“

”اس کی جیب میں تمن ہزار کے بڑے نوٹ ہیں۔“ ہنری نے کہا۔ ”کسی طرح چھین لو
لیں پایا جائے گھنے تک با تھروم میں بند رکھو۔“

لڑکی نہ پڑی پھر بولی۔ ”مجھے ایسی تفریحات پسند نہیں۔ زندہ دلی میرا شعار ہے۔ لیکن
کل قانونی مسئلہ نکل آیا تو۔“

”اس کی ذمہ داری سو فیصدی مجھ پر ہو گی۔ کوئی ایسی تدبیر نکالو کہ میں بھی تمہارے قریب
بوجوڑوں۔“

”تب تو ٹھیک ہے۔“

”مگر تمن ہزار..... یہ تو بری بات ہے۔“

”بعد میں واپس کر دینا۔“

”میں تیار ہوں۔ چلے میں اپنے گھر ہی میں یہ ذرا مہ پیش کر سکوں گی۔ میں اور ڈیڑی بابر
ہوئے ہیں۔ نوکروں کو بھی عمارت سے دور ہی رکھوں گی۔“ وہ بچوں کی طرح نہ پڑی۔
ہنری بیٹھتا ہوا کہا۔ چند لمحے اسی طرح خاموش رہا جیسے دم لے رہا ہو پھر سر اٹھا
بولا۔ ”میں تم سے مدد کا طالب ہوں میری پچی۔“

”اوہ..... کہنے..... میں کیا خدمت کر سکتی ہوں۔“

”مجھے منظور ہے۔“ ہنری نے کہا۔ ”بس اب تم اٹھ کر باہر چلو۔ میں اسے لارہا ہوں۔“
لڑکی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی اور ہنری اپنی میز پر واپس آگیا۔

”چلو ہو۔“ اس نے حمید سے کہا۔

”کوئی...؟“

”وہ بیکل اپنے گھر لے جائے گی۔“

وقت کھچا کچھ بہرا ہوا تھا۔ ایک میز پر اسے ایک تھا لڑکی نظر آئی تھی اور لڑکی بھی اسکی جوانی
بہت غور سے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی نظر میں لڑکی نے سر جھکالیا اور جھینپے ہوئے انداز میں
مکرانے لگی۔ لڑکی دیسی ہی تھی مگر خوش رنگ اور خوش لباس۔ نارنجی سازھی میں خود بھی نارنجی
رنگ کی معلوم ہو رہی تھی۔

”اوہ.... ہنری دی گریٹ۔“ حمید مختار بانہ انداز میں بولا۔ ”بیٹھ آر لینڈ والے افر
ضرور ملے گی۔“

”کہاں سے۔“ ہنری نے بھی چونک کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”وہ دیکھو....!“

”گذ.....!“ ہنری بڑا بڑا۔ ”خوب.... بھکھیوں سے ادھر ہی دیکھتے لگتی ہے بار بار۔“
”اور اپنی میز پر تھا ہے۔“ حمید بولا۔

”تو پھر میں اٹھوں۔ میری ڈاڑھی پادریوں کی سی ہے خانجیں ہو گی۔“
ہنری اپنی جگہ سے اٹھا اور سیدھا اسی میز پر چلا گیا۔

”کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں میری پچی۔“ اس نے پروقا انداز میں پوچھا۔
”مضض.... ضرور.... تشریف رکھئے۔“ وہ بوكھلانے ہوئے لجھے میں بولی۔

ہنری بیٹھتا ہوا کہا۔ چند لمحے اسی طرح خاموش رہا جیسے دم لے رہا ہو پھر سر اٹھا
بولا۔ ”میں تم سے مدد کا طالب ہوں میری پچی۔“

”اوہ..... کہنے..... میں کیا خدمت کر سکتی ہوں۔“

”وہ اس میز پر دیکھو.... وہ لڑکا ہے تا۔“ ہنری نے حمید کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”تم
اسے سبق دینا چاہتا ہوں۔“

”میں نہیں کچھی۔“

”لڑکوں کے متعلق ہر وقت میرے کان کھاتا رہتا ہے۔ اس غلط فہمی میں بتا جائے کہ
لڑکیاں اس پر بڑی تیزی سے عاشق ہوتی ہیں۔“

”اوچا کے بیچے... ہوش میں ہو یا نہیں۔“ حمید نے آنکھیں نکالیں۔ ”ہم کمال کا مختبل کا حال بتائیں گے۔ میں نے سوچا انہیں گھر لے چلوں۔ ہوٹل میں اچھا نہیں کرنے آئے تھے۔“

”اب اس بوڑھے کی تدفین میں تو شرکت کرنے سے رہے۔ اٹھ جاؤ جلدی سے سوار۔“

”فلز سمجھے.... ہم دونوں ہی اچھے پامٹ ہیں۔“ حمید نے طینان کا سانس لیا۔

گاڑی ایک شاندار عمارت کی کہ: بُنْ میں داخل ہوئی تھی۔ حمید نے ہنری کو سہارا دے کر

بُرندہ اندر آئے۔ لڑکی گویا قدماً قدم پر پچھی جا رہی تھی۔ ایک کمرے میں انہیں بٹھا کر

نے جلدی و اپنی کا وعدہ کیا اور ہر نکل گئی۔

لیکن پھر کمرے کے دوسرا، دروازے گویا جہنم کے در پیچے ہی بن کر رہ گئے۔

ہر دروازے سے ایک رائل جہانگیر ہی تھی۔

نے یہ کب کہا تھا کہ اگر وہ مارا جائے تو تم بھی اس کی قبر میں چلانگ لگادیں۔“

”آخڑا کی سے کیا باتیں ہوئی تھیں۔“

”ارے.... وہ کچھ نہیں۔ ایک گانے والی لڑکی ہے۔ ہمارا دل بہلائے گی۔“

”سوق لو بیٹا۔ کہیں کسی چکر میں نہ پھنس جائیں۔ ظاہر ہے کہ ہم پیچان لے گئے ہیں۔“

”ورنہ وہ اس طرح مار کیوں ڈالا جاتا۔“

”تم احق ہو۔ وہ میرے پاس نہیں آئی تھی۔ میں خود ہی اس کے پاس گیا تھا۔“

”پھر بھی احتیاط۔“

”ارے بس۔ دیکھ لی مردائی۔ خدا نتوہ میرے کان چبایا کرتے ہو.... شاید لڑکیوں۔“

بات کرنے کی ہمت بھی نہ پڑے۔ چلو اٹھو.... بوڑھا میر گیا۔ کام ختم۔ اب ہم چھٹی پر ہیں۔“

”ابے پھر سوق لے۔“ حمید نے نہیں رضا مند ہوتے ہوئے کہا۔ پھر تھوڑی جگ جما

کے بعد پوری طرح آمادہ ہو گیا۔ اس نے سوچا اس لڑکی نے خود ہی اپنی طرف اس کی تو تارا نے بر قہ اتار کر ایک طرف ڈال دیا اور خاور نے تحریر انداز میں پلکیں جھپکائیں

مبدل کرائی تھی۔ لیکن کسی بڑے ہوٹل میں یہ کوئی اجنبی کی بات بھی نہیں درجنوں پیشہ افس پڑا۔

لڑکیاں ساتھیوں کی ٹلاش میں رہتی ہیں۔

وہ باہر آئے.... لڑکی ایک شاندار گاڑی میں ان کی منتظر تھی۔ اس نے انہیں بھی کھجھلی: ”اہ.... بابا میں بڑی الجھنوں میں ہوں۔ مجھے انکل پرمود کے پرستی سری مشر

سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اگلی سیٹ پر باور دی ڈرائیور موجود تھا گاڑی میں بیٹھ جانے کے؟ ناس اعلق بھی کچھ بتائیے۔“

”نظر ناک آدمی ہے لیکن اسیٹ کے لئے نہیں۔“

حمدید نے سوچا کہ اگر یہ گاڑی اسی لڑکی کی ہے تو وہ پیشہ ور ہرگز نہیں ہو سکتی۔

باہر آنے پر ٹھنڈی ہوا جو گلی تو ہنری کا دماغ ہوا سے باتمی کرنے لگا۔ کبھی ڈھنگ! ”وہ کمال فریدی کا دشمن ہو گیا ہے۔ میرے علم میں لائے بغیر اس پر حملے کر اتار رہتا ہے۔“

”یہ بھی اس کی دیانت داری کا ثبوت ہے۔ وہ اسیٹ کے دشمنوں کو کیسے برداشت باتمی کرتا اور کبھی بینکنے لگتا۔“

”لگا۔“

”آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“ حمید نے لڑکی کو خاطب کیا۔

اگر تم اُسے حاصل کرنے پر تسلیم ہیں تو تمہیں پہلے خود کو کسی دوسرے کے حوالے کرنا چاہیے۔“
”کیا بات ہوئی؟“ تارا جھلا گئی۔

“تارے بھی کہتے ہیں۔ تم مجبور ہو۔ البتہ اگر تم اُسے حاصل کرنے کا خیال دل سے نکال
ہامہت روی سے زندگی بس رکھتی ہوئی منزل تک جا پہنچو گی۔ لیکن یہ منزل فریدی نہیں ہو گا۔”
“فریدی اور صرف فریدی۔” تارا مٹھیاں بھیج کر بولی۔

یک بیک خاور کی آنکھیں خوفزدہ نظر آنے لگیں۔۔۔ وہ اُسے گھوڑے جا رہا تھا۔ تار محسوس یا نہیں جیسے اس کی جسمانی قوت اس کی اپنی آنکھوں کے راستے خاور کی آنکھوں میں کچھی انہیں ہاتھ پریشل ہوتے جا رہے تھے اور وہ تو خود میں اتنی سکت بھی نہیں محسوس کر رہی تھی کی آنکھوں سے نظر ہی چاکرتی۔

ذلتا خاور سانپ کی طرح پھکارا۔ ”تو پھر پہلے خود کو فریدی کے کسی دشمن کے حوالے کر دو۔“ تارا کے خنک ہوتے ہوئے ہونٹ خفیف سے کھلے لیکن آواز نہ نکل سکی۔

پھر خار نے جھر جھری کی لی اور بچپنی حالت پر واپس آتا ہوا نرم لبجے میں بولا۔ ”میری
میتو نق ہے کہ تم اپنے ضمیر کا خون نہیں کرو گی۔ دل ٹوٹتا ہے تو شے دو۔ ضمیر کا گلا گھونٹنے
کا مردہ ہو جاتی ہے۔ پھر مردہ روح کو لے کر جینے سے فائدہ۔ تم زندگی بھر یہی محسوس
ابھی کاندھے پر کسی کی لاش اٹھائے پھر رہی ہو۔“

نماں کی سانس پھول رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ میلوں یکساں رفتار سے
منہنے کے بعد اچانک رک گئی ہو۔

۱۰۔ ایک لفظ بھی کہے بغیر اس کری کی طرف مڑگئی جس کے ہتھے پر بر قسمہ رہا ہوا تھا۔

”وہ آپ کے متعلق بھی کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔“

”مجھے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔“ خاور مسکر اپا۔ ”میں اس کا دوست ہوں، اور...“

"میں اسی کی وجہ سے چھپ کر آئی ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ آے فراڈ ہز۔"

”تمہارے کمال فریدی کا بھی یہی خالی سے متعلق ہے۔“ خاور مدنیت، مکران

”لیکن میں ایسا نہیں سمجھتی..... آے عظیم ہیں۔“

”اپنی تعریف سن کر بھی مجھے خوش نہیں ہوئی۔ عظیم تو صرف وہ ہے۔“ وہ جھٹت کی طرز انگلی انھا کر بولا۔

”میں کیا کروں؟ میں کیا کروں۔ میرے لئے بھی تو کچھ بکھرے۔ سننے پہلے صرف دیواری تھی اب اس میں ضد بھی شامل ہو گئی ہے۔ میں نے جس چیز کی خواہش کی ہے اسے اپناۓ بغیر نہیں چھوڑا۔“

”میں جانتا ہوں میری بچی۔ لیکن فریدی کے متعلق بھی میں نے تمہیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ وہ پتھر سے۔“

”ہاں.... مجھے یقین ہے وہ مجھ سے کئی بار ملا ہے لیکن....!“ تارا کی آواز میں جلاہٹ تھی۔ ”اس طرح ملتا ہے جسے مجھ میں کوئی خاص بات نہ اپناء ہے۔“

”ہوں....!“ خاور کی سوچ میں پڑ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ پھر اس طرح بوکھلا کر آنکھیں کھو لیں جیسے احاطہ کی کاذبی خادم ثہے۔ سے دو خار ہواں ہیں جو ... ایسکے کر آثار تھے۔

”نہیں....!“ وہ کامپتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہ ناممکن ہے۔ قطعی ناممکن... اسے حاصل کرنے کے لئے تمہیر، سست، بدیعتی، فناوری، نیا، بڑا، ریگا۔“

”میں صحیح ہوں۔“ تارا مسکرائی۔ ”آپ نہ ہب کی بات کریں گے۔ میرا کوئی نہ ہب نہیں ہے۔ میری ماں یورپین کرچین تھی... میرا باپ ہندو تھا۔ لیکن میرا کوئی نہ ہب نہیں۔ میں اسے دھکو سالا سمجھتا تھا۔“

”تم نہیں سمجھیں میری بیگنی..... بہتر بیگنی سے کہ اس خال بھی سے باز رہو۔ تم نہیں سمجھ

”ہم دونوں ایک دوسرے کو معاف کرنے کے عادی ہیں۔“
”تب پھر میں تمہیں بھی سزا دوں گی۔ تمہیں اس کی ڈاڑھی اپنے ہاتھوں سے موٹنی کی گی۔“

”واہ.....!“ حمید نے قہقہہ لگایا۔ ”یہ تو سزا نہ ہوئی..... اخھایا ریز را کر کر دی صفائی.... سزا تو بابت بحث تا جب تم ڈاڑھی اکھاڑ دینے کا حکم دیتیں۔ مجھے محنت کرنی پڑتی اور وہ جیخ جیخ کر پاتا۔“

”بہت اچھے..... اوہ.....“ لڑکی فس پڑی۔ ”خاصی تفریخ رہے گی۔ اچھا پلو ہی سی اکھاڑ سی کی ڈاڑھی۔“

”خون پی لوں گا۔“ ہنری غرا کر کھڑا ہو گیا۔

”گراڈ اسے زمین پر۔“ لڑکی نے نقاب پوش کو حکم دیا۔
حمید سوچ رہا تھا کہ شاید ان کی زندگیاں خطرے میں نہیں ہیں۔ اگر مارڈا ناٹی مقصود تھا اس تفریخ کی نوبت ن آتی۔ وہیں ہوؤں میں ہی وہ دونوں بھی ڈھیر کے جاسکتے تھے لیکن پھر سا کیا مقصود ہو سکتا ہے۔ یہ امر بھی یقینی تھا کہ وہ بیچان لئے گئے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بوزھا سڑھنے مارا جاسکتا۔

”فتھا ہنری نے دھاڑنا شروع کر دیا۔ وہ مرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔“ تین نقاب پوش سے زمین پر گردیتے کے لئے بھر گئے تھے۔

”ٹھہر ہٹھرو۔“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”گراڈ نہیں۔ بس ہاتھ پکڑے رہو۔“
پھر وہ آگے بڑھا اور ایک ہی جھکٹے میں ہنری کی مصنوعی ڈاڑھی اکھاڑ لی۔ لڑکی نے قہقہہ لیا اور حمید جھک کر آداب بجا لاتا ہوا بولا۔ ”سرکار ہم بھرو پہنچے ہیں۔ اسی کی روٹی کھاتے ہیں۔ ہم جانتے تھے کہ اتنی بڑی سرکار سے انعام ضرور ملے گا۔“

”فتھا لڑکی سمجھدہ نظر آنے لگی۔ حمید بھی خاموش ہو گیا۔ نقاب پوش نے ہنری کو چھوڑ دیا تھا۔“
”ختم کرو۔“ لڑکی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”انعام ضرور ملے گا۔ یہ ورگوری ہے۔ دارالحکومت



چھر تو ہنری کا نشہ بھی ہرن ہو گیا اور حمید بُر اسامتہ بننا کر بولا۔ ”کیوں بیٹھے میں کیا کھو رہا تھا۔“ ہنری سوچ میں پڑ گیا۔ رانفل والے بھی سامنے آگئے تھے۔ لیکن ان کے چہروں پر نقاہیں نظر آئیں اور پھر وہ لڑکی املاحتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

”اب تم اپنی ایکیم کو عملی جامہ پہنا سکتے ہو بوزھے۔“ لڑکی نے فس کر کہا۔ ”اس کی جیب سے تمنہ ہزار نکال کر میرے حوالے کر دو اور اسے با تھر دوم میں بند کر دو۔“

”کیا مطلب....؟“ حمید بُر کھلا کر بولا۔

”یہ حضرت تمہیں سبق دینا چاہتے تھے۔ فرمائے گے کہ اس کے روپے جھین کر اسے ٹھل خانے میں بند کر دیا کم از کم پانچ گھنٹوں کے لئے۔ میں نے پوچھا ایسا کیوں کروں۔ فرمایا کہ لڑکوں کے متعلق میرے کان چانٹا رہتا ہے میں اسے سبق دینا چاہتا ہوں۔ کیوں کھوٹ میں غلط کہہ رہی ہوں۔“

ہنری کا منفہ فق ہو گیا تھا۔ کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی لڑکی کی طرف۔

”ڈفر کہیں کے۔“ لڑکی اسے چڑا کر بولی۔ ”اگر یہ لڑکوں کے متعلق تمہارے کان جا بے تو میں بھی لڑکوں کے متعلق دوسروں کے کان چاٹی رہتی ہوں۔“

”مجھے نہیں معلوم تھا۔“ ہنری نے جلدی سے کہا۔ ”لہذا اب میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں۔“
لڑکی نے قہقہہ لگایا۔ حمید جیب سے اپنا پاسپ نکال کر تمبا کو بھرنے لگا تھا۔ پتہ نہیں کیا اس نے پاسپ کی بجائے ریواور نکال لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”لڑکی نے ایک نقاب پوش کو اشارہ کیا۔ وہ کمرے میں چلا آیا۔“

”اس بوزھے کو کسی با تھر دوم میں بند کر دو۔“

”ارے نہیں۔ نہیں۔ ایسا ظلم نہ کرو۔“ حمید بول پڑا۔

”تم اس کی طرف داری کرو گے۔ جو تمہیں پریشان کرنا چاہتا تھا۔“

ذرا ہی کی دیر میں خرگوش کی بڈیاں تک باقی نہ رہیں۔ لیکن کتوں نے حیرت انگیز طور پر

انکا شروع کر دیا تھا۔

پھر وہ گہری خند سو گئے۔

پرمود ہاؤز کا نگران انگرام مختبر بانہ انداز میں کمرے میں ٹھیل رہا تھا۔ چہرے پر گہرے قفر
آنکار تھے۔

دفتار کسی نے دروازے پر دستک دی۔

”آ جاؤ۔“ انگرام بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ یہ انہیں چھینڈے آدمیوں میں سے تھا جو باسیں بازو
لارہاڑاری کے کھیل میں یکریئری کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے۔

”استاد.... ڈینی کا پتہ تباہ مجھے.... اب ہماری الجھن بڑھتی جا رہی ہے۔“ اس نے کہا۔

”لیکا تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے۔ میں خود ہی اس کے لئے فکر مند ہوں۔ تم کہتے
کہ مجھے سیاہ بلاک ہضم کر گیا تھا۔ لیکن میری آنکھ اسی پنگ پر ھلکی تھی۔“ انگرام نے پنگ کی
ان اشارہ کیا۔

”لیکن ڈینی کہاں گیا۔“

”کاش میں بتا سکتا۔ تم کہتے ہو کہ میرے بعد وہ بھی بلاک ہی پر گرا تھا۔“

”درستاد آدمی کچھ نہ بولا۔ لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے انگرام کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔“

”میں تمہاری آنکھوں میں شہبے کی جھلکیاں دیکھ رہا ہوں۔“ انگرام اسے گھوڑتا ہوا بولا۔

”سنوات استاد۔ ہم سے زیادہ وفادار کتے تمہارے سکتر صاحب کو کہیں نہ ملیں گے لیکن ہم

نامحلاً غائب ہو جانا بھی پسند نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں ناکروہ بھی تمہارے بعد ہی نیچے پہنچا

لیم اپنے پنگ پر جا گے تھے۔ لیکن میں انسے کہاں ڈھونڈتا پھر دو۔“

”اوہ.... تو کیا تم یہ سمجھتے ہو.....!“

”خہرو..... استاد مجھے کہہ لینے دو۔ وہ اس نے غائب ہو گیا کہ سکتر صاحب کے کسی راز

نہیں۔ یہاں سکتر صاحب کا سکر چلتا ہے۔ بتاؤ کہ تم لوگ سکتر صاحب کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ یاد رکھو۔ جھوٹ بولنے کی سزا موت ہو گی۔“

جمید نے طویل سانس لی اور ہنری جماں لے کر منہ چلانے لگا۔ غالباً وہ پھر ”وپار
چکیوں کی ضرورت جسموں کر رہا تھا۔

”لے جاؤ۔“ لڑکی نے عصیلے انداز میں کہا۔ ”ان کے جسموں سے کھال اتار دو۔ اس
وقت تک اذیتیں دیتے رہو جب تک یہ سب کچھ بتانے دیں۔“

ان کے گرد رائفلوں کا حلقت ٹنگ ہوتا گیا۔

دھماکے

رات کو پرمود ہاؤز کی کپاؤٹھ میں قدم رکھنا آسان کام نہیں تھا۔ پانچ خونخوار قسم کے کئے

رات بھر پوری کپاؤٹھ میں دوڑتے پھرتے تھے اور ان کی موجودگی میں عمارت کا کوئی فرد بھی
باہر نکلنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ اگر کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش آئی کہ عمارت سے باہر نکلنا بنیت

کام نہ چل تو سب سے پہلے کتوں کی دیکھ بھال کرنے والے کوفون پر اطلاع دینی پڑتی اور وہ کپاؤٹھ
میں آ کر کوئی کائنات روکتا تھا۔ تب کہیں کپاؤٹھ سے گزر کر چھاٹک تک پہنچنا ممکن ہوتا۔

فریدی کو اس کا علم تھا۔ لیکن آج رات خواہ کچھ بھی ہوتا پرمود ہاؤز میں اس کا داخل
ضور دکھاتا۔

نجٹنگ ہی سے وہ اس کی تیاری میں مشغول نظر آ رہا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے لیبارٹری میں
صرف کئے تھے اور اس کے بعد اپنے کئے خانے میں جا گھا تھا۔ تین رکھواں کرنے والے

اسی یعنی نکالنے والے اور کپاؤٹھ میں آ گیا تھا۔ پھر ایک ملازم ایک جنگلی خرگوش لا یا تھا۔ فریدی
نے خرگوش کے جسم میں بزرگ کا کوئی سیال انجکٹ کیا اور اسے کتوں کے لئے چھوڑ دیا۔

سے واقف ہو گیا تھا۔ تم بیہوش تھے۔ اس لئے یہاں پہنچا دیے گئے۔ بیہوش نہ ہوتے تو ہم اس وقت تمہیں بھی ڈھونڈ رہے ہوتے۔“

”آہستہ بولو۔“ سنگرام نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اسنے میں فون کی گھنٹی بجی اور وہ تیزی سے میز کی طرف بڑھا۔ ریسیور اٹھا کر مردہ کی آواز میں ”ہیلو“ کہا۔

”سنگرام۔“ دوسرا طرف سے غراہٹ سی سنائی دی۔

”لیں سر۔“ سنگرام نے آواز پیچانی۔ دوسرا طرف سے یکریٹری بول رہا تھا۔

”تم سوچ پکھے یا نہیں۔ مجھے جواب چاہئے۔“

”میں کیا بتاؤں سرکار۔ میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ فریدی کو بلاک کار ارائے معلوم ہو گیا تھا۔“

”کیا تمہیں اپنے آدمیوں پر اعتماد ہے۔“

”وہ سبھی قابل اعتماد ہیں سرکار.... لیکن....!“

”لیکن کیا....؟“

”ڈینی عائب ہے..... دوسروں کا کہنا ہے کہ میری ہی طرح وہ بھی اسی بلاک پر گراحتا اور نیچے چلا گیا تھا۔“

”اس کی بات چھوڑو۔ تمہیں ان آدمیوں کو ٹوٹانا ہے سمجھے۔“

”لیکن وہ ڈینی کے لئے فکر مند ہیں۔“

”بکواس مت کرو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کرو۔“ دوسرا طرف سے غصیل آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

سنگرام ریسیور رکھ کر پیشانی کا پسند خلک کر رہا تھا۔ دوسراے آدمی نے اُسے گھوڑ کر دیکھا.... اور پھر مسکرا یا۔

”سردیوں میں پسند اسٹاد....!“ اس نے کہا۔

”تم نہیں سمجھ سکتے.... رحمو.... نہیں سمجھ سکتے۔ میں دلدل میں پھنس گیا ہوں۔ ہاں تمہارا۔“

بال نظر درست ہے کے....!“

”ہاں.... کھوڑ کیوں گئے ہو۔ میں نے تمہاری گفتگو سے اندازہ کر لیا ہے۔ ڈینی شاید

بنا ہی میں نہیں۔“

سنگرام کری میں گر کر پیشانی ملنے لگا۔

”تمہارا خیال درست ہے۔“ وہ تموزی دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”میں اسی لئے

بندہ ہوں کہ اس وقت بے ہوش تھا۔“

”تو پھر اب کیا خیال ہے۔“

”سمجھ میں نہیں آتا۔“

”یہم کہہ رہے ہو اسٹاد۔“

”ہم اس کا کچھ نہیں بھاگا سکیں گے۔ اس محل تک کسی کے بھی قدم نہیں آسکتے خواہ وہ

اُسراۓ ہی کیوں نہ ہو۔ تم سیکریٹری کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔ وہ بہت بھی انک آدمی

ہے۔ سرراہ لوگوں کو قتل کر سکتا ہے کوئی اس کا باب بھی بیکار کر سکے گا اب دیکھوں اس نے انپکڑ

ریڈی میں آدمی کو بھی اس شہر ہی سے کھسکا دینے کا یہڑا اٹھایا ہے۔ شاید کامیاب ہی ہو جائے۔

ل رات تو پتہ نہیں وہ کیسے نیچ گیا۔“

”اگر یہ بات ہے اسٹاد تب تو سیکریٹری کا یہڑا ہی غرق سمجھو۔“

”تم نہیں سمجھ سکتے۔ فریدی بے بس ہو جائے گا کیونکہ وہ صاحب اختیار نہیں ہے جب

نکے اوپر والے ہی سیکریٹری کے پیچھے دم ہلاتے پھرتے ہیں تو وہ کیا کر سکے گا۔ فریدی کو تو

باس شہر سے گیا سمجھو۔ میرا دعویٰ ہے کہ چند ہی دنوں میں اس کا تبادلہ ہو جائے گا۔“

”ورا آدمی کی سوچ میں پڑ گیا۔ سنگرام کری سے اٹھا.... دروازہ کھول کر راہداری میں

خرا ہوا۔ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر دروازے کے قریب آ کر رحمو سے بولا۔ ”ہوشیار

ہاں کا خیال ہے کہ تم چھ آدمیوں کے علاوہ اور کوئی فریدی کی معلومات کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔“

”کیا مطلب....!“ رحمو تمہیرانہ انداز میں پچھے ہٹا۔

پھر غیر ارادی طور پر اس کے دونوں ہاتھ اور انٹھ گئے۔
نقاب پوش تیزی سے مگر بے آواز اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔
”اپنے کمرے میں چلو۔“ نقاب پوش نے قریب پہنچ کر سرگوشی کی۔
نگرام بوكھلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آسکا کہ وہ کون ہو گا۔ بہر حال ٹائی گن نے اس کا
خانپنے کمرے کی طرف پھیر دیا۔
کمرے میں پہنچ کر نقاب پوش نے دروازہ بند کیا اور چشمی چڑھا دی۔ آتے وقت وہ
کاریڈر کا سوچ آف کرنا نہیں بھولا تھا۔
نگرام سوچ رہا تھا غالباً سیکرٹری کا کوئی نیاروپ ہے۔ کہیں اس نے ان پانچوں ہی کا
خاتمہ نہ کر دیا ہو۔

ای رات نگرام بے خبر سورہ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں آنکھ مکھل گئی۔ الجھ اجھ کرسویا تھا۔ اسی
لئے بیداری میں بھی ذہن پر کسی خوٹگوار کیفیت کی پرچھائیں تک نہیں تھی۔
سیکرٹری جیسے آدمی کے لئے یہ ممکن تھا کہ کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکنے کی بنا پر وہ ان پانچوں
نے کولبدی نیند سلا دیتا۔
وہشت۔۔۔ بس یہی دل چاہا کہ کہیں کھلے میں جائے۔۔۔ بیکار آسمان کی وسعتوں کے
فتاتا سیاہ پوش نے چہرے سے نقاب ہٹا دی اور نگرام اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہ انپکڑ
تلے جی بھر کے سانپیں لے۔

وہ راہداری سے نکل آیا۔ عمارت سنائی سے ہم آغوش تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں اے
اجاک کسی انجانے خطرے کا احساس ہوا۔ اسے اپنے پانچوں ساتھی یاد آئے۔۔۔ وہ گفتگو یاد آئی
جو فون پر سیکرٹری سے ہوئی تھی اور اس کے قدم پیساخت عمارت کے لفت و مگ کی طرف اٹھا تو تمہارا کیا رو یہ ہوتا میرے خلاف۔۔۔
گئے۔ ان پانچوں کے کمرے اسی کاریڈر میں تھے جہاں فرش پر سیاہ بلاک نصب تھا۔
”کچھ بھی نہیں۔ میں آپ کو سکرٹری سمجھا تھا۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔
کاریڈر کے موڑ پر پہنچ کر رک گیا۔ یہیں کاریڈر کا سوچ بورڈ تھا۔ اس نے اس کی
لیٹل کار بولا۔ ”مم۔۔۔ مگر آپ یہاں تک پہنچ کیے۔ مطلب یہ کہ کپاؤڈ کے کتے۔۔۔“
”آج وہ آرام کر رہے ہیں۔“ فریدی سکریٹری۔ اور صبح تک کرتے رہیں گے۔
”جا یے۔۔۔ جلدی سے جائیے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک غائب ہے۔ وہی جو
چرمی تھیں ایک رہا تھا۔ قبل اس کے کہ نگرام کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلتا اس نے ٹائی گن کا
بلاک پر گر کر نیچے پہنچا تھا۔ سیکرٹری کو شہر ہے کہ چھ آدمیوں میں سے کسی نے آپ
رخ اپنی طرف ہوتے دیکھا۔

”فریدی کو تہہ خانے کے راز سے آگاہ کرنے والا تم میں سے ہی کوئی تھا۔“

”میں اپنے لئے تو قسم کھالیتا ہوں جانتے ہو اسراستا اس رات کے بعد سے ملبوث
کپاؤڈ سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں کی۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ وہ اس طرح فیکھ لگائے گا تو کم از کم
نقاہیں ہی استعمال کی ہوتیں۔“

”بس اب جاؤ۔۔۔ ہوشیار رہنا۔“

زہریلا آدمی

بل ببر 28

”میں جانتا تھا کہ یہی ہو گا... اسی لئے میں نے تمہارے ذرا گمراہاتھر سید کیا تھا کرم
شبے سے بالاتر ہو جاؤ۔“
”مدتویں ہے.... دونوں گھرے دوست تھے۔“
”اس ہاتھ کے لئے بے حد شکر گزار ہوں جتاب۔“ سگرام مسکرا یا۔ ”بائیں گال پر اب
”ٹھیک.... صرف اسی کو میرے ساتھ جانے دو۔ تمہارا سیکریٹری صرف اسے ہی میرا مدد
بھی کسی قدر دروم باقی ہے۔“
”ہاں یہ ٹھیک ہے۔“ سگرام کے چہرے پر اطمینان کی لہریں ظرا آئیں۔
”یہ ضروری تھا۔“

”میری زندگی کا انحصار بھی اسی پر تھا۔“
”اچھا اب جلدی کرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”ابھی اور اسی وقت تم سب میرے ساتھ ہی
کچھ دیر بعد رحمو فریدی کے ساتھ جانے کے لئے تیار تھا اور فریدی سگرام سے کہہ رہا تھا۔
اسی طرح سیکریٹری کی انگلیوں کے نشانات حاصل کرو۔“
”نکل چلو۔ ورنہ کل تم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔“
”بیا مطلب....؟“
”مطلوب بتانے کا وقت نہیں۔ تمہیں مجھ پر اعتماد ہونا چاہئے۔“
”مم... مگر کیوں؟“



”میں تہہ خانے کی سیر کر چکا ہوں۔ اسے اس کا علم ہو جائے گا۔“
”نظرناک.... خدا کی قسم بے حد خطرناک۔ مگر آپ بیچے کیسے پہنچے۔ معمولی حالات میں
وہ بلاک اپنی جگہ سے جبکش بھی نہیں کر سکتا۔“
”دو گھنٹے صرف کئے تھے راستے کی ٹلاش میں۔ ہاں سنو... اس نے فلاٹ لفیا ہوٹل کا کرہ
نمبر تیرہ چھوڑ دیا ہے۔ اب کہاں فون کرتے ہو تم۔“
”کہیں بھی نہیں۔ وہ خود ہی فون پر کال کرتا ہے۔“
”فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔“ میری دانست میں تم تیکیں تھے وہ۔ میں نے دوسرا
لیکن وہ لوگ جو کچھ معلوم کرنا چاہتے تھے اس کا علم ان دونوں کے فرشتوں کو بھی نہیں
تھی۔ اور وہ پوچھ رہے تھے کہ وہ لنکڈن ہوٹل میں مارا جانے والا بوڑھا ان سے کیوں ملنے آیا تھا۔ وہ
تمیر سوچی ہے۔ تم محفوظ بھی رہو گے۔ اسے جہنم تک پہنچانے میں میری مدد بھی کر سکو گے۔“
”باتیئے۔“
”فریدی نے انہیں بوڑھے کی تصوری دی تھی تاکہ وہ اُسے دیکھتے ہی پہچان سکیں اور بس۔
”لما باقیں کا انحصار بوڑھے ہی پر تھا۔ لیکن وہ اس سے پہلے ہی مارڈا لا گیا۔“
”ان پانچوں میں سے تم کس پر اعتماد کر سکو گے۔“
”غوغ.... غالباً رحمو پر.... وہ بھی شدت سے بیزار ہے اور اسے ڈینی کے غائب ہو جانے؛“
”لن بھر انہیں طرح طرح کا، وزیتیں دی گئی تھیں اور اب رات کے گیارہ نج رہے تھے۔
نکامہ احال تھا۔ اتنی در سے شرار نہ ملنے کو، وجہ سے اسے اس کا وہ جھا اکن بار بھی یاد نہیں۔

آیا تھا جس کی ٹانگیں سر ڈگم بکم نے توڑ دی تھیں۔ شراب نہیں ملی تھی اس لئے مغموم ہوا۔ ابھی خیں۔ وہ یکے بعد دیگرے باہر نکل آئے۔

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ اگر آدمی مغموم نہ ہو تو یہ بھی ضروری نہیں کہ خوش ہی ہو۔ اسے غمہ بھی آسکتا تھا اور وہ لفڑاؤں کی طرح گالیاں بھی بک سکتا ہے۔ ہنری کی یہی کیفیت تھی۔ جو دریا خیال تھا کہ اس نے آج ہی تقریباً پچاس عدد بالکل نئی قسم کی گالیاں دریافت کی ہیں۔

داغوں کی جلن بے حد تکلیف دہ ہو گئی تھی۔ لیکن اسے ہنری پر غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ خود اس لڑکی کے جال میں پھنس سکتا تھا۔ اسی کی ایماء پر ہنری اٹھ کر اس کے پاس گیا تھا۔ اب اور بات ہے کرنے میں سنک گیا ہو۔

”بُوے کام کا آدمی مارا گیا۔“ فریدی مضطرباً نہ انداز میں بڑیڑا یا۔

”مگر کس کام کا۔“ حمید نے جلاہت میں رانوں پر ہاتھ مارے اور ”سی“ کر کے رہ گیا۔

بارہ بجے یک بیک کمرے کی روشنی مگل ہو گئی اور پھر قیامت ہی آگئی تھی۔ گویا ساری ٹبر کی داغ پر ہاتھ پڑ گیا تھا۔

umarat پر درپے دھماکوں سے گونجھے لگی اور وہ شور... خدا کی پناہ جیسے مردے قبروں سے نکل انور سگر بیٹ سلگار ہاتھا۔ فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ”تم کس پچکر میں تھے۔“

”میں اب اس خونخوار لڑکی کی ٹلاش میں ہوں جس نے بھائی کے کان۔“ کرمیدان حشر کی طرف بھاگے جا رہے ہوں.... چھپیں.... دھاڑیں واولیاں بھی کچھ شامل تھاں شور میں۔

”کو اس مت کرو۔“ فریدی کا موڈ گز گیا۔ ”اس حادثت سے باز آؤ اور اب خاموش

کچھ دیر بعد کمرے کا دروازہ کھڑکھڑایا... کھلا... اور محدود روشنی والی تنفسی ٹارچ کی تھی۔ تمہارا کام ختم ہو گیا۔“ چک دکھائی دی۔

”چلو اٹھو...!“ حمید نے انور کی آواز سنی۔ ”میری دم سے دو سیاں بندھی ہوئی ہیں“ دیکھنے کے لئے پکڑا اور چپ چاپ میرے پیچے چل آؤ۔

”لیکن....!“ فریدی نے اسے پھر مخاطب کیا۔ ”تمہارا پاگل پن برقرار رہنا چاہئے۔ میں ابھی بندھو کر تمہارے فیٹ میں بھجواؤں گا۔“

اس نے مزکر ٹارچ پیچھے کی۔ سوتھر کے نیچے ری کے دو ٹکڑے جھول رہے تھے۔ پھر ٹارنا ”یہ خدمت آپ میرے پر کردیجھے۔“ حمید چک کر بولا۔ ”لیکن یہ کس خونخوار لڑکی کی بھجادی گئی۔

کچھ دیر بعد وہ سنان عمارت کے مختلف حصوں سے گزر رہے تھے۔ عمارت کے باہر بھی ”زبان بند رکھو۔“

حمد بھی خاموش ہو گیا۔ انور نے اپنی کہانی دہرائی۔۔۔ پیشاب خانے میں داخل ہو کر اس

انہامیک اپ کی حد تک بگاڑ دیا تھا۔ لیکن اس طرح بھی نہیں کہ انور کی حیثیت سے بے

آن پچانا جاسکتا یا کوئی بھی کہہ سکتا کہ یہ وہی آدمی ہے جس کی ٹلاش ورگوری پولیس کو تھی۔

اہر بالکل سناتا تھا۔ البتہ کپاڈ غذی کی جانب والے شور کی مدد میں آوازیں یہاں بھی سنیں گے۔

”پرموڈ ہاؤز.... وہ ویس کے ملازم میں میں سے ایک ہے۔“

”خبر دیکھا جائے گا.... اور کچھ۔“

”میں نہیں۔“

”شکریہ۔“ فریدی نے رسیور ر دیا۔

بجدوں سے غور سے دیکھ رہا تھا سکرا کر بولا۔ ”آج نہیں آئیں... کیا...!“

”بکواس کی ضرورت نہیں۔ اب تم دونوں جاسکتے ہو۔ حمید اپنی زبان قابو میں رکھو ورنہ

میں پچتا گے۔“

بجد نے خندی سانس لی اور ماسمنہ بنائے ہوئے اٹھ گیا۔

پھر اس نے ہنری اور حمید کو کسی لڑکی کے ساتھ بیٹھے دیکھ کر سوچا ممکن ہے اب انہیں بھی کسی جگہ میں پھانسا جارہا ہو لہذا وہ ان کے بیچھے لگ گیا تھا۔ اس کا اندازہ درست ہی لکھا تھا کیونکہ وہ کسی عمارت سے باہر نہیں دکھائی دیتے تھے۔ پھر اس نے اس عمارت کے متعلق چھان بیڑ شروع کی اور چند گھنٹے بعد اس کے پاس معلومات کا ذخیرہ تھا۔ وہ عمارت عیاشی کا اڈا تھا۔ دارالحکومت کے بڑے حکام یہاں آ کر دادیش دیا کرتے تھے جس کا انتظام ورگوی اپنے کے ذمہ تھا۔

انور سمجھ گیا کہ حمید اور ہنری سیکریٹری کے عتاب کا شکار ہوئے ہیں۔ وہ یہاں کسی آدمی سے ملنے آئے تھے جو فریدی کیلئے کار آمد ثابت ہو سکتا۔ لیکن وہ مارڈا لگا۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی پہچان لے گئے ہیں۔



بس پھر اس نے دھماکے سے پھٹنے والے بہت سے پٹاخے خریدے۔ تھوڑے پڑول انتظام کیا اور رات بھینگے کا منتظر رہا۔

خاور اپنے کمرے میں تھا تھا۔ دھٹا ایک بر قعہ پوش عورت اندر داخل ہوئی۔ خاور اسے غارت آئیں۔ نظرؤں سے دیکھنے لگا جیسے اس کی موجودگی بھی گراں گزر رہی ہو۔

”میں....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم اپنی صورت مجھے مت دکھاؤ۔ جو کچھ کہنا ہے کہہ جاؤ۔“

”کیا بات ہوئی۔“ تارا نے غرا کر قاب اٹھی۔ ”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”اوہو....!“ خاور پھنس پڑا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے کوشش کر کے ہنسا ہو۔ پھر بولا۔ ”مجھے عکایا سردار کر دینا میں کیا ہوتا ہے۔ مجھے صرف اپنے فرائض کا خیال رکھنا چاہئے۔“

”میں نہیں سمجھی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

”میں کچھ بھی نہیں کہہ رہا۔ تم اپنے کان بند کرو اور مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اب تمہیں کیا

ہے؟“

”غنا تارا کے چھرے پر جھالت کے آثار نظر آئے۔ ایک بار خاور سے نظریں ملیں اور خاور

ابھتاط رہو۔ مجھ سے پوچھئے بغیر اگر ایک قدم بھی اٹھایا تو نتیجے کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔“

فون کی سکھی بھی اور فریدی نے ہاتھ اٹھا کر رسیور اٹھا لیا۔

”ہیلو...!“

”اث از ریش سر۔“

”ہاں... کیا بات ہے۔“

”یہ بات پایہ ٹوٹ کو پہنچ چکی ہے کہ جب بھی پنز تارا آپ سے ملنے آئی ہے اپنے آدمی چھپ کر اس کی گرفتاری کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کہ تارا کو بھی خبر نہ ہو۔“

”اس کے بعد وہ آدمی کہاں جاتا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔



نے ٹھنڈی سانس لے کر سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں سے غم جھاک رہا تھا۔

تارا نے کچھ کہنے کے لئے ہوت ہلائے لیکن آواز نہ لکلی۔

”کچھ مت کہو۔ مجھے سب معلوم ہے۔ تم اجائے کی تلاش میں اپنی روح کو تاریکیوں میں دھیل چکی ہو۔“ سکریٹری نے قہقہہ لگایا اور دریک ہستار ہا۔ سگرام دل ہی دل میں جلس رہا تھا۔ اس کا لفڑا کوہ رحווה اے معاملے پر نہ سو ہو جائے گا۔

تارا نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔ خاور اے چند لمحے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”سارے شہر میں اس ذیل کے علاوہ فریدی کا اور کوئی دشمن نہیں ملا تھا۔ جانتی ہو وہ کبھی تمہیں نہ لگے سے نکل جھاگی۔ اور ہاں سنو کوئی تہہ خانے میں بھی داخل ہوا تھا۔“ بیک، میں بھی کر سکتا ہے۔ تم انھی ہو گئی تھیں۔ بتاؤ مجھے کیا اب کبھی تم اس کے جاں سے نکل سکو گی۔ کبھی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ تمہارا غلام تھا۔ لیکن اب وہ تمہیں انگلیوں پر چڑائے گا۔ تمہارا آقابن بیٹھا ہے۔ اب اگر کبھی فریدی تمہاری طرف ملت ہو گی ہوا تو وہ اسے سب کچھ تارا گا۔ پھر تمہاری کیا حیثیت ہو گی فریدی کی نظرؤں میں۔“

تارا نے چہرے پر سے ہاتھ ہٹائے بغیر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں کچھ نہیں سننا تو پھر....!“ سگرام نے تھقانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”تو پھر کیا رجوت ہے خانے چاہتی۔ مجھے بتاؤ وہ کب میری طرف متوجہ ہو گا۔ اسکے رویہ میں اب بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔“ داخل ہونے کا طریقہ جانتا تھا۔“ ”تم جانتے ہو۔“ سکریٹری اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”بکھر نہ کبھی ضرور آئے گا تمہاری طرف لیکن انہوں.....!“

”اب کیا کہنا چاہتے ہو۔“ تارا نے جھلاہٹ میں چہرے سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ ”نہیں جتاب.... میں کیا جانوں۔“ ”بیہی کسکریٹری اسے سب کچھ بتادے گا۔ اس کی نظرؤں میں تمہیں ذیل کرو گا۔“ ”تب پھر رحمو کے جانے کے سوال کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ میں فریدی کو اتنا حقیر بھی نہیں میں اسے جان سے مار دوں گی۔“ تارا دانت پیشی ہوئی ناگن کی طرح بھیجا کاری۔ تاکہ وہ کسی تہہ خانے میں داخلے کا راستہ بھی نہ تلاش کر سکے۔ ”لیکن....!“

”میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔ خاموش رہو۔“ وہ پیر پیخ کر بولی۔ بر قہ اٹھایا اور اس کی نگہ میں نہ آئی ہو۔

”لیکن....!“ سکریٹری لاپرواٹی کے انہمار میں شانوں کو جنم دے کر بولا۔ ”وہ اب بھی بخوبیں بگاڑ سکتا۔ جب چاہوں اسے ایک حقیر کی طرح مسل کر رکھوں۔“ وجہیں اڑا دیں۔ اور پھر اسی عالم میں منتقل ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

خاور کے ہونتوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ سفاقی اور تضییک سے بھر پور۔ ”ٹھیک ہے سرکار۔ لیکن میں نے یا میرے آدمیوں نے تو اس رات کے بعد سے اُنکے باہر قدم ہی نہیں نکالا۔“ محض اس لئے کہ کہیں اس کے شکاری کتے ہمارا خاتمہ ہی نہ

کر دیں۔“

”کون ہے۔“ اس نے بند دروازے کو گھوڑتے ہوئے اوپنی آواز میں پوچھا۔

”خادم....!“ باہر سے آواز آئی اور تارا کے ہونٹ نفترت سے سکر گئے۔ اس نے بکری شیری کی آواز بے آسانی پیچان لی تھی۔

”میں سونے جاری ہوں۔“ وہ غرائی۔

”سرشام ہی۔۔۔ یور ہائی نس۔“ باہر سے آواز آئی۔

”جاؤ۔۔۔ فضول باتیں نہ کرو۔“ تارا جلا گئی۔

”ذرالا سے بھی ملاحظہ فرمائیے۔“ باہر سے آواز آئی اور پھر دروازے اور فرش کے درمیانی رخنے سے ایک لفاذ اندر سرک آیا۔ تارا تیزی سے آگے بھلی اور اسے اٹھا کر گھونٹ لے گئی۔

یہ ایک تصویر تھی جس پر نظر پڑتے ہی تارا کے اوسان بجانہ رہے۔ ہاتھ کا پنے اور تصویر کرنے سے نکل کر فرش پر جا پڑی۔

”دیکھا آپ نے۔“ باہر سے آواز آئی۔ ”آپ کا چہرہ کیمرہ کے سامنے ہے اور خدو خال تے واضح ہیں کہ ایک بچہ بھی آپ کو بے آسانی پیچان لے گا اور میری پشت کیمرے کی طرف ہے اس لئے میرے پیچان لے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا۔“

تارا کچھ نہ بولی۔ اس کا چہرہ زرد پر ڈیگا تھا اور وہ بُری طرح ہاپ رہی تھی۔

”سنے۔“ باہر سے آواز آئی۔ ”جس دن بھی آپ نے میرا کوئی مطالبہ ٹکرایا وہ آپ کی لذت اور نیک نامی کا آخری دن ہوگا۔ اس تصویر کی ہزاروں کا پیاس ورگوی اسٹیٹ میں مفت قائم کر دی جائیں گی۔“

تارا کی حالت اتر ہوتی جاری تھی۔ غاور کے الفاظ اس کے کافوں میں گونج رہے تھے۔

”کیا سارے شہر میں اس ذیل کے علاوہ فریدی کا اور کوئی دشمن نہیں ملا تھا۔ جانتی ہو وہ کبھی نہیں بلیک میل بھی کر سکتا ہے۔ کیا بکھی تم اسکے جال سے نکل سکو گی۔ کبھی نہیں ہرگز نہیں۔“

اس کے کافوں میں سیٹیاں ہی بھتی رہیں۔۔۔ دماغ جھنجھلاتا رہا۔ آنکھوں کے سامنے سیاہ لٹک کے گنجان دائرے تیزی سے گردش کر رہے تھے۔ پھر وہ لاکھڑاتے ہوئے قدموں سے دروازے کو ہو لے ہوئے لکھھٹایا۔

”کیوں...؟“

”میں ان آفسروں کے تباہ لے کر ادیتا ہوں جو مجھے پسند نہ ہوں۔“

”مگر سرکار۔۔۔ ایسے موقع پر جب اس کی بات گرسی ہو وہ استغفاری تک پیش کرنے کو تیر رہتا ہے۔“

”اس کے بعد تو وہ اور بھی زیادہ آسانی سے مارا جائے گا۔“

”دیکھئے!“ سُکرام نے ٹھنڈی سانس لی۔

”تم اتنے مایوس کیوں ہو۔“ سکریٹری اُنسنے گھونٹ نے لگا۔

”میں اُسے سالہا سال سے جانتا ہوں جتاب۔ کئی بار اسی کے ہاتھوں نکست کھا کر تے واخ ضمیم ہیں کہ ایک بچہ بھی آپ کو بے آسانی پیچان لے گا اور میری پشت کیمرے کی طرف سلاخوں کے پیچے جا پکا ہوں۔“

”تب تو تم ہی اسے قتل بھی کرو گے۔ اب خوش ہو جاؤ۔“

”کاش...!“ سُکرام پھر ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

سکریٹری ہنستا ہوا اٹھ گیا۔



آگے بڑھی اور درواز کی چھپنی گرادي۔



پکے ملے گی۔ میں تو اسے اچھی حالت میں دیکھنا چاہتی ہوں۔“
”تم بہت گریٹ لڑکی ہو۔“ خاور نے کہا۔ ”اچھا بھبھرو۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم کس طرح
ان کے کام آسکو گی۔“

خاور نے آنکھیں بند کر لیں۔ تقریباً پانچ منٹ تک کمرے کی فضا پر بوجھلی خاموشی
سلطاری پھر خاور نے آنکھیں کھول کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”ایک ہی تدبیر ہے۔ لیکن تم
یعنی ہو سکتے گا۔ بڑا کٹھن کام ہے۔ تمہاری دلیرانہ افتتاح سے بھی واقف ہوں تم دس آدمیوں
ہڑواتر گولیاں برسائتی ہو۔ پھر بھی عورت ہو۔ عورت تاریکی اور ویرانہ۔ ناممکن ہے کہ تم
نیزدہ نہ ہو جاؤ۔“

”میں اس کے لئے جان بھی دے سکتی ہوں بابا۔“

”اچھا تو سنو۔۔۔ ایک ایسا تالاب تلاش کرو جس کے کنارے جامن کا درخت ہو۔ اتنا
زدیک کہ اس کا سایہ تالاب پر پڑ سکے۔ انور کی ایک ایسی ٹوپی چاہئے جسے اس نے کم از کم تین
سال تک استعمال کیا ہو۔ میں ایک نقش دوں گا۔ اسے ٹوپی کے اندر رکھ کر تالاب کے کنارے
جا بیٹھنا۔۔۔ منگل کی رات ہونا چاہئے۔ گھری بالکل صحیح وقت دے رہی ہو۔ جیسے ہی بارہ بج کر
ایک منٹ ہو تو پی میں تالاب کا پانی بھر لیتا۔۔۔ مگر نہیں تم ایسا نہیں کر سکو گی۔۔۔ شہر میں تمہیں ایک بھی
تالاب نہیں سکتے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے تمہیں ویرانوں ہی کارخ کرنا پڑے گا۔۔۔ نہیں لڑکی
اں چکر میں نہ پڑو۔ بارہ بجے رات۔ ویرانہ اور پھر تمہیں تالاب بھی ایسا تلاش کرنا پڑے گا
جس کے کنارے جامن کا درخت بھی ہو۔“

رشیدہ تی کھڑی خلاء میں ٹھوڑی تھی پلکیں جوچ کائے بغیر۔۔۔ وقتاً اس کے ہونٹ ہے اور
بھیسی آواز تکلی۔ ”میں اس کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں۔ سب کچھ۔“

پھر بھر بھری ہی لے کر اس طرح چوکی بھیسے گھری نیند سے جا گئی ہو۔
”خدا تم پر رحم کرے۔“ خاور نے بھرائی ہوئی مغموم آواز میں کہا۔ ”اچھا۔۔۔ آج سپتھر
ہے۔“ دشنبے کو مجھ سے نقش لے جانا۔ اسی وقت ہدایات بھی دوں گا۔“

”بابا۔۔۔ میں ڈوب رہی ہوں۔“ رشیدہ خاور کے سامنے دو زانوں پر گزگزاری تھی
”اے سے بچائیے۔ خدا کے لئے بچائیے۔ وہ بہت کم ہوش میں رہتا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں
انپکٹر فریڈی اے سے پاگل خانے نہ بھجوادے۔“

”کیوں؟“

”بس بیٹھے بیٹھے اٹھتا ہے کپڑے چھاڑ کر باہر نکل جاتا ہے اور پھر انپکٹر فریڈی کی کوئی ہے
کارخ کرتا ہے۔۔۔ اور وہاں۔۔۔ اس سے جو حرکت سرزد ہوتی ہے اسے پاگل خانہ بھجوادیے کے
لئے کافی ہو گی۔“

”کیا کرتا ہے۔“

”کوئی پر پھر اؤ۔۔۔ حق پھاڑ پھاڑ کر گالیاں دیتا ہے انپکٹر کو۔۔۔ کئی بار وہ اے سے پکڑوا کر
فیٹ میں بھجوا چکا ہے۔ اب سناء ہے کہ اگر اس سے الیکٹریٹ سر زد ہوئی تو وہ اے سے پاگل خانے
ہی بھجوادے گا۔“

”یہ دنیا بڑی خود غرض ہے بیٹی۔ ہاں مجھے علم ہے کہ اس کا دماغ قابو میں نہیں لیکن اس
برباہی کا باعث بھی فریڈی ہی بنا ہے۔ یہ پولیس آفیسر بھی کسی کے ہوئے ہیں۔ میں تمہیں
تباہر شاید نہ جانتی ہو۔ ندامت نے اس کا دماغ الٹ دیا ہے۔ اس نے فریڈی کے کہنے میں
اگر برے طلاق سازشیں تیار کی تھیں لیکن پھر ندامت نے اس کا سر جھکا دیا۔ تم ڈرومٹ بیٹی۔
وحیدہ، اُو شاید تمہاری راہ میں اب نہ آسکے۔ ستاروں کی چال بدلتی ہے۔“

”لیکن اس کی ذہنی حالت اعتدال پر کیسے آئے گی۔۔۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں کر سکی

”میں بے حد شکر گزار ہوں گی بابا۔ زندگی مجر آپ کا یہ احسان یاد رکھوں گی۔“

”اچھا بس اب جاؤ۔ یہ میری عبادت کا وقت ہے۔“ خاور نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ رشیدہ چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر مغموم انداز میں دروازے کی طرف ہرگز بیوں کے ملے بے آواز چلتی ہوئی کمرے سے باہر آگئی۔

”یاد رکھو اس کا نتیجہ بہت خراب ہو گا۔ بہت خراب۔ تم سازشی ہو بلکہ میسر ہو۔ میں ہماراج کمار کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا اور اب میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ڈاکٹر ڈف اور ان کی لاکی کے قاتل بھی تم ہی ہو۔“

”غصہ اس لئے کہ میرے امثال پر دو انسانی ہاتھ موجود ہیں۔“ فریدی مسکرا یا ”اور ان بول کی کہانی بھی وہی ہے جو میں نے کچھ دن پہلے آپ کو سنائی تھی۔ ایک ایسے کثیرے کی سورجی شوکیس میں لگی ہوئی ہے جس کا کوئی وجود نہیں۔“

”اسمعتھ اُسے گھوڑتا رہا۔ فریدی پھر بولا ”بس آپ دیکھتے جائیے کہ چوہا کس طرح آتا ہے نہے دان میں۔“

”پھر تم نے مجھ سے جھوٹ کیوں بولا تھا کہ ڈاکٹر ڈف کے یہاں تمہیں کچھ بھی نہیں ملا تھا۔“
”یہ حقیقت تھی سو پر۔“
”پھر یہ ہاتھ کہاں ملے۔“

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ملازم نے کسی کا کارڈ چاندی کی چھوٹی سی کشتی میں رکھ رکھیں کیا۔

”اوہ.... ہماراج کمار.....!“ فریدی کارڈ دیکھ کر مسکرا یا۔

”ہماراج کمار۔“ اسمعتھ اچھل پڑا۔ ”اوہ فریدی تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔“
فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”ہمیں برآمدے میں چلانا چاہئے کیونکہ وہ آپ کے دوست ہیں۔“
وہ دونوں برآمدے میں آئے۔ ہماراج کمار کو پر جوش انداز میں رسیو کیا گیا۔ اسمعتھ کچھ پڑا جیسا نظر آیا۔ البتہ فریدی بے حد اسارت لگ رہا تھا۔

پھر وہ ڈائینک رومن میں آبیٹھے۔ ہماراج کمار کے دونوں سلے اے ذی سی باہر ہی شہرے نہ اسمعتھ نے محسوں کیا کہ ہماراج کمار کا موڈ بھی درست نہیں ہے اور وہ فریدی کو اس طرح ہمارا تھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

”یہ ادیز مرکا ایک وجہہ اور بار عرب آدمی تھا۔“

انجام

رات کے نوبے تھے اور یہ پہلا اتفاق تھا کہ کیپشن اسمعتھ کی گاڑی فریدی کی کوئی کی کپڑا غم میں داخل ہوئی تھی۔

فریدی نے تحریرانہ انداز اختیار کر کے اس کا استقبال کیا۔ لیکن وہ فریدی کو گھوڑے جارہا تھا۔ آخر کچھ در بعد بولا۔ ”آج حشرات الارض کی بین الاقوامی نمائش کا پہلا دن تھا۔“

”جی ہاں.... سنا تھا میں نے بھی۔“

”یہ تم نے کیا کیا فریدی۔“ اسمعتھ کی آواز کا نبض رہی تھی۔

”میں نہیں سمجھا جتاب۔“

”نمایش میں تمہارے نام کا بھی ایک امثال ہے۔“

”جی ہاں.... میرے پاس بھی کچھ نایاب نہ نہیں تھے۔ مجھے بھی کبھی حشرات الارض کے موضوع سے لچکی رہی ہے۔“

وفتنما اسمعتھ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ کہتا چاہتا ہو۔ لیکن غصے کی زیادتی کی وجہ سے مناسب الفاظ کے اختیار کا سلیقہ فتاکر بیٹھا ہو۔

کچھ در بعد وہ میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”تم نے میرے ساتھ فراڈ کیوں کیا؟“

”یہ آپ کیا فرمائے ہیں۔“

”تم یعنی اپنے فریدی ہو۔“

”آپ کا خیال درست ہے۔“ فریدی سکرایا۔ ”فرمائیے میرے لائق کوئی خدمت۔“

”تم کیا چاہتے ہو۔“ مہاراج کمار کی غراہت کرے میں گنجی۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔“

دفترا مہاراج کمار نے ریوالور نکال لیا اور اسے فریدی کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ”کیپٹن اسمتح یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم بھی اس وقت یہیں موجود ہو۔ جس بلیک میلر کا تذکرہ میں نے کیا تھا وہ ہیں ہے۔ نہیں خبردار اپنی جگہ سے جنسش بھی نہ کرنا۔ گولی مار دوں گا۔“

”آپ کو خواہ مخواہ وہم ہو رہا ہے کہ میں جنسش کرنے کی زحمت گوارا کروں گا کیونکہ ریوالور خالی ہے اور آپ کا ہرگز نہیں ہے۔“

اب مہاراج کمار نے غور سے ریوالور کی طرف دیکھا اور اس کے چہرے پر سایگی کے آثار نظر آئے۔

”سوپر..... پلیز....!“ فریدی نے اسمتح کو مخاطب کیا۔ ”یہ میرا سرکاری ریوالور ہے۔ آر ہی غائب ہوا تھا۔“

ریوالور مہاراج کمار کے ہاتھ سے چھوٹ پڑا اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

”پرواہ مت سمجھئے۔“ اس نے سمجھی گی سے کہا۔ ”مجھے علم تھا کہ آپ بہت غصہ و راؤ دی یہ آپ کا کارڈ دیکھتے ہی میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ آپ کہاں سے اور کس موڑ میں آئے ہوا گے لہذا یہ رہا آپ کا ریوالور....!“

فریدی نے اپنی جیب سے ہاتھی دانت کے دستے کا نکل پولیش خوبصورت ساری ریوالور نکال ہوئے کہا۔ پھر وہ ریوالور بڑے احترام کے ساتھ مہاراج کمار کے سامنے پیش بھی کر دیا گیا۔

مہاراج کمار کے چہرے پر بوکھلاہت کے آثار بڑے مٹھکے خیز تھے۔ اسمتح بھی سکرایا پھر مہاراج کمار گڑ بڑا کر بولا۔ ”میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے اور کچھ ایسا جان پڑتا ہی جس بہت زیادہ دیکھا ہے لیکن کہاں.... یاد نہیں آتا۔“

”آپ نے میرے ڈیڈی کو دیکھا ہوگا۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔

”کیا مطلب....!“

”مجھے علم ہے کہ میرے ڈیڈی نواب عزیز الدین خان...!“

”عزیز الدین خان۔“ مہاراج کمار اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”نواب عزیز الدین.... بالی گوڑا نہیں سے مشابہ ہو۔ وہ تمہارے ڈیڈی....!“

”جی ہاں۔“

”اور.... یہ اپنے کیا۔“

”ان باتوں کو چھوڑیے.... ہاتھ اب میرے قبضے میں ہیں۔ لیکن محض ہاتھ ہی تو سب کچھ نہیں.... بالی دی وے.... سوپر اسٹھنے نے یہ کس رازداری کا حلف لینے کے بعد میرے پرورد یا تھا اور میں عرصہ سے اس پر کام کر رہا ہوں اور اب اس منزل میں ہوں کہ ہاتھ میرے قبضے میں آچکے ہیں۔ ہاں سوپر آپ بھی سنئے۔ یہ ہاتھ مجھے ذف کے تہہ خانے میں نہیں مل تھے۔“

”اوہ..... پھر....!“ اسمتح بھی کچھ نہیں سانظر آنے لگا۔

”تاوقتیکہ پوری طرح ثبوت نہ فراہم کر لوں کسی کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا۔“ وہ مہاراج کلارکی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور مہاراج کمار نے گڑ بڑا کراس کے چہرے سے نظر ہٹالی۔

”لیکن....!“ فریدی نے چند لمحے ٹھہر کر کہا۔ ”جب تک کہ مجھے پورے حالات کا علم نہ جائے میں اس بلیک میلر کا کیا بھاڑا لوں گا۔“

”اوہ..... لڑکے.... لڑکے.... صرف تمہارے باپ ہی اس راز سے واقف تھے۔“ نہ راجہ کمار نے مضطرب بانہ انداز میں کہا۔ پھر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”پر ایکو یہی۔“

”آپ کے اے ڈی سیز کے علاوہ آس پاس اور کوئی بھی موجود نہ ہو گا۔“

”میں چاہتا ہوں کہ وہ جہاں ہیں وہیں رہیں۔“

”تو پھر آئیے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ وہ نہیں اپنی تجوہ بگاہ میں لے جا رہا تھا۔ اسمتح کو الور کے مسئلے نے چکر میں ڈال دیا تھا۔ فریدی نے استفسار پر بتایا۔ ”نہیں رسیو کرتے

زہریلا آدمی

ان کی بربادی کا دور شروع ہوتا ہے۔ میری امداد کو تو تمکھرا ہی چکے تھے لیکن اپنی عادت میں بہلے جدیلی نہ کر سکے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں اپنے دونوں ہاتھ کسی بیک میلر کے ہاتھوں زرد کر دینے پڑے۔

”اوہ....!“ فریدی نے دائرے کی شکل میں ہونٹ سکوڑے۔

”اس نے انہیں پانچ سو پونڈ دیئے تھے اور تحریر لی تھی کہ وہ ان کی موت کے بعد ان کے ہاتھ کاٹ لینے کا مجاز ہوگا۔ دستاویزات پر ہمارا خاندانی نشان اور والد صاحب کی ذاتی بھی موجود ہیں.... وخت بھی انہیں کے ہیں.... میں نے اس تحریر کے متعلق کئی یورپیں ماہرین کا رائے لی تھی وہ سب اس پر متفق تھے کہ تحریر سو فیصدی والد صاحب ہی کی ہے۔“

”لیکن وہ دستاویز آپ کے ہاتھ کیے گئی۔“

”دستاویز کا بہت عمدہ فنون گراف اس نے اپنی ہمکی سمت مجھے بھیجا تھا۔ اب تک وہ زیباقاں لاکھ روپے مجھ سے وصول کرچکا ہے۔ کہتا ہے کہ جب بھی میں نے اس کے خلاف کارروائی کے متعلق سوچا وہ ان ہاتھوں کی نمائش کرڈا لے گا اور دستاویز کے فوٹو کی لاکھوں بیال سارے ملک میں تقسیم ہو جائیں گی۔ تم خود سوچو اس کا تصور ہی کتنا بھیانک ہے۔ یہ ای خدا کی پناہ۔ یعنی میرے باپ نے مفلس ہو کر اپنے ہاتھ تک فروخت کر دیئے تھے اور میں کر رہا تھا اس وقت۔ میں اس سے پہلے ہی مر جانا پسند کروں گا جیئے۔“

راج کمار نے خاموش ہو کر سر جھکایا۔

”میرا خیال ہے کہ اس دران میں اس نے آپ سے کوئی بڑی فرمائش کی ہے۔“
”میں اسے دھرا پسند نہیں کروں گا۔“

”خیر چھوڑیے.... بہر حال اسی فرمائش کے سلسلے میں اس نے ہمکی دی ہو گی کہ ہاتھوں عام نمائش کر کے اس کہانی کی پلٹی کرائے گا۔ اگر اس کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا۔“

”ہاں.... یہی بات ہے۔“

”اور آپ احتیاطاً اخترات الارض کی نمائش میں جا پہنچے۔“

وقت صرف ہاتھ کی صفائی۔ میرا خالی روایور ان کی جیب میں نہ صرف فنقہ ہوا تھا بلکہ ان کا روایور میری جیب میں بھی پہنچ گیا تھا۔

”بالکل باپ کی طرح ہو۔“ مہاراج کمار مضطرباً نہ انداز میں ہنسا۔ ”لیکن تمہاری انپکڑی میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

فریدی نے بات ٹال دی۔ اب وہ تجربہ گاہ میں کھڑے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ ”میں نے تمہاری تجربہ گاہ کے متعلق سنا ضرور تھا لیکن سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنی بڑی ہو گی۔ تم ہر معاملہ میں تمحیر کر دینے کے عادی ہو۔“ اسکھ نے کہا۔

فریدی مہاراج کمار سے کہہ رہا تھا۔ ”ہاتھوں کی کہانی مجھے معلوم ہے.... وہ لاش سے کاٹے گئے تھے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں اُوہ.... آپ کھڑے کیوں ہیں تعریف رکھنے سو پلیز۔“

اسکھ اور مہاراج کمار بیٹھ گئے۔ لیکن فریدی کھڑا رہا۔ اس کی بات جاری تھی۔ ”جی ہاں میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بیک میلر نے کس مضبوطی کی بناء پر آپ کو بیک میل کیا تھا۔ حاضر ہاتھ ہی تو سب کچھ نہیں ہو سکتے۔“

مہاراج کمار نے ٹھنڈی سانس لی چند لمحے خاموش رہا پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہ بڑی دردناک کہانی ہے بیٹے اور میرے لئے باعث شرم بھی۔ لیکن جو کچھ بھی ہوا میری العلیٰ میں ہوا۔ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہوگا کہ میرے والد صاحب کو بعض الزامات کے تحت معزول کر کے اسٹیٹ مجھے سونپی گئی تھی اور والد صاحب یورپ پلے گئے تھے۔ انہیں وظیفہ ملتا تھا لیکن چونکہ بے حد فضول خرچ آدمی تھے اس لئے وہ ان کے لئے ناکافی ہوتا تھا۔ ضدی بھی تھے۔ بہر حال ان کے وہ مصارف جو وظیفے سے نہیں پورے ہوتے تھے میں پورے کرتا تھا۔ ان کا ذاتی سرمایہ بھی تھا لیکن زیادہ دنوں نہ چل سکا۔ پھر انہوں نے قرضے لینے شروع کئے ان کی ادا۔ اسکی بھی میرے ہی ذمہ تھی۔ ادا ہو جاتے۔ ایک بار کسی بات پر اتنے خفا ہو گئے کہ وظیفہ کے علاوہ اور دوسرا رقمات لینے سے انکار کر دیا۔ میری شکل تک دیکھنے کے روادر نہ رہے۔ وہیا

”اتفاق نہیں۔ بلکہ کچھ اسکھ نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ کہیں اسی نمائش میں یہ حرکت نہ ہو جائے۔“

”تم سے مباحثہ کے بعد۔“ اسکھ نے فریدی سے کہا۔

”اور پھر وہ ہاتھ آپ کو میرے اشال پر نظر آئے۔“

”بس غلط ہیں ہو گئی تھی۔ مجھے بے حد افسوس ہے۔“

”پرواہ نہ کجئے۔ جب تک میں اصل دستاویز بھی حاصل کر کے آپ کے حوالے ز کر دوں ہاتھ میرے ہی قبضے میں رہیں گے۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”مگر سنو۔ تم نے یہ حرکت کس بناء پر تڑپا لی۔ ان ہاتھوں کو نمائش میں رکھے کیا ضرورت تھی۔“ اسکھ نے سوال کیا۔ ”کیا وہ دستاویز کی تصاویر اب نہیں تقسیم کر سکتا۔ اب تو جھلاہٹ میں وہ بہت کچھ کرڈا لے گا۔“

فریدی کے ہونتوں پر مسکراہٹ تھی۔

”وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔“ فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔ ”کیونکہ اب میں اسے بیک میل کر رہا ہوں۔ ہاتھ اس لئے رکھوائے ہیں نمائش میں کہ وہ مجھے بے بس سمجھتا تھا۔ میں اسے دکھانا چاہتا ہوں کہ آدمی خواہ کتنا ہی اوچا کیوں نہ ہوا اگر معاشرہ کے لئے نصان دہ ہے تو کسی چیزوں ہی کی طرح ایک نہ ایک دن ضرور خاک میں مل جائے گا اس نے ہاتھ چھپا کر رکھے تھے میں نے کھلی نمائش میں رکھ چھوڑے ہیں۔ مخفی اس لئے کہ وہ انہیں دیکھے اور یقیناً تاب گھائے لیکن ہاتھ بھی نہ لگا سکے۔“

”اوہ.... تو کیا... سک...!“

”سو پر چیز...!“ فریدی نے اسکھ کو توک دیا اور وہ جملہ پورا نہ کر سکا۔

اسکھ مضطرب بھی تھا۔ اس لئے اس طرح محل ٹوکے جانے پر نہیں ہو کر جب میں سکریٹ کا پیکٹ ٹوٹ لئے گا۔

ایک بار تو رشیدہ بیچ چڑھی گئی۔ کوئی بہت بڑا پرندہ کریبہ سی آوازیں نکالتا ہوا جامن بنت سے اڑا تھا۔ قریب تھا کہ اس کے حقوق سے ایک گھٹی گھٹی ہی چیخ نکل جاتی اس نے ہاتھوں سے اپنا منہ دبایا۔

انی رات گئے اس پر ہول ویرانے میں تھا پڑے آنا آسان کام نہیں تھا۔ انور کے لئے انی ہی تشویش تھی کہ اسے بھی خاور کی روحانی قوتوں کا قائل ہو جانا پڑا تھا۔ ورنہ پہلے تو انوں تک وہ اس کا اور اس کے معتقدین کا مظکور اڑاتی رہی تھی۔ لیکن پھر جب وحیدہ باٹو ام پر انور دیوائی کے دوروں کا شکار ہونے لگا تو اسے پھر خاور ہی کی چوکھٹ پر جھکنا پڑا۔ لے اتنی ضعیف الاعتقاد بھی نہیں تھی کہ تو نکلے کرتی پھرتی۔ لیکن انور کی بر بادی نے اسے سب بننے پر مجبور کر دیا۔

اس وقت رات کے پونے بارہ بجے تھے اور وہ شہر سے تقریباً دس میل دور ایک ویرانے ٹی سٹائی بیٹھی تھی۔ بمشکل تمام ایک ایسا تالاب مل سکا تھا جس کے کنارے جامن کا تھی ہوتا۔

اس کے ہاتھ میں انور کی پرانی فلٹ ہیٹھ تھی جس کے اندر خاور کا دیا ہوا نقش رکھا تھا۔ بل بارہ بجکر ایک منٹ پر اسے اس میں تالاب کا پانی بھر لیا تھا پھر اس وقت تک اسے پانی نہیں آئا۔ اسے اپر اٹھائے رکھنا پڑتا جب تک کہ سارا پانی فلٹ ہیٹھ سے چھوٹ کر دوبارہ تالاب اندر گرتا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس میں بھی کافی وقت صرف ہو گا۔ فلٹ سے پانی کا گزرنا مان تو نہیں۔ ممکن ہے کہ صبح تک بیٹھنا پڑتا۔

وہ بار بار ریڈم ڈائل والی گھڑی دیکھ رہی تھی۔

اب بارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ یوں بھی سردی شباب پر تھی۔ پھر یہاں کھلے نالیں طرح بیٹھے رہنا آسان تو نہیں تھا۔ کبھی کبھی وہ اتنی شدت سے اپنے دانت بھینچتی کر

بجزوں میں چخنی ہونے لگتی۔

رشیدہ زمین پر چلتی تھی۔

پھر وہ لمبی آپنچا جب وہ جھک کر فلٹ ہیٹ میں پانی بھر رہی تھی۔ فعتا ایرا محروس ہوا۔ «لیکن تم نے اس کا کوٹ کیوں اتنا ریا ہے۔» انور غایا۔ جیسے ناک کے رستے طلق میں مرچوں کی دھانس سما گئی ہو۔ وہ کہنے نہیں لگتی۔ ایسی جھکے دار، «خوبی دیکھ لو۔» خاور نے لاپٹی سے کہا۔ «اگر مجھے یہاں پہنچنے میں ایک منٹ کی کھانسیاں تھیں کہ پانی سے بھری ہوئی فلٹ ہیٹ ہاتھوں میں نہ سستھلے سکی۔

پھر وہ بے تھاشہ کھانتی ہوئی پیچھے ہٹی۔ ہر کھانی کا جھنکا سر میں ایسی عی وحک پیدا کر، اپنی کرو۔ اسے تھاکر میری گاڑی مک لے چلو۔ لیکن تھہرو۔ کیا اس وقت تم ہوش میں ہو۔» جیسے کوئی مفتر پر ہاتھوڑا چلا رہا ہوا اور ہر ضرب پر رات کی تار کی میں بذر تک مزید اضافہ ہو رہا۔ «ہوش میں شد ہوتا تو اس جام، پر سرچ لائٹ کہاں سے آتی۔ بوڑھے گیدڑ۔» انور نے پھر اسے یاد نہیں کر لیا ہوا۔ وہ تو اسی طرح کھانتے کھانتے چکرا کر گری تھی اور یہ ہوش ہو گئی تھی۔ پورا رخ اس کی طرف کرتے دئے کہا۔

ٹھیک، اسی وقت تالاب کے کنارے والی اونچی جھاڑیوں سے ایک طویل قامت انداز سایہ ابھرنا اور تیزی سے رشیدہ کی طرف جھپٹتا۔ کیا مجال کہ جھاڑیاں سرسرائی بھی ہوں۔



دوسرے عی لمحے میں وہ اس پر جھنکا ہوا تھا۔ پھر اس نے اسے ہاتھوں سے اخیاڑا، تالاب سے دور ہٹ کر پھر زمین پر ڈال دیا۔

«خبردار۔» کی آواز کے ساتھ عی سائے پر جامن کے درخت سے گویا روشنی کی بادر ہو گئی۔ سایہ بھی تیزی سے جامن کی جانب مڑا۔ غالباً درخت پر سرچ لائٹ روشن تھی جس افتاب دیر کیوں کر رہے ہو۔ اس نے فریدی سے سرگوشی کی۔ «بجھ میں آگیا اس سور نوکس نیچے کی جانب تھا۔ سائے کے ہاتھ میں ریو اور نظر آیا۔

«ریو اور زمین پر ڈال دو۔» سامنے والی جھاڑیوں سے آواز آئی۔

«ہاہا۔۔۔ انور۔۔۔ آؤ آدمیرے پچے۔۔۔ سائے نے کہا۔

انور نے سامنے والی جھاڑیوں سے سائے کی طرف چلا گئی لیکن اب وہ سایہ اسے ریو اور کی گولی میرے جسم سے اسی طرح گزر جائے گی جیسے کوئی چیز پانی میں گرتی نہیں کہا جاسکتا تھا کیونکہ اس کے آس پاس روشنی عی روشنی تھی۔

«بابا خاور۔۔۔!» انور کی ساری تیزی دھری رہ گئی۔

«ہاں میرے پچے۔۔۔

آپ یہاں۔۔۔

«ہاں میرے پچے۔۔۔ ستاروں کی چال۔۔۔

سائے بلا دا اپنے آدمیوں کو اور کر گزو جو کچھ کرنا چاہتے ہو۔

کیا میں تھا کافی نہیں تمہارے لئے۔ انور کا لبھر زہریلا تھا۔ «میرے ساتھ کوئی بھی

نہیں ہے۔

”پھر یہ سرچ لائسٹ۔“

”یہ اس لئے لگائی تھی کہ تمہاری تصویر آسانی سے لی جاسکے۔“

”تواب مجھے بھی بلیک میل کرو گے۔“ خاور پھس پڑا۔

”ہاں..... یہ دیکھو...!“ انور نے شانے سے لٹکے ہوئے کمرے کی طرف اشارہ کر رکھا۔ ہم تو اس کے خلاف اس وقت سرتاپا زہر ہوا تھا جس شخص کا آج تک اس قدر احترام کرتا میں نے اس وقت تمہاری تصویر لی ہے جب تم رشیدہ کا کوت اتارتے ہے تھے۔“

”اچھی بات ہے۔“ اور غریا۔ ”جہنم میں جاؤ۔ میں جا رہا ہوں۔ تم مجھے ضرور بلیک میل کرنا۔“ پھر اس نے کچھ سوچے سمجھے بغیر اپناریو اور نکالا اور خاور کے دھندے سائے پر جھونک مارا۔ وہ مژا ہی تھا کہ انور نے ریو اور جیب میں ڈالتے ہوئے اس پر چھلاگ لگائیں ہے۔ ایک جیج سنائے میں گونجی اور سایہ لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گیا۔

کی پناہ۔ خاور تو اس طرح لیٹا تھا جیسے سر کے پچھلے حصے پر بھی دو آنکھیں رکھتا ہو۔ اس کا ہاہ کسی طرف سے فریدی نے آواز دی۔ ”یہ کیا ہوا۔“ انور کی کپٹی پر پڑا اور انو۔ تیوار کر گر پڑا۔ انور سے اندازے کی غلطی ہوئی تھی۔ لہذا یہ حا ”آؤ.... میں نے مار لیا ہے۔“ امتحنے اوپنجی آواز میں کہا۔ وہ خاور کی لاش سے غیر متوقع ہی ثابت،۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ ہاتھ ایسا ہی۔ چاٹلا تھا کہ وہ پھر نہ اٹھ سکا۔ ذہن اندر۔ ریب ہی تھا۔

میں ڈوبتا ہی چلا گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ بھی رشیدہ ہی کے پاس بیہوش پڑا تھا۔ دفتار لاش نے اس پر چھلاگ لگائی اور بے خبری میں دبوچ لیا۔ گرفت آہنی تھی۔ امتحن فریدی کا مودوی کمرہ بے آواز چل رہا تھا۔ دفتار امتحن نے لیس پر ہاتھ رکھتے ہو۔ لمحوں کیا کہ وہ توہاتھ بھی نہ ہلا سکے گا۔

فریدی جھاڑیاں پھلانگتا ہوا ان کی جانب جھپٹ رہا تھا۔ دفتار اس نے ایک کراہ سنی اور جھلا کر کہا۔ ”ختم بھی کرو۔ وہ درندہ ہوتا جا رہا ہے۔“ فریدی نے کمرے کی حرکت روک دی اور اسے وہیں جھاڑی میں ایک طرف رک رہنے کا ایک سائے کو بھاگتے دیکھا۔

ہوئے خاور کو لکھا رہا۔ اس بار خاور بڑی طرح اچھلا۔ لیکن قبل اس کے کہ اس کا ہاتھ جیب، ”ٹھہریے سوپ۔“ اس نے آواز دی۔ ”میں یہاں ہوں... کیا ہوا۔ کیا وہ مر گیا۔“ داخل ہو سکتا فریدی اس کے سر پر تھا۔

خاور اس سے لپٹ پڑا۔ دوسرا طرف سے کیپٹن امتحن خاور کو گالیاں دیتا ہوا ہے۔ لیکن جیسے ہی فریدی قریب پہنچا اس نے اس پر بھی چھلاگ لگائی۔ اب فریدی کو اپنی لہلکا احساس ہوا لیکن وہ ہوشیار ہو چکا تھا۔ خاور کی پیش نہ گئی فریدی نے اس کے دنوں ہاتھ تھا۔ اس کے ہاتھ میں چھکڑیوں کا جوزا تھا۔

خاور کسی چکنی مچھلی کی طرح فریدی کی گرفت سے نکل گیا۔ وہ ایک طرف دوڑا جا رہا۔ ہر کٹا ٹانگ ماری اور وہ دھڑام سے نیچے چل گیا۔ خاور اتنا احتیق نہیں ہو سکتا تھا کہ سلسلے چشم زدن میں سرچ لائسٹ کے فوکس کے دائرے سے بہت دور جا لکھا۔ فریدی نے تربیٹ کے باوجود بھی لپٹا جیسی کی حماقت اس سے سرزد ہوئی۔ حقیقتاً اس کاریو اور اسی وقت جیب سے کی ایک جھاڑیوں کے سلسلے میں چھلاگ لگائی تھی اور امتحن بے تحاش خاور کے پیچے دڑا جا رکھا تھا جب جامن کے درخت کے نیچے فریدی سے پہلی جھڑپ ہوئی تھی۔

غمتم نے بارن بارن کی کیا رٹ لگا کرھی ہے۔“

فریدی اُسے کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھا اور خاور کے ہاتھی جیسے کان پکڑ کر کھینچنے لگا۔

لیکن خاور کے چہرے پر کرب یا تکلیف کے آثار نہ دکھائی دیئے۔ زبان سے بھی کچھ نہ لکلا۔ وہ نکتے کی سی حالت میں تھا۔

”یہ کیا بیہودگی ہے۔“ آئی جی گر جا۔ ”میری موجودگی میں تشدد۔“

”نہیں جتاب۔“ فریدی مژکر پر سکون انداز میں مسکرا یا۔ ”اگر میں کسی کی آسمیں پکڑ کر کھینچوں تو اسے تشدید نہیں کہیں گے۔۔۔ البتہ بداخلاتی ضرور ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہو۔“

”آسمیں کھینچنی تھیں میں نے۔۔۔ یہ دیکھئے۔“ فریدی خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر چاروں طرف کچھ ثوٹتے لگا۔ خاور اب بھی کسی بت ہی کی طرح بیٹھا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں نکل چکیں تھیں کر رہی تھیں۔ پلکیں جھپکانا تو بڑی بات۔

دفتارہ سراہاتھ بھی گریبان ہی میں ریگ گیا اور اب فریدی کچھ اس طرح زور کر رہا تھا جیسے کسی چیز کو اس کی جگہ سے اکھاڑنے کی کوشش کر رہا ہو۔ یک بیک خاور کے چہرے سے ایک چھملا سا تر گیا۔

”مسٹر بارن۔“ آئی جی یوکھلا کر دو چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔

”مسٹر بارن۔“ فریدی نے طویل سانس لی اور بے تعلقانہ انداز میں دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

پھر خود اس نے سکوت توڑا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”اگر اتفاقاً مجھے اس آدمی کی انگلیوں کے ثناں نہ دستیاب ہو جاتے تو شاید میرے فرشتے بھی اندازہ نہ کر سکتے کہ خاور ہی بارن بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر ایک شخص ڈینی کے قتل کا الزام بھی عائد کیا جاسکتا ہے۔“

”وسرے لوگ بارن کو حیرت سے دیکھ رہے تھے کیونکہ اسکے اصل کا ان غائب تھے اور ان کو جگلکر صرف دوسرا خ نظر آ رہے تھے۔ غالباً اسی لئے وہ اس قسم کی گزی استعمال کرتا تھا جس

خاور نے پھر انھنے کی کوشش کی لیکن اس بار اس کے سینے پر ایک زور دار ٹھوک پڑی اور فریدی مضطربانہ انداز میں چینا۔ ”سو پر۔۔۔ سو پر۔۔۔ آپ کہاں ہیں۔“

لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے پھر پکارا لیکن بے سود۔ پھر وہ خاور سے بھڑا ہوا اسے پکارتا ہی چلا گیا۔

آخر اس نے خاور سے کہا۔ ”ذیل آدمی میں ہوشیار ہوں۔ تمہارا حربہ مجھ پر کامیاب نہیں ہوگا۔ اب آخری سفر کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

”میں تمہیں کتے کی موت مار دالوں گا۔“ خاور دانت پیس کر غرایا۔ لیکن شاید اسے اپنا کوئی مقابل بھی پہلی ہی بار ملا تھا۔ یک بیک فریدی نے اسے دونوں ہاتھوں پر بلند کر کے زمین پر دے مارا۔ خاور کی چیخ کر یہہ اور طویل تھی۔



اگر یہ آئی جی کیپشن اسٹھن کی لاش کو آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

”مگر یہ مرا کیسے۔“ اس نے فریدی سے کہا۔

”اس کا جواب یا تو پوسٹ مارٹم دے سکے گی یا مسٹر بارن۔“ فریدی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

”کیا بیک رہے ہو۔“ آئی جی اس پر چڑھ دوڑا۔

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔“ فریدی نے خاور کی طرف اشارہ کیا جو ایک کرسی میں رہی ہے جگڑا ہوا تھا۔ ”یہ بارن ہے۔۔۔ راتا پر مود کا سیکریٹری بارن۔۔۔ ڈاکٹر ڈاف اور اس کی لوکی کا قاتل۔۔۔ سو پر اسٹھن کا قاتل۔ سو پر کی گردان پر بھی دانتوں کا نشان موجود ہے۔ کارہ بٹائیے۔“

آئی جی مضطربانہ انداز میں لاش پر جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ”ہاں نہان ہے۔“

”آپ خواہ مخواہ پر بیشان ہیں۔“ فریدی مسکرا کیا۔ ”بالا شہر وہ چنانی پا جائے گا۔ لیکن یقین
بھیجئے کہ آپ کے معاملات اس کی زبان پر نہیں آئیں گے۔“

”عدالت میں اس کی زبان کوں روک سکے گا۔ وہ مجھے یقیناً ذلیل کرے گا ورنگوی سے
ہمارے کچھ کٹلے ہوئے تازہ عات بھی چل رہے ہیں۔“

”آپ مطمئن رہئے..... وہ قطعی زبان نہیں کھولے گا۔ ذرا یہ تو سوچئے کہ اس نے اسی
وران میں آپ کاراز کیوں نہیں ظاہر کر دیا جب میں نے وہ ہاتھ اپنے اسٹال پر رکھا ہے تھ۔
چاہتا تو اسی وقت دستاویز کی عکسی تصویریں کم از کم آپ کی اسٹیٹ میں تو تقسیم کرائی دیتا۔“

”مجھے خود بھی حیرت ہے کہ اس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔“

”نہیں کر سکتا ہے۔ اُسے خدشہ لاحق ہے کہ میں اس کی روح کو شاید دوسرا دنیا میں بھی
سکون سے نہ رہنے دوں۔“

”کیا مطلب....؟“

”یہ ایک راز ہے جسے میں صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے
ٹنک لمحہ میں کہا۔ ”میں اس سے ان ہاتھوں کے متعلق سارے کاغذات بھی حاصل کرلوں گا۔“
مہاراج کمار کچھ بیرون چلا گیا اور پھر طالزم نے پنسن تارا کا کارڈ پیش کیا جو دیر سے
آؤٹ ہاؤز میں اس کی نظر تھی۔ لیکن ملازم کو ہدایت کر دی تھی کہ مہاراج کمار کی موجودگی میں
اس کا کارڈ پیش نہ کیا جائے گا۔

فریدی خود ہی آؤٹ ہاؤز تک آیا۔ اسے ڈائینگ روم میں نہیں بلوایا۔ لیکن تارا جس حال
میں بھی نظر آئی فریدی کے لئے غیر متوقع تھا۔ بال پر بیشان، آنکھیں سرخ، پلکیں اتنی متور تھیں
جیسے کئی دن سے متواتر روتوں رہی ہو۔ ہونتوں پر پڑیاں تھیں اور چہرے کا گندلاپن کہہ رہا تھا
جیسے کبھی آئینہ دیکھنے کی بھی زحمت نہ گوارہ کی جاتی ہو۔

وہ آرام کری پر پڑی اونگھرہ ہی تھی۔ فریدی کی آہٹ پر چونک پڑی۔
بس وہ اُسے کسی سحر زدہ کی طرح گھورے جا رہی تھی۔ پلکیں جمپکائے بغیر۔

کے نیچے کا نوں کے سوراخ چھپ سکتے اور کا نوں اُلیٰ غیر موجودگی بھی نہ ظاہر ہو سکتی۔
”یہ بھی جو نی ہے۔“ فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”اس لئے دو ہری زندگی گزار رہا تھا
اس کے گرد عورتوں کی بھیڑ رہتی تھی ایک طرف وہ انہیں کسی راہ پر لگاتا تھا اور دوسری طرف
بارن ہی یا خاور کی حیثیت سے وہاں موجود ہوتا تھا۔ عورتوں کو بیہوش کر دینے کے لئے ایک قسم کا
خواب آور سفوف استعمال کرتا تھا۔ ادھر کچھ دنوں سے بہت زیادہ محتاط ہو گیا تھا یعنی میرے
روپ سے بارن کی حیثیت سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ اس لئے اس وقت ہم نے اسے خاور ہی کے
روپ میں دیکھا تھا۔ ورنہ خاور کے روپ میں کسی پر حملہ نہ کرتا ہو گا کیوں دوست بارن۔ مگر اب
تمہارے حلق سے آوازن نکلے گی۔“

لیکن خلاف توقع لوگوں نے بارن کا قبھہ سنا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”تم جیت گئے واقع
بڑے جیا لے ہو۔ میں دل سے تمہاری قدر کرتا ہوں.... اور میں ہاں میں بھی جو نی ہوں۔
اذیت رسائیں ہوں.... ایذا طلب ہوں لذت کا مثالی۔ خواہ وہ کسی صورت میں ملے۔“

اس نے خاموش ہو کر سکاری لی اور اس کی آنکھیں نیم واں نظر آنے لگیں۔ نئے میں
ڈوبی ہوئی خواب ناک سی.... بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ کسی لذت انگیز تصور سے الف
اندوڑ ہو رہا ہو۔

کچھ دری بعد اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں قاتل ہوں۔ تم صرف تین کی بات
کر رہے ہو۔ میں درجنوں کا قاتل ہوں۔ کاش تم میں سے کوئی اس وقت بھی میرے دانت
اپنے نام میں چیختے ہوں۔“

اس لے دانت پر دانت جما کر سکاری لی... آنکھیں کچھ اور نشانی ہو گئیں۔



مہاراج کمار بہت نزوں نظر آ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خود اپنے لئے چنانی کے
احکام کا منتظر ہو۔

مرکون گی جیسے چاہتی تھی۔ خدا کا شکر ہے.... اُو.... دیکھو ادھر دیکھو میری طرف۔“
وہ مسکرائی اور اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ لیکن ہونٹ اب بھی مسکراہٹ کے سے
انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ البتہ جسم روح سے خالی ہو چکا تھا۔
پھر کچھ دیر بعد اس کی بھینگتی ہوئی مٹھی سے ایک پرچہ نکلا گیا جس پر تحریر تھا۔
”میں زہر پی کر بارن کے ایک جرم کی تفصیل بتانے آئی ہوں۔“
انپکڑ فریدی کا میری موت سے کوئی تعلق نہیں۔ میں انپکڑ فریدی کو سب
کچھ بتا دوں گی۔
تارا آف ورگوری اشیٹ۔“



فریدی دروازے کی سلانجیں پکڑے بارن کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔
”میں مہاراج کمار کو خاک میں ملا دوں گا۔“ بارن آنکھیں نکالے کہہ رہا تھا۔ ”ذرا
ملات میں تو پیش ہونے دو مجھے۔“
”تارا نے زہر کھایا مرگی۔“ فریدی نے پر سکون آواز میں کہا۔
”کیا...!“ بارن دھاڑ کر اٹھا۔

”ہاں.... راتا پر مود....!“
”اوہ....!“ وہ لڑکھڑاتا ہوا چیچھے ہٹا اور دیوار سے نکل کر ہاتھنے لگا۔ فریدی نے اُسے
گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”راتا پر مود.... اب صرف میں ہی اس راز سے واقف ہوں کہ تم راتا پر مود
ہو۔ وہ بوڑھا بھی تھا رے ہی ہاتھوں مارا جا پکھا ہے جو تھا رے راز سے واقف تھا۔ وہ ورگوری
کے ولنکڈن ہوٹل میں اس وقت مارا گیا تھا جب میرے آدمی اس سے ایک سربند لفافہ حاصل

”میں تمہیں اپنی کہانی سنانے آئی ہوں۔“ دھنعا وہ اتنی اوپری آواز میں بولی جیسے فریدی
بہرہ ہو۔ ”سنو گے۔“ تمہیں سننی پڑے گی کیونکہ میں تمہاری وجہ سے لٹ گئی ہوں۔ مجرم تمہارے
قبضے میں ہے لیکن کیا تم مجھے وہ چیز واپس دلا سکو گے جو محض تمہارے لئے لوٹی گئی تھی۔“
”میں نہیں سمجھا! محترم آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔“ فریدی کے لمحے میں حیرت تھی۔
”میں سمجھو گے.... اچھا تو سنو۔“
وہ حقیقی کہ اپنی کہانی دہرانے لگی اور فریدی کے چہرے کا رنگ اڑتا رہا۔ جب وہ
خاموش ہوئی تو اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے خود اس نے ہزاروں میل کا سفر پیدل طے کیا
ہو۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا اور پیروں کی قوت جواب دینے لگی تھی۔ وہ ایک آرام کری کے ہتھے سے
نکل گیا۔

تارا آنکھیں بند کئے گھری گھری سانسیں لے رہی تھی۔ دھنعا وہ اٹھی اور بولی ”بارن.... یا
خاور.... میری موت کا باعث نہیں۔ تم ہو.... تم...!“
”مگر محترم۔ مجھے کیا پڑتے کہ آپ میرے متعلق کیا سوچتی رہی ہیں۔ آپ مجھے کیوں الام
دے رہی ہیں اور پھر یہ بات.... یعنی کہ۔“ فریدی ہکلا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا
کہ کیا کرے۔ کیا کہے۔ یہ عظیم ترین فریدی تھا جس نے بڑے بڑے سرکشوں کی گرد نیں
توڑی تھیں.... ابھی ہوئی گھیاں سلبھانے کا ماہر تھا۔ وہ ہکلا رہا تھا۔ ایک لڑکی کے اٹھا رعش
پر.... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ جواب میں اس سے کیا کہے۔
”اوہ.... سنجا لو.... مجھے۔“ تارا لڑکھڑاتی ہوئی چھپتی۔ فریدی نے جھپٹ کر اُسے بازو کا
سہارا دیا اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائی۔

”میں اسی طرح منا چاہتی تھی۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”کیا تم مجھے یاد رکھو گے۔“
فریدی کے ہاتھ کا پنچے لگے.... اور وہ جلدی سے بولی۔ ”نہیں.... خدا کے لئے صرف چند
لمحے اور مجھے اسی طرح اپنے ہاتھوں پر سنjalے رہو۔ یہ میری آخری خواہش ہے۔ پھر کبھی نہیں
آؤں گی کوئی خواہش ظاہر کرنے.... میں نے زہر پیا تھا۔ لیکن توقع نہیں تھی کہ اس طرح

بہا۔ میں اُسے کبھی زندہ نہ چھوڑتا لیکن خبر و..... مجھے اپنی حرکتوں پر ندامت نہیں ہے کیونکہ پہنچا بھی ظلم ہوا تھا۔ خواہ مخواہ میرے کان کاٹنے گئے تھے اس وقت مجھ میں Incest کا رجحان ہو دیا تھا۔ اس کے بعد پھر نہ جانے کیوں میں خطرناک قسم کا جنسی جزو بنتا گیا۔ شاید یعنی میں مقصودی یا deviation Objectivے قسم کا تھا۔ مجھ سے بچا ہو۔ میں نے زہریلا دانت لے جوایا تھا کہ خود کو ایک خونخوار اور دھماکہ حاصل کر کے مجھے جنسی تلذذ حاصل ہوتا تھا۔ تم ڈاکٹر اس کے متعلق سوچ رہے ہو گے۔ وہ دراصل میرا راز دار تھا اور وہ بھی میری ہی طرح جنسی ہوئی تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ تم اس کی طرف متوجہ ہونے لگے ہو۔ خصوصیت سے اس بت جب میں نے اس کا آدمی تھا یقینی طور پر سب کچھ اگل دیتا۔ لیکن اب میں تم سے ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بارن ہی کی حیثیت سے مر جانے دو۔ رانا پر مود کی حیثیت سے نہیں۔ میں مہا راجگار والا معاملہ اپنی زبان پر نہیں لاوں گا.... اس کے عکس ہوا تو....."

"ہاں میں جانتا ہوں..... تمہاری بہتیری بھاگ جیاں اور بھیجاں بھی خود کشی کر لیں گی۔"

"نہیں..... مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ کون مرتا ہے کون زندہ رہتا ہے۔ میں رانا پر مود اپنے آباد اجداد کی بدناہی کا باعث نہیں بننا چاہتا۔ اس خاندان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ اگر میں نے رانا پر مود کی حیثیت سے چھانسی..... ہائے چھانسی۔"

اس نے خاموش ہو کر سکاری لی اور اس کی آنکھیں شلی ہو گئیں۔ جسم کا نپ گیا۔

لیکن یہ خوف کی حالت تو نہیں تھی۔ لذت سو فیصدی کی قسم کی لذت کا احساس تھا جس کے تحت جسم کا پاتا تھا۔ آنکھیں چڑھتی چلی گئی تھیں۔

پھر وہ آہستہ آہستہ اعتدال پر آگیا اور اب اس کے ہونوں پر ایک جھینپی ہوئی تھی کراہت تھی اور اس نے اپنی طرف سے فریدی کا دھیان ہٹانے کے لئے ہنس کر کہا تھا۔ "تم بہت چالاک آدمی ہو پیارے.... تم میرے اس سانپ سے بھی مرعوب نہیں ہوئے تھے جو تم پر چوت سے گرا تھا۔ شاید تم نے اندازہ کر لیا ہو گا کہ چھت میں کوئی میکرزم موجود ہے۔"

کرنے کے لئے وہاں اس کے منتظر تھے۔ لفاذ ورگوری پولیس کے انپکٹر نے غائب کر کر تم تک پہنچا دیا تھا اور تم مطمئن ہو گئے تھے کہ تمہارا راز مجھ تک نہیں پہنچ سکا لیکن یہ تمہارا وہم ہے۔ آج سے دس سال پہلے مجھے تمہارے متعلق جرمی کے ڈاکٹروں سے معلوم ہوا تھا۔ وہی ڈاکٹر جس نے تمہارے لئے وہ زہریلا دانت ڈھانی ہزار پوٹ میں بنایا تھا۔ بہر حال اس وقت مجھے تمہاری ذات سے کیا لچکی ہو سکتی ہے۔ میں نے تمہیں بارن کی حیثیت سے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا۔ صرف نام سنا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ خاور کے چہرے پر مجھے پلاسٹ میک اپ کا گمان بھی نہیں تھا۔ اگر ایک بار بھی تم مجھے کہیں نظر آگئے ہوتے تب تو میں یقینی طور پر خاور کو بھی پہچان لیتا۔ بہر حال وہ بوزھا جسے تم نے ولکنڈن میں قتل کرایا تھا خود ہی آیا تھا میرے پاس.... کیونکہ اس نے بھی تمہیں اچانک ہی دیکھا تھا اور....!"

"بل خاموش رہو۔" وہ ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔ چند لمحے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھائے رہا پھر اسی طرح چہرہ ڈھانپے ہوئے بولا۔ "سنو.... میں بالکل بے قصور ہوں۔ پہنچنے ہی سے کریک تھا اور میرا بابا پر بھی جنسی جزوئی تھا اور ماں بھی ایسی ہی تھی۔ وہ اتنے بیہودہ تھے کہ خیر ہٹاؤ.... میں اس وقت صرف پندرہ سال کا تھا.... میری ایک بڑی سوتیلی بہن تھی۔ ان دونوں فرانس سے آئی تھی اور لندن میں ہمارے ہی ساتھ مقیم تھی۔ ایک رات جب میں ایک خادم کے لئے مضطرب تھا اسی کے دھوکے میں میں نے اس سوتیلی بہن کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ وہ یقینی تھی.... بابا پا گا۔ پڑا... وہ بہت غصہ ور بھی تھا۔

بس پاگل ہو جاتا تھا۔ اس نے مجھے زمین پر گرا کر میرے دونوں کان کاٹ دیئے تھے۔ میں رات بھر بیویوں پر ادارہ تھا۔ پھر یہ بات چھپائی گئی تھی۔ وہی بوزھا جس نے تمہیں کچھ بتانے کی کوشش کی تھی ہمارا ملازم تھا اور میرے کان اسی کے سامنے کاٹنے گئے تھے۔ اس سے راز داری کا حلف انھوں یا گیا کہ وہ کسی سے اس کا تذکرہ کبھی نہ کرے گا۔ اس کے معاوضے کے طور پر اسے ایک بڑی رقم بھی دی گئی تھی۔ لیکن پھر جب اس نے مجھے بارن کے روپ میں Incest کا مرٹکب ہوتے دیکھا تو تمہارے پاس دوڑا آیا ہو گا۔ کاش مجھے پہلے ہی معلوم

”اس دانت کا تم پر کیوں نہیں اثر ہوتا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میں خود بھی زہریلا ہوں نثرے کے لئے سنکھیا استعمال کرتا ہوں۔“ پرمود نے قہقہہ لگایا۔
فریدی چند لمحے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”میرا بس چلے تو میں اپنے دانت تمہارے
نثرے میں پیوسٹ کر دوں۔ ذیل آدمی۔ تم نے میری آڑ میں تارا کا شکار کیا تھا۔ ورنہ کم از کم
وہ تو تم سے محفوظ ہی رہتی۔“

”چلے جاؤ۔“ وہ حلق چھاڑ کر دھاڑا۔ ”چلے جاؤ۔۔۔ میرا مودہ نہ خراب کرو۔ میں اس وقت
چھانی کے تصور سے شہد نچوڑ رہا ہوں۔“ اس کی آنکھیں پھر نشلی ہو گئیں اور جسم بھی کاپنے لگا۔
فریدی سوچ رہا تھا۔ تارا بہر حال سکون سے مری۔ اگر اسے بارن کی اصلیت معلوم ہو جاتی؟

ختم شد